فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

طاہرہ بتول

پی ایچ ۔ڈی علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

نومبر ۲۰۱۷ء

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

مقالہ نگار

طاہرہ بتول

پی ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ

نگران مقالہ

ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری

صدر شعبہ علوم اسلامیہ، نمل

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

نومبر ۲۰۱۷ء

© طاہرہ بتول

بسم الله الرحمن الرحيم

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defense Approval form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے ، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہے اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)

Fateh e Makkah mein AaHazrat S.A.W ka Dawati, Siyasi Aur Harbi Kirdar

(Asr E Hazir Ke Tanazir mein Tajziati Jaiza)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: طاہرہ بتول

رجسٹریشن نمبر: ۵۲۴-PhD/IS/F۱۴

ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری ____________________

(نگران مقالہ) دستخط نگران مقالہ

ڈاکٹر شاہد صدیقی ____________________

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم ____________________

(ریکٹر نمل) دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ____________________

حلف نامہ فارم

(Candidate declaration form)

میں طاہرہ بتول ولد علمدار حسین

رول نمبر: ۵۲۴ رجسٹریشن نمبر: ۵۲۴-PhD/IS/F۱۴

طالبہ، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتی ہوں کہ مقالہ بعنوان: **فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار**

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)

Preaching, Political and War role of the Holy Prophet (PBUH) in the Conquest of Makkah

(An Analytical Review in the Contemporary Context)

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور **ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: طاہرہ بتول

دستخط مقالہ نگار: ____________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

فہرستِ عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱.	مقالہ کی منظوری کا فارم(Thesis Acceptance Form)	iv
۲.	حلف نامہ (Declaration)	v
۳.	فہرست عنوانات (Table of Contents)	vi
۴.	انتساب(Dedication)	ix
۵.	اظہار تشکر(A word of thanks)	x
۶.	ملخص مقالہ (Abstract)	xi
۷.	مقدمہ	xii
۸.	باب اول: فتح مکہ کا تعارف	۱
۹.	فصل اول: فتح مکہ کے اسباب	۲
۱۰.	فصل دوم: فتح مکہ کے واقعات	۱۷
۱۱.	فصل سوم: فتح مکہ کے نتائج	۴۸
۱۲.	باب دوم : آنحضرت ﷺ بطوراولوالعزم داعی	۶۱
۱۳.	فصل اول: دعوت کے مفاہیم اور اہمیت	۶۲
۱۴.	مبحث اول: دعوت کے مفاہیم	۶۳
۱۵.	مبحث دوم: دعوت کی اہمیت	۶۹
۱۶.	فصل دوم: اسلام میں دعوت کے اصول وطریقےاور داعی کے اوصاف	۷۸
۱۷.	مبحث اول: اسلام میں دعوت کے اصول	۷۹
۱۸.	مبحث دوم: اسلام میں دعوت کے طریقے	۱۰۵
۱۹.	مبحث سوم: داعی کے اوصاف	۱۰۹
۲۰.	فصل سوم: بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی اور عملی ارتقاء	۱۱۳
۲۱.	مبحث اول: بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی	۱۱۴
۲۲.	مبحث دوم : آنحضرت ﷺ کی دعوت کا عملی ارتقاء	۱۲۳

۲۳.	فصل چہارم : فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی کردار	۱۴۱
۲۴.	باب سوم: آنحضرت ﷺ بحیثیت ماہر سیاست دان	۱۵۹
۲۵.	فصل اول: سیاست کی تعریف اور سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے	۱۶۰
۲۶.	مبحث اول :سیاست کی تعریف	۱۶۱
۲۷.	مبحث دوم:سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے	۱۶۳
۲۸.	فصل دوم :سیاست کے اسلامی اصول و مبادی	۱۶۹
۲۹.	فصل سوم : آنحضرت ﷺ بحیثیت سیاسی لیڈر اصول اور حکمت عملی	۱۸۳
۳۰.	مبحث اول : آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سیاسی لیڈر اصول سیاست	۱۸۴
۳۱.	مبحث دوم :آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سیاسی لیڈر حکمت عملیاں	۲۰۲
۳۲.	فصل چہارم : فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار	۲۱۶
۳۳.	باب چہارم: آنحضرت ﷺ کی زندگی کا حربی پہلو	۲۳۶
۳۴.	فصل اول:حرب کے معنی و مفہوم اور اسباب حرب	۲۳۷
۳۵.	مبحث اول: حرب کے معنی و مفہوم	۲۳۸
۳۶.	مبحث دوم: اسباب حرب	۲۴۲
۳۷.	فصل دوم : حرب کے اسلامی حدود	۲۵۳
۳۸.	فصل سوم : آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات اور حکمت عملی	۲۷۶
۳۹.	مبحث اول : آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات	۲۷۷
۴۰.	مبحث دوم : آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سپہ سالار اعظم حربی حکمت عملی	۲۹۱
۴۱.	فصل چہارم :فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا حربی کردار	۳۰۲
۴۲.	باب پنجم:عصر حاضر کے مسائل اور فتح مکہ کی روشنی میں ان کا حل	۳۲۰
۴۳.	فصل اول : دعوتی مسائل اور ان کے حل کے لئے راہنما خطوط فتح مکہ کی روشنی میں	۳۲۱
۴۴.	فصل دوم : سیاسی مسائل اور ان کا حل فتح مکہ کی روشنی میں	۳۴۳
۴۵.	فصل سوم : حربی مسائل: فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول	۳۶۲
۴۶.	نتائج	۳۸۲
۴۷.	سفارشات و تجاویز	۳۸۵

۴۸.	فہرست آیات قرآنی	۳۹۰
۴۹.	فہرست احادیث مبارکہ	۳۹۴
۵۰.	فہرست اعلام	۳۹۸
۵۱.	فہرست اماکن	۴۰۶
۵۲.	فہرست مصادر و مراجع	۴۰۷

انتساب

میں اپنی اس کاوش کو فخر موجودات،سید المرسلین،خاتم النبیین حضرت محمد مصطفی ﷺاور ان کی آل پاک سے منسوب کرتی ہوں جن کی بے مثال محنتوں اور قربانیوں سے آج دین الٰہی قائم ہے۔

اس کے ساتھ اس کوشش کو اپنے شفیق والدین و اساتذہ سے بھی منسوب کرتی ہوں جن کے سبب میری مادی و معنوی پرورش و تربیت انجام پائی۔

طاہرہ بتول

(مقالہ نگار)

اظہار تشکر

سب سے پہلے میں اللہ تعالی کا شکر بجالاتی ہوں جس کا شکر ہر سانس کے تسلسل سے واجب ولازم ہو جاتا ہے۔ جس کی نصرت اور عطا کر دہ توفیق سے یہ کام مکمل ہو سکا اور پھر لاکھوں درودو سلام ہوں حبیب خدا جناب محمد مصطفی ﷺ اور ان کی آل پاک پر ،اس کے بعد میں ہراس شخص کا شکر ادا کروں گی جس سے کسی بھی طرح سے مجھے اس تحقیقی کام میں استفادہ ہوا،بالخصوص نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد کے ریکٹر میجر جنرل (ر)ضیاء الدین نجم صاحب،ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسزڈاکٹر شاہد صدیقی،ڈائریکٹر ایکڈیمکس جناب ڈاکٹر عزیز صاحب،جناب ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری صدر شعبہ علوم اسلامیہ NUML،جناب ڈاکٹر نور حیات خان صاحب ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ NUML اور دیگر اساتذہ کرام کی بے حد ممنون و مشکور ہوں کہ جنہوں نے مقالے میں ہر ممکن تعاون فرمایا ۔میں بطور خصوصی ڈاکٹر سید عبدالغفار بخاری کی ممنون و مشکور ہوں،جنہوں نے میرے مقالے کی اشراف کو قبول کیا اور ہر طرح سے میری رہنمائی کا فریضہ بحسن و خوبی سر انجام دیا۔میں ان کے لئے دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالی ان کی عمر میں برکتیں نصیب کرے ۔

میں اپنے والدین اوربہن بھائیوں کی بے حد مشکور ہوں جن کی وجہ سے میں آج اس مقام تک پہنچی ہوں ۔میں نمل یونیورسٹی کی وساطت سے ادارہ ہائر ایجوکیشن کمیشن کی مشکور ہوں کہ جن کی سکالرشپ کی بدولت فکر معاش سے بے فکر رہی۔ میں مختلف اداروں کی لائبریریز کے سٹاف ممبران کی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے میری ہر مشکل میں مناسب رہنمائی فرمائی۔

آخر میں میں اللہ تعالی سے دعاگو ہوں کہ ان سب کو حفظ و آمان میں رکھے اور ان کی توفیقات خیر میں اضافہ فرمائے اور دنیا و آخرت کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین

ABSTRACT

The life of the Holy Prophet (PBUH) as a role model for human beings encompasses all aspects of life. The Prophet Muhammad's life is considered to be an example for all believers. In Islamic history, there are numerous events that exemplify the Prophet Muhammad's struggles and his character. These events have played a defining role .In which, one is the conquest of Makkah. The conquest of Makkah is very important event when Mecca was freed from idolatry and conquered by Muslims. The preaching (missionary), political and war (military) role of the Holy Prophet (PBUH) in the Conquest of Makkah is very important. Because of the noble character of The Holy Prophet (PBUH), Makkan tribes surrendered without much resistance, to the Army of Islam. The conquest of Makkah showed that Islam was the religion of Allah and many men and women of Quraish embraced Islam. The best role of the Holy Prophet (PBUH) in The Conquest of Makkah showed the love of the Holy Prophet (PBUH) for humanity, his concern for the safety of the lives and avoid bloodshed as far as possible.

The research problem is that, in Modern era Muslim faced so many preaching (missionary), political and war (military) problems. Preacher, politician and military commander solved their problems through preaching (missionary), political and war (military) role of the Holy Prophet (PBUH) in the Conquest of Makkah.

The objective of this thesis was to highlight the preaching (missionary), political and war (military) role of the Holy Prophet (PBUH) in The Conquest of Makkah. Because the Prophetic role and strategies in The Conquest of Makkah served as noble examples for Muslim society.

The method used for research was historical and analytical. Consequently, The Holy Prophet (PBUH) conquered the last and the most solid stronghold of the enemy. The Holy Prophet (PBUH) made Islam universal religion, established the government of peace and destroyed the political and military existence of Quraish in the Makkah.

I hope that this work will help the human beings to solve their problems. Because the Prophet's preaching, political and war (military) role in the Conquest of Makah is a shining example for all to follow.

مقدمہ

موضوع تحقیق

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار

(عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)

موضوع تحقیق کا پس منظر

تاریخ انسانی میں ایسے لاکھوں افراد گزرے جنہوں نے اپنی زندگیاں انسانوں کے لئے نمونے کے طور پر پیش کیں۔ان میں سے شاہان عالم، سپہ سالار، علما، حکما اور فاتحین عالم ہیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ ان مختلف گروہوں میں کس کی زندگی سعادت، نجات اور ہدایت کی ضامن ہے۔اور انسانوں کے لئے قابل اتباع اسوہ حسنہ ہے۔اس نقطہ نظر سے انبیاء کرامؑ کا گروہ ہی اس معیار پر پورا اترتا ہے۔لیکن ہر ایک نبی اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کو اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا اور صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی زندگی پوری انسانیت کے لئے قیامت تک اسوہ حسنہ ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

ترجمہ: تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

آپ ﷺ کی زندگی کے ان بہترین نمونوں میں سے فتح مکہ میں آپ ﷺ کا دعوتی،سیاسی اور حربی طرز عمل مسلمانوں کے لئے ایک انمول نمونہ ہے ۔فتح مکہ پر سیرت النبی، مغازی ، حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں بہت لکھا گیا۔یہ سب مواد فتح مکہ کے اسباب، واقعات، نتائج اور اثرات بیان کرتے ہیں۔موجودہ تحقیق میں فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔عصر حاضر میں مسلمان داعی، لیڈراور سپہ سالار نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق عمل نہیں کر رہے ہیں ۔اس بات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار اورعصر حاضر کے مسائل کا اس کی روشنی میں حل پیش کرنے کے لئے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جائے۔ تاکہ وہ اس سے استفادہ حاصل کر کے کامیاب ہو سکیں۔

---

(۱)سورۃ الاحزاب:۳۳/۲۱

موضوع تحقیق کا تعارف

فتح مکہ آپ ﷺ کی زندگی میں ایک فیصلہ کن معرکہ اور فتح اعظم ہے۔اس میں آپ ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار بے مثال ہے ۔ اس میں آپ ﷺ نے ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کا مقصد امن و اصلاح تھا نہ کہ تخریب و انتقام ، انسانی عظمت کا تحفظ تھا نہ کہ خون ریزی ۔ فتح مکہ آنحضرت ﷺ کے طویل خواب کی حسین تعبیر تھی ۔جس کے پس پردہ آنحضرت ﷺ کی سیاسی و حربی حکمت و بصیرت، معاملہ فہمی ،حالات کو اپنی موافقت میں تبدیل کر لینے کی عمدہ ترین صلاحیتوں ، بالغ نظری ، صبر و استقامت اور اللہ تعالی کی غیبی مدد اور فتح کی نوید کار فرما تھی ۔ جس نے مکہ کے رہنے والوں کو بلا کسی شدید خون ریزی کے ایک ہی دن ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیا۔ یہ فتح زمین،جائیداد اور مال پر فتح حاصل کرنا نہ تھی بلکہ دلوں کا جیتنا اس کا مقصد تھا۔

یہ فتح بیس رمضان المبارک آٹھ ہجری کو واقع ہوئی ۔ اس عظیم فتح کے ذریعہ اللہ نے اپنے دین کو، اپنے رسول ﷺ کو اور اپنے لشکر کو عزت دی۔ اپنے شہر اور اپنے گھر کو کفارومشرکین کے ہاتھوں سے چھٹکارہ دلایا ۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے دعوتی ،سیاسی اور حربی کردار کی وجہ سے کفار اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو گئے۔ عرب کے ہر حصے سے مدینے میں سفارتیں آنے لگیں اور فاتح مکہ کے مذہب اور حکومت کو ماننے کا اعلان کرتی گئیں۔

موضوع تحقیق کی اہمیت

آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے رخصت ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں۔اس دوران بے شمار تبدیلیاں رونما ہوئیں اور ان تبدیلیوں نے انفرادی اور اجتماعی زندگی کو بدل دیا ہے۔مگر اس کے باوجود دور جدید میں بھی آپ ﷺ کی حیات مبارکہ اسی طرح نمونہ کمال اور واجب الاطاعت ہے جیسے چودہ سو سال پہلے تھی ۔ دور جدید میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق آنحضرت ﷺ کی قولی و عملی ہدایات سے واقف ہو کر اپنی زندگی کو با مقصد بنانا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

آنحضرت ﷺ کے اسوہ حسنہ میں فتح مکہ ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے ۔جس نے عرب کے لوگوں کو جھنجھوڑ کر نیند سے جگا دیا اور تحریک اسلامی کے نئے دور کا آغاز ہوا۔مکہ کی فتح سے اسلام مخالف طاقتوں کا سب سے اہم مرکز ختم ہو گیا ۔ فتح مکہ نے حالات کا دھارا بدل دیا اور فضا میں تغیر آ گیا۔ اس سے اسلام اور کفر کے درمیان ہونے والی جنگ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں ہوگئی اوراسلام کی روشنی تمام عرب میں پھیل گئی ۔اسی طرح عصر حاضر میں اسلام اور کفر کی کشمکش چل رہی ہے۔آج پوری دنیا کی غیر مسلم

طاقتیں اسلام کے روشن چراغ کو بجھانے کی منظم کوششیں کر رہیں ہیں۔آج مسلمان آنحضرت ﷺ کی ہدایات پر عمل کر کے کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار کو دیکھیں ۔تو آپ ﷺ کے فتح مکہ میں کردار کی وجہ سے دعوت نبوی کو غلبہ حاصل ہوا، آپ ﷺ نے قریش کی سیادت ختم کر دی اور دشمن کی فوجی قوت پر آخری اور کاری ضرب لگائی۔ آپ ﷺ کی جدوجہد ، سیاسی بصیرت اور اعلی حربی حکمت عملی کی وجہ سے فتح مکہ نے ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت ہے اسے دبایا اور مٹایا نہیں جا سکتا۔ مکہ کی فتح حکومت عرب کے بنیادی استحکام کا آخری مرحلہ تھا ۔اس کے بعد عربوں کو جو کبھی مرکزیت سے آشنا نہ تھے مرکزی حکومت کا فرمانبردار بننا پڑا ۔آپ ﷺ کی سیاست اور تدبر کا یہ نتیجہ تھا کہ عرب جیسے ملک میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ آپ ﷺ نے کفار و مشرکین کا زور اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر انہوں گھٹنے ٹیک دیئے۔ شہر مکہ کا نظم و نسق اسلامی اصولوں کے مطابق ترتیب دیا گیا۔اب اسلام کی تبلیغ کرنے میں واعظین اسلام کے سامنے کوئی مشکل باقی نہیں رہی تھی۔ پورے عرب کے سیاسی،دینی اور عسکری افق پر مسلمانوں کا سورج چمک رہا تھا۔ اب عرب اقوام کے سامنے ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیں اور انہوں نے یہی راستہ اختیار کیا۔ آس پاس کے قبائل کے وفود نے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی یہاں تک کہ حجتہ الوداع میں آپ ﷺ کے ساتھیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی ۔

فتح مکہ کی اس بے تحاشا اہمیت کے پیش نظر میں نے اس موضوع پر لکھنا پسند کیا کہ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار بیان کروں۔ کہ کسطرح یہ فتح اللہ تعالی کی مدد اور آپ ﷺ کے کرداراور حکمت عملیوں کی وجہ سے ہوئی ۔اس میں عصر حاضر کےحالات کا تجزیاتی جائزہ اوردعوتی،سیاسی اور حربی مسائل کاحل فتح مکہ کی روشنی میں پیش کیاگیا۔تاکہ جدید دور میں نئی نسل کو اسلامی اقدار کے سانچے میں ڈھالا جائے۔

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ

عصر حاضر میں مغرب کودعوتی،سیاسی اورحربی میدان میں برتری حاصل ہےاور مسلمانوں کو بہت سے دعوتی، سیاسی اورحربی میدان میں مسائل کا سامنا ہے۔ تحقیق کا بنیادی مقصدجدید دور کے مسلمان داعیوں ،لیڈروں اور سپہ سالاروں کو آنحضرت ﷺ کے دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار اورحکمت عملیوں سے آگاہ کرنا جو انہوں نے فتح مکہ میں اختیار کیں ۔کیونکہ فتح مکہ کے واقعہ میں آنحضرت ﷺ کے دعوتی ،

سیاسی اور حربی کردار نے حالات کو تبدیل کرنے میں اور اسلام کو قوت بخشنے میں بڑے گہرے اور دور س اثرات مرتب کئے ۔ اس میں مسلمان داعی، لیڈر اور سپہ سالار کے لئے بے انتہا اسباق پائے جاتے ہیں اور اس سے وہ استفادہ حاصل کر کے کامیاب ہو سکتے ہیں۔اسی طرح طاقت کے غیر ضروری اور ناجائز استعمال نے آج دنیا کو جن خطرات سے دوچار کردیا ہے۔ہمیں اس مسئلہ کے حل کی رہنمائی فتح مکہ کی نبوی پالیسی سے ملتی ہے۔

موضوع تحقیق کی حد بندی

زیر تحقیق موضوع میں فقط دعوت، سیاست اور حرب کے معنی و مفہوم، آنحضرت ﷺ کی زندگی کے دعوتی ، سیاسی اور حربی پہلوؤں اور فتح مکہ میں آپ ﷺ کا دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار بیان کیا گیا ہے۔نیز عصر حاضر کے دعوتی ، سیاسی اور حربی مسائل کا فتح مکہ کی روشنی میں حل پیش کیا گیا ہے۔

اہداف و مقاصد تحقیق

منتخب موضوع کے درج ذیل اہداف و مقاصد ہیں:

۱. آنحضرت ﷺ کی فتح مکہ میں دعوتی ، سیاسی اور حربی زندگی پر تحقیق کرنا ۔
۲. آنحضرت ﷺ کی فتح مکہ میں سیاسی و حربی حکمت و بصیرت اور معاملہ فہمی کو واضح کرنا۔
۳. آنحضرت ﷺ کے فتح مکہ میں دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار کو عصر حاضر کے تناظر میں بیان کرنا۔
۴. جدید دور کے لیڈروں، سپہ سالاروں اور داعیوں کو آنحضرت ﷺ کے فتح مکہ میں دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار سے آگاہ کرنا تاکہ وہ اس سے استفادہ حاصل کر کے کامیابیاں حاصل کریں۔

موضوع تحقیق کے تحقیقی سوالات

اس تحقیقی مقالے کے بنیادی سوال درج ذیل ہیں:

۱. فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے دعوتی، سیاسی اور حربی کردار کو کیا اہمیت حاصل ہے ؟
۲. عصر حاضر کے مسائل کا حل فتح مکہ کی روشنی میں کیسے ممکن ہے ؟
۳. کون سے اہم واقعات میں آنحضرت ﷺ نے سیاسی تدبر کا مظاہرہ کیا؟
۴. آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ میں کیا حکمت عملیاں اختیار کیں؟

موضوع تحقیق پر ما قبل تحقیق

اگر موضوع کے متعلق اس سے پہلے ہونے والے کام کا جائزہ لیا جائے تو درجہ ذیل عناوین کے تحت اس موضوع پر کام ہوا۔

- " فتح مکہ کے بعد عام معافی سے مستثنیٰ افراد، حکمت و اثرات "کے عنوان سے تحقیقی مقالہ برائے ایم ۔ اے ، انعم خالد نے پنجاب یونیورسٹی سے لکھا۔ اس نے فتح مکہ کے بعد عام معافی سے مستثنیٰ افراد کے لیے کیا حکمت اور اثرات تھے پر لکھا۔
- "اسلام کے فیصلہ کن معرکے فتح مکہ "کے عنوان سے محمد احمد باشمیل نے یہ کتاب لکھی۔اس کتاب میں فتح مکہ کے اسباب،واقعات اور نتائج کا ذکر کیا گیا ہے۔

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی ، سیاسی اور حربی کردار (عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ) کے موضوع پر ضخیم تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ اسی لئے میں نے اس موضوع پر لکھنا پسند کیا۔

اسلوب/ منہج تحقیق

دوران تحقیق مندرجہ ذیل اسلوب / منہج کو اختیار کیا گیا:

- ★ مقالہ کی تقسیم کچھ اس طرح سے ہے کہ اس میں پانچ ابواب ہیں اور ہر باب کے لئے الگ الگ عنوان اختیار کیا گیا ہے۔ان ابواب کو فصول اور مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- ★ آیات قرآنی،احادیث مبارکہ، مفکرین اور مصنفین کی آراء سے اس موضوع کو واضح اور مدلل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- ★ بنیادی مصادر کے ساتھ ساتھ ثانوی مصادر سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔
- ★ تحقیق کا انداز تحقیقی اور تجزیاتی ہے۔
- ★ انداز تحریر بیانیہ اور سہل وعام اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔
- ★ قرآنی آیات کے حوالہ جات میں سورۃ کا نام، نمبر اور پھر آیت (سورۃ الفاتحہ:۱/ ۲) درج کی گیا ہے۔
- ★ کتب احادیث کے حوالہ جات میں کتاب کا نام، باب کا نام، حدیث نمبر اور پھر جلد وصفحہ درج کیا گیا ہے۔
- ★ آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیث مبارکہ کی شروحات سے تشریح کی گئی ہے۔
- ★ موضوع کے متعلق سیرت مطہرہ اور تاریخ کے مصادر سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- ★ پہلی مرتبہ کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے مصنف کا نام، کتاب، پھر باقی تفصیلات اور پھر جلد وصفحہ درج کیا گیا ہے۔
- ★ پہلی مرتبہ مکرر حوالے کے لئے ایضاجبکہ اختلاف جلد وصفحہ کے لئے ایضااور جلد وصفحہ دیا گیا ہے۔

★ حوالہ جات ہر صفحہ پر دیئے گئے ہیں۔

★ مقالہ کے آخر میں تمام فہرستیں دی گئی ہے۔

★ اس تحقیقی مقالے میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے درج ذیل رموز واشارات کا استعمال کیا گیا ہے۔

ج/ص سلیش کے دائیں جانب جلد جبکہ بائیں جانب صفحہ مراد ہے۔

﴿ ﴾ آیات کے لیے

(( )) احادیث کے لیے

" " اقتباسات کے لیے

رضی اللہ عنہ / رضی اللہ عنہا

؊ علیہ السلام

ؒ رحمۃ اللہ

م میلادی

ھ ہجری

ء عیسوی

★ حسب ضرورت غیر معروف اعلام اور اماکن کی توضیح حاشیہ میں کر دی گئی ہے۔

★ مقالے کے آخر میں نتائج اور سفارشات و تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان کے بعد مختلف فہارس اور مصادر و مراجع دے دیے گئے ہیں۔

خاکہ تحقیق

باب اوّل: فتح مکہ کا تعارف

فصل اول: فتح مکہ کے اسباب

فصل دوم: فتح مکہ کے واقعات

فصل سوم: فتح مکہ کے نتائج

باب دوم: آنحضرت ﷺ بطور اولوالعزم داعی

فصل اول: دعوت کے مفاہیم اور اہمیت

مبحث اول: دعوت کے مفاہیم

مبحث دوم: دعوت کی اہمیت

فصل دوم: اسلام میں دعوت کے اصول و طریقے اور داعی کے اوصاف

مبحث اول:اسلام میں دعوت کے اصول
مبحث دوم: اسلام میں دعوت کے طریقے
مبحث سوم: داعی کے اوصاف
فصل سوم:بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی اور عملی ارتقاء
مبحث اول:بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی
مبحث دوم: آنحضرت ﷺ کی دعوت کا عملی ارتقاء
فصل چہارم:فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی کردار
باب سوم: آنحضرت ﷺ بحیثیت ماہر سیاست دان
فصل اول:سیاست کی تعریف اور سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے
مبحث اول:سیاست کی تعریف
مبحث دوم:سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے
فصل دوم:سیاست کے اسلامی اصول و مبادی
فصل سوم: آنحضرت ﷺ بحیثیت سیاسی لیڈر۔ اصول اور حکمت عملی
مبحث اول: آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سیاسی لیڈراصول سیاست
مبحث دوم: آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سیاسی لیڈر حکمت عملی
فصل چہارم: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار
باب چہارم: آنحضرت ﷺ کی زندگی کا حربی پہلو
فصل اول:حرب کے معنی و مفہوم اور اسباب حرب
مبحث اول: حرب کے معنی و مفہوم
مبحث دوم:اسباب حرب
فصل دوم:حرب کے اسلامی حدود
فصل سوم: آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات اور حکمت عملی
مبحث اول: آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات
مبحث دوم: آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سپہ سالار اعظم حکمت عملی
فصل چہارم: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا حربی کردار
باب پنجم: عصر حاضر کے مسائل اور فتح مکہ کی روشنی میں ان کا حل

فصل اول: دعوتی مسائل اوران کے حل کے لئے راہنما خطوط فتح مکہ کی روشنی میں
فصل دوم: سیاسی مسائل اور ان کا حل فتح مکہ کی روشنی میں
فصل سوم: حربی مسائل: فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول
نتائج
سفارشات وتجاویز
فہرست آیات قرآنی
فہرست احادیث مبارکہ
فہرست اعلام
فہرست اماکن
فہرست مصادر و مراجع

باب اول

فتح مکہ کا تعارف

فصل اول: فتح مکہ کے اسباب

فصل دوم: فتح مکہ کے واقعات

فصل سوم: فتح مکہ کے نتائج

فصل اول

فتح مکہ کے اسباب

فصل اول

فتح مکہ کے اسباب

اسلام اور کفر کے درمیان عداوت ہمیشہ رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد کفار نے آپ ﷺ کی مخالفت شروع کر دی۔ مکہ کے تیرہ سالوں میں انہوں نے آپ ﷺ کی بہت مخالفت اور معرکہ آرائی کی لیکن اس دور کے معرکوں کی نوعیت اور طرح کی تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں مکہ میں اس حالت میں نہیں تھے کہ کفار کے ساتھ جنگ کر سکیں اور دوسرا اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں جنگ کا حکم نہیں ملا تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ گئے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنگ کا حکم عطا ہوا تو آنحضرت ﷺ نے ستائیس غزوات کافروں کے مقابلے میں لڑے اور سنتالیس سرایا صحابہ کرامؓ کی نگرانی میں بھیجے۔ یوں تو ہر غزوہ اپنی نوعیت میں اہم تھا لیکن فتح مکہ ایک فیصلہ کن معرکہ اور فتح اعظم ہے۔ کیونکہ مکہ کی فتح سے آنحضرت ﷺ نے صرف مکہ کو فتح نہیں کیا بلکہ اس فتح کے نتیجے میں اسلام پورے عرب میں پھیل گیا۔ یہ عظیم الشان فتح اللہ تعالی کی مدد اور آپ ﷺ کی ممتاز سیاسی بصیرت اور اعلی دفاعی حکمت عملی کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ وہ اسباب جن کی وجہ سے آپ ﷺ نے مکہ فتح کیا مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مرکز توحید کا احیاء

خانہ کعبہ کی بنیاد حضرت آدمؑ نے اللہ تعالی کے حکم سے رکھی تھی۔ لیکن طوفان نوحؑ میں یہ عمارت معدوم ہوگئی تو دوبارہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر فرمائی۔[۱] اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝﴾[۲]

ترجمہ: ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کعبہ کی بنیادیں اٹھاتے جاتے تھے اور کہتے جارہے تھے کہ ہمارے پروردگار تو ہم سے قبول فرما، تو ہی سننے والا اور جاننے والا ہے۔

اس آیت قرآنی میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ کہ جب حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو ساتھ ہی ساتھ اللہ کے حضور دعا فرما رہے تھے کہ ان کی اس خدمت کو قبول کیا جائے۔ خانہ کعبہ کی اس تاریخ کے پیش نظر خانہ کعبہ مرکز توحید ہونا چاہئے تھا۔ لیکن قریش مکہ نے خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ حضرت محمد ﷺ کا دعائے خلیل ہونے کی وجہ سے اولین فرض تھا کہ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کریں۔ شبلی

---

(۱) اخبار مکہ وماجاء فیہا من الآثار، ابی الولید محمد بن عبد اللہ بن احمد الازرقی (محقق: علی عمر) مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، طبعۃ الاولی، ۱/۱۴

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/۱۲۷

نعمانی[۱] آپ ﷺ کا اہم فرض خانہ کعبہ کا آلائش سے پاک کرنا اور اس میں توحید خالص کا احیاء کرنا بیان کرتے ہیں۔[۲]

کفار نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال دیا تو مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا اور خانہ کعبہ ان کا قبلہ تھا۔ اسلام کا ایک اہم رکن حج کے لئے یہ جگہ مخصوص تھی اگر مکہ مشرکوں کے قبضے میں رہتا تو مسلمانوں کو حج کی ادائیگی میں مشکل ہوتی۔ اس لئے مسلمانوں کے لیے ضروری تھا کہ خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک کیا جائے۔

۲۔مکہ عرب کا سیاسی، تجارتی اور مذہبی مرکز

مکہ عرب کا سیاسی، تجارتی اور مذہبی مرکز تھا۔ قریش کو عرب میں خانہ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے اہمیت حاصل تھی۔ عرب میں قریش کی اہمیت کی وجہ یہی شہر تھا کیونکہ مکہ پورے عرب میں سیادت کا مرکز تھا۔ محمد متولی الشعراوی[۳] اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"مكة مركز السيادة في جزيرة العرب"[٤]

ترجمہ: مکہ جزیرہ عرب میں سیادت کا مرکز تھا۔

مدینہ میں اسلام تیزی سے پھیل رہا تھا تو اس لئے ضروری تھا کہ عرب کا سیاسی، تجارتی اور مذہبی مرکز مسلمانوں کے زیر اقتدار رہے۔ اس کے بارے میں عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار میں بیان ہوتا ہے کہ:

"مکہ ہر لحاظ سے خصوصاً مذہبی طور پر جزیرہ عرب کا مرکز و مرجع تھا۔ اس لئے اس کو فتح کیے بغیر پورے جزیرہ عرب اور پھر پوری دنیا میں اسلام کا پھریرا لہرانا ممکن نہ تھا۔"[۵]

گویا کہ مکہ پورے جزیرہ عرب کا مرکز تھا اور اس شہر کی بے تحاشا اہمیت کی وجہ سے اس شہر کو مسلمانوں کو فتح کرنا ضروری تھا۔

---

(۱) شبلی نعمانی: آپ ہندوستان کے صوبے اتر پردیس کے مغربی شہر اعظم گڑھ میں ۱۸۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ آپ عالم، ادیب، قانون دان، شاعر، مورخ، سوانح نگار، سیرت نگار اور قومی رہنما تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں سیرت النبی ﷺ بہت مشہور کتاب ہے۔ آپ ۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو فوت ہوئے (شبلی نعمانی، ڈاکٹر اسلم فرخی، مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی، فروری ۲۰۱۱ء، ص:۶)

(۲) سیرت النبی ﷺ، شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی، ادارہ اسلامیات پبلشرز، لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء، ۱/۳۱۰

(۳) محمد متولی الشعراوی: آپ ۱۵ اپریل ۱۹۱۱ء کو مصر کے علاقے دقادوس میں پیدا ہوئے۔ آپ اسلامی عالم دین تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۱۹۹۸ء کو وفات پائی (متی متوفی الشیخ الشعراوی، محمد مروان، موضوع اکبر موقع عربی بالعالم، ۱۶ اگست ۲۰۱۸ء)

(۴) تفسیر الشعراوی، محمد متولی الشعراوی، مطابع اخبار الیوم، ۱۹۹۷ء، ۱۳/۷۹۳۶

(۵) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، محمد زاہد اقبال، ادارہ نشریات محمود حسن، لاہور، مئی ۲۰۰۸ء، ص:۴۳۰

۳۔ مہاجرین کی خواہش

مہاجرین کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کیے کئی سال ہو گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ اپنے وطن مکہ جا کر رہیں۔ مہاجرین کی اپنے وطن واپس لوٹنے کی امید کے بارے میں صحیح بخاری میں بیان ہوتا ہے:

((هُمْ عَلَى طَمَعٍ أَنْ يَدْخُلُوا مَكَّةَ))[۱]

ترجمہ: بلکہ انہیں امید تھی کہ مکہ میں داخل ہوں گے۔

مہاجرین مکہ کو اپنا وطن چھوڑے ہوئے پورے آٹھ سال گزر چکے تھے۔ اور ان کی دلی خواہش تھی کہ وہ اپنے وطن میں جائیں۔ [۲]مسلمان اپنے وطن اسی صورت جا کر رہے سکتے تھے کہ وہ مکہ کو فتح کر لیں۔ اس وجہ سے مسلمانوں کے لئے مکہ فتح کرنا بہت ضروری تھا۔

۴۔ کفار کی عہد شکنی

قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کا مسلمان اور ان کے حلیفوں کے ساتھ کیے گئے معاہدے کی خلاف ورزی اور پھر آپ ﷺ کا اپنے حلیفوں کی مدد کے لئے آمادگی کو ذیل کے واقعات میں پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط

حدیبیہ[۳] کے مقام مسلمان اور قریش مکہ کے درمیان صلح نامہ طے پایا تھا۔ اس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں:

1. فریقین دس سال تک آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔
2. قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے آپ ﷺ واپس بھیج دیں گے۔
3. اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو وہ آپ ﷺ کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
4. عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہیں کر لیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

---

(۱) صحیح بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن المغیرۃ الجعفی البخاری (۲۵۶ھ)، (محقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر)، دار طوق النجاۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ، کتاب المغازی، باب غزوۃ الحدیبیہ، حدیث نمبر: ۴۱۵۹، ۵/۱۲۳

(۲) اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، محمد لطیف انصاری، اسلام پورا، لاہور، ۱۹۶۰ء، ۱/۱۲۳

(۳) حدیبیہ: علامہ خطابی کے بقول حدیبیہ کو حدیبیہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ عربی لفظ "حدب" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ٹیڑھے کے ہیں۔ چوں کہ اس مقام پر ایک ٹیڑھا درخت موجود ہے۔ اس لئے اسے حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ جب کہ بہت سی احادیث میں بیان ہوتا ہے کہ وہاں پر ایک پرانا کنواں ہے اور اس کنویں کا محل وقوع ٹیڑھا سا ہے۔ اس لئے اس کنویں کی وجہ سے اس مقام کا نام حدیبیہ ہے (معجم البلدان، یاقوت الحموی، موقع الوراق، المانیا، ۱۸۶۶ء، ۲/۶۳)

۵. آپ ﷺ اس سال بغیر عمرہ مدینہ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ عمرہ ادا کرنے آئیں۔ صرف تین دن مکہ میں رہ کر واپس چلے جائیں۔ یہ لوگ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلواریں ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہوں۔ [1]

اس معاہدے کی رو سے قبائل میں سے بنو بکر نے قریش کے ساتھ اور بنو خزاعہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کر لیا۔ اس طرح بنو بکر کو قریش کی حمایت حاصل ہو گئی اور بنو خزاعہ کو مسلمانوں کی حمایت حاصل ہو گئی۔ وہ دونوں معاہدے کے پابند ہو گئے۔

ب۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ میں خونریزی

قبیلہ بنو بکر اور قبیلہ بنو خزاعہ جاہلیت کے دنوں سے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اس دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ ایک شخص مالک بن عباد[2] تجارت کے لئے بنو خزاعہ کے ملک میں پہنچا۔ بنو خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کے مال کو لوٹ لیا۔ بنو بکر نے مالک کا بدلہ لینے کے لیے بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا۔ بنو خزاعہ نے اس کے بدلے میں بنو اسود بن رزن کے تین آدمیوں[3] کو قتل کر دیا۔[4] جب اسلام پھیلنا شروع ہوا تو ان لوگوں نے آپس کی دشمنیاں بھلا کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ چھ ہجری میں جب مسلمانوں اور قریش کے درمیان صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ تو ان کی توجہ مسلمانوں سے ہٹ گئی اور انہوں نے آپس میں لڑائیاں پھر شروع کر دیں۔

ت۔ بنو بکر کی زیادتی

قریش اور بنو بکر معاہدہ حدیبیہ کے پابند تھے لیکن اس عہد کو دو سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کر دی۔ بنو بکر کے سردار نوفل بن معاویہ[5] نے بنو خزاعہ سے اپنے آدمیوں کا قصاص لینے

---

(۱) فقہ السیرۃ، محمد غزالی (المتوفی: ۱۴۱۶ھ)، دار القلم، دمشق، طبع اول، ۱۴۲۸ھ، ۱/ ۲۸۰

(۲) مالک بن عباد: آپ کا تعلق بنو حضرمی سے تھا اور آپ بنو اسود بن رزن کے حلیف تھے (البدایۃ والنہایۃ، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (۷۷۴ھ)، (محقق: علی شیری) دار احیاء التراث العربی، طبع اول، ۱۴۰۸ھ-۱۹۸۸م، ۴/ ۳۱۸

(۳) سلمی، کلثوم اور ذویب

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک بن ہشام، دار الصحابہ للتراث طنطا، مصر، طبع اول، ۱۴۱۶ھ-۱۹۹۵م، ۴/ ۳

(۵) نوفل بن معاویہ: آپ کا تعلق بنو کنانہ سے تھا۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور نو ہجری کو حضرت ابو بکرؓ کے اور دس ہجری میں آپ ﷺ کے ساتھ حج کیا۔ آپ کی عمر سو سال تھی۔ آپ کی وفات یزید بن معاویہ کی خلافت کے دور میں ہوئی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، احمد بن علی بن حجر ابو الفضل العسقلانی الشافعی (۷۷۳ھ-۸۵۲ھ)، (محقق: علی محمد بجاوی)، دار الجیل، بیروت، ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲ء، ۶/ ۴۸۱)

کے لئے اپنے آدمیوں کے ساتھ "وتیر"[۱] پہنچا اور بنو خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد دونوں قبیلوں میں خوب جنگ ہوئی۔ قریش مکہ نے امدادی آدمیوں اور ہتھیاروں کے ساتھ بنو بکر کی مدد کی۔[۲] بنو بکر نے بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کیا۔ وہ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے حدود حرم میں داخل ہو گئے۔ ان کو یہ امید تھی کہ یہاں ان کو امان مل جائے گی لیکن حملہ آوروں نے حرم کا بھی پاس نہ کیا اور ان کو بے دریغ قتل کرتے رہے۔ ان حملہ آوروں میں سے چند آدمیوں نے اپنے سردار نوفل بن معاویہ کو ان کو حرم میں قتل کرنے سے منع کیا تو نوفل نے ان کو جواب میں کہا:

((لَا إِلَهَ لَهُ الْيَوْمَ يَا بَنِي بَكْرٍ أَصِيبُوا ثَأْرَكُمْ فَلَعَمْرِي إِنَّكُمْ لَتَسْرِقُونَ فِي الْحَرَمِ ، أَفَلَا تُصِيبُونَ ثَأْرَكُمْ فِيهِ))[۳]

ترجمہ: بنو بکر! آج کوئی الہٰ نہیں اپنا بدلہ چکالو، میری عمر کی قسم! تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو کیا حرم میں اپنا بدلہ نہیں لے سکتے۔

نوفل بن معاویہ کے ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے اپنے ساتھیوں کی بنو خزاعہ کو حرم میں قتل نہ کرنے والی بات نہیں مانی اور انہیں بنو خزاعہ کو لگاتار قتل کرنے کا کہتا رہا۔ اس نے یہ گستاخانہ جملہ کہا کہ آج کوئی خدا نہیں اور انہیں باور کرایا کہ جب تم لوگ حرم میں چوری کرتے ہو تو تب تم لوگوں کو حرم کا پاس یاد نہیں رہتا تھا۔

وہ لوگ بنو خزاعہ کے آدمیوں سے حرم میں لڑتے رہے اور بنو خزاعہ کے آدمی شہر مکہ تک بھاگے۔ انہوں نے مکہ پہنچ کر بدیل بن ورقاء خزاعی[۴] اور اپنے ایک آزاد کردہ غلام کے گھروں میں پناہ لی[۵]۔

---

(۱) وتیر: یہ ایک مشہور چشمہ ہے جہاں بنو خزاعہ کے گھر تھے (معجم ما استعجم، ابو عبید البکری، ادارۃ الثقفۃ من جامعۃ الدول العربیۃ، قسطنطینیہ، ۱۹۴۹ء، ۱/۳۶۹)

(۲) شرح معانی الآثار، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامۃ مصری (المتوفی: ۳۲۱ھ)، عالم الکتب، مصر، طبع اول، ۱۹۹۴ء، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/۳۱۵

(۳) ایضا

(۴) بدیل بن ورقاء: آپ کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ آپ صحابی تھے اور مکہ کے رہنے والے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۱/۲۷۵)

(۵) الروض الانف، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد السہیلی، (محقق: عمر عبد السلام السلامی)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۷/۱۹۳

واقدی(۱) اور ابن سعد(۲) کے مطابق اس جنگ میں بنو خزاعہ کے بیس افراد قتل ہوئے۔(۳)

ث۔بنو خزاعہ کی فریاد

بنو بکر اور قریش نے بنو خزاعہ کے لوگوں کو قتل کیا۔اس زیادتی کے بعد بنی خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی(۴) چالیس آدمیوں کے ساتھ مدینہ پہنچا۔اس وقت مسجد میں آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔انہوں نے تمام واقعہ رسول اکرم ﷺ کو عرض کیا۔(۵) عمرو بن سالم نے آپ ﷺ سے بنو خزاعہ پر ہونے والے ظلم کی فریاد ان الفاظ میں بیان کی:

"يَا رَبِّ اِنِّيْ نَاشِدٌ مُحَمَّدًا حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الْاَتْلَدَا

ترجمہ:اے خدا! میں محمد ﷺ کو وہ معاہدہ یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے باپ داداؤں کے درمیان قدیم زمانے سے ہو چکا ہے۔

إنا ولدناك فكُنْتَ وَلَدَا ثُمَّةَ أَسْلَمْنَا وَلَمْ نَنْزِعْ يَدَا

ترجمہ:تم اولاد تھے اور ہم والدین تھے بعد ازاں ہم نے اسلام قبول کر لیا پھر بھی ہم نے اپنا ہاتھ نہیں کھنچا۔

اِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَ نَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا"(۶)

ترجمہ:یقینا قریش نے آپ ﷺ سے وعدہ خلافی کی ہے اور آپ ﷺ سے مضبوط معاہدہ کر کے توڑ ڈالا ہے۔

---

(۱)واقدی: آپ کا نام محمد بن عمر بن واقدی الاسلمی اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ ۱۲۰ھ کے بعد پیدا ہوئے۔ آپ مورخ اور عالم تھے۔ آپ نے مغازی لکھی۔ آپ کی وفات ۲۰۷ھ میں ہوئی(سیر اعلام النبلاء، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان الذہبی،(محقق: شعیب الارناؤوط)موسسۃ الرسالۃ، ۱۷/ ۴۸۰)

(۲)ابن سعد: آپ کا نام محمد بن سعد بن منیع البصری الزہری اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ ۱۶۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ محدث اور مورخ تھے۔ آپ کی مشہور کتابیں طبقات الکبیر اور طبقات الصغیر ہیں۔ آپ نے بغداد میں ۲۳۰ھ میں وفات پائی(سیر اعلام النبلاء، ۱۰/ ۶۶۴)

(۳)المغازی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد الواقدی، عالم الکتب، بیروت، ۱/ ۷۸۴۔ الطبقات الکبری، محمد بن سعد بن منیع ابو عبد اللہ البصری الزہری، دار صادر، بیروت، ۲/ ۱۳۴

(۴)عمرو بن سالم خزاعی: آپ کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ آپ ایک شاعر تھے(اسد الغابۃ، ابن الاثیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۵ھ، ۲/ ۳۴۹)

(۵)شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/ ۳۱۵

(۶)المعجم الکبیر، سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم الطبرانی، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، طبع دوم، ۱۹۸۳ء، حدیث نمبر: ۱۰۵۲، ۲۳/ ۴۳۳

اس فریاد میں عمرو بن سالم نے آپ ﷺ کو وہ معاہدہ یاد دلایا جو قدیم زمانے سے آپ ﷺ اور ان کے آباؤ اجداد کا آپس میں ہوا تھا اور وہ اس معاہدہ کی رو سے ایک دوسرے کے حلیف تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے اپنی مدد کے لئے کہا اور آپ ﷺ کو قریش کی عہد شکنی کے بارے میں بتایا۔

ج۔ رسول اکرم ﷺ کی مدد کے لئے آمادگی

بنو خزاعہ کی فریاد سن کر رسول اکرم ﷺ کو دلی تکلیف ہوئی اور آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کی مدد کا وعدہ کیا۔ کیونکہ قریش اور بنو بکر نے بنو خزاعہ کے ساتھ زیادتی کی تھی اور آپ ﷺ کے ساتھ کیے ہوئے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی۔ ابن حجر عسقلانی[1] قریش کا معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کو اس جنگ کا سبب بیان کرتے ہیں:

" وكان سبب ذلك أن قريشا نقضوا العهد الذي وقع بالحديبية، فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فغزاهم "[2]

ترجمہ: اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے توڑ ڈالا وہ عہد جو ان کے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان حدیبیہ میں ہوا تھا یہ خبر نبی اکرم ﷺ کو پہنچی نبی اکرم ﷺ نے ان سے جنگ کی۔

آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کے وفد کو مدد کی آمادگی ان الفاظ میں فرمائی:

((لا نَصَرَنِيَ اللَّهُ إِنْ لَمْ أَنْصُرْ بَنِي كَعْبٍ))[3]

ترجمہ: اگر میں بنو کعب (جو خزاعی تھے) کی مدد نہ کروں تو خدا میری مدد نہ کرے۔

بنو خزاعہ آپ ﷺ کا حلیف قبائل تھا۔ وہ مظلوم تھے اور ان کے ساتھ ظلم ہوا تھا اور آپ ﷺ نے مظلوم کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ ان پر بنو بکر اور قریش نے زیادتی کی تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے ان الفاظ میں بنو خزاعہ کی مدد کی آمادگی ظاہر فرمائی اور ہر ممکن حد تک ان کے دفاع کا وعدہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نے بنو خزاعہ کی مدد نہ کی تو اللہ تعالیٰ میری مدد نہ کریں اور ان کا دفاع ہر اس چیز سے کروں گا جس سے آپ ﷺ اپنی ذات کا دفاع کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ کو آسمان پر بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ابن حجر عسقلانی: آپ کا نام احمد بن علی بن محمد الکنانی العسقلانی تھا۔ آپ کی کنیت ابو الفضل تھی۔ آپ کا تعلق عسقلان سے تھا جو فلسطین میں ہے۔ آپ کی پیدائش اور وفات قاہرہ میں ہوئی (الاعلام، ۱/۱۷۸)

(۲) فتح الباری، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)، (محقق: عبد العزیز بن عبد اللہ ومحب الدین الخطیب)، دار الفکر، ۷/۵۱۹

(۳) مسند ابی یعلی، احمد بن علی بن المثنی، (محقق: حسین سلیم اسد)، دار المامون للتراث، دمشق، طبع اول، ۱۴۰۴ھ-۱۹۸۴ء، مسند عائشہ، حدیث نمبر: ۴۳۸۰، ۷/۳۴۳

((إنّ هَذِهِ السّحَابَةَ لَتَسْتَهِلّ بِنَصْرِ بَنِي كَعْبٍ))(۱)

ترجمہ: یہ بادل بنو کعب یعنی خزاعہ کی مدد کے لیے آیا ہے۔

آپ ﷺ نے یہ اس لئے فرمایا کہ یہ بادل بھی بنو خزاعہ کی امداد میں آیا ہے۔یعنی بادل کا برسنا ایک نیک فال تھا اور بنو خزاعہ کی فتح کی خوشخبری سنا رہا ہے۔ان کے بعد بدیل ؓ بھی کچھ خزاعیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری داستان آپ ﷺ کو بتائی۔(۲) آپ ﷺ نے بنو خزاعہ کو مدد کا وعدہ دیا کیونکہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس طرح مسلمانوں اور قریش کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا تھا۔ محمد سعید رمضان البوطی (۳) اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

" أن أهل العهد والهدنة مع المسلمين، إذا حاربوا من هم في ذمة المسلمين وجواره، صاروا حربا لهم بذلك. ولم يبق بينهم وبين المسلمين من عهد"(۴)

ترجمہ: جن لوگوں سے مسلمانوں کا معاہدہ اور مصالحت ہو وہ اگر ان لوگوں سے جنگ کریں جو مسلمانوں کی پناہ اور جوار میں ہوں تو وہ مسلمانوں کے لئے حربی ہو جاتے ہیں اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی معاہدہ باقی نہیں رہتا۔

ح۔ حضور اکرم ﷺ کی امن پسندی

قریش اور بنو بکر کی عہد شکنی کے بعد ان سے جنگ سے گریز کرنے کی کوئی وجہ نہیں رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے امن پسندی کا ثبوت دیا اور قریش کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا۔ آپ ﷺ نے اپنے قاصد کو مکہ والوں کی طرف حسب ذیل تین شرطیں لکھ کر بھیجیں کہ وہ ان میں سے کوئی ایک شرط قریش قبول کر لیں:

۱. بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
۲. قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳. اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔(۵)

---

(۱) السنن الکبری وفی ذیلہ الجوہر النقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی، (محقق: علاء الدین علی بن عثمان المار دینی)، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ فی الہند، حیدر آباد، طبع اول، ۱۳۴۴ھ، کتاب الجزیہ، باب نقض اہل العہد، حدیث نمبر: ۱۹۳۳۰، ۹/۲۳۳

(۲) تاریخ الامم والرسل والملوک، محمد بن جریر الطبری، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۰۷ھ، ۲/۱۵۴

(۳) محمد سعید رمضان البوطی: آپ ۱۹۲۹ء ترکی کے شہر بوطان میں پیدا ہوئے۔ آپ شام کے عالم تھے۔ آپ نے دین، ادب، فلسفہ اور تصوف پر بہت سے کتابیں لکھیں۔ آپ کو ۲۱ مارچ ۲۰۱۳ء کو قتل کیا گیا (سعید رمضان البوطی، ایمان الحیاری، ۱۶ مارچ ۲۰۱۶ء، موضوع اکبر موقع عربی بالعالم)

(۴) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، محمد سعید رمضان البوطی، دار الفکر، دمشق، طبعہ الخامسۃ والعشرون، ۱۹۹۱ء، ۱/۲۷۰

(۵) فتح الباری، ۸/۶

آپ ﷺ کے قاصد نے مکہ پہنچ کر قریش مکہ کے سامنے یہ شرطیں پیش کیں تو شرطیں سن کر وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ ان میں قرظہ بن عبد(۱) جو نابینا تھا تو اس نے یہ مشورہ دیا کہ ہم مقتولوں کے خون کا معاوضہ نہیں دیں گے اور اپنے حلیف قبیلہ بنو بکر کی حمایت نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے صرف تیسری شرط ہمیں منظور ہے۔ اس طرح انہوں نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا۔ قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو اپنی بدعہدی پر ندامت ہوئی اور اپنے عمل کے انجام کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ قریش نے مجلس مشاورت بلائی۔ اس میں انہوں نے طے کیا کہ حضرت ابوسفیانؓ کو نمائندہ بنا کر مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس معاہدہ کی تجدید کے لئے بھیجا جائے۔(۲)

خ۔ ابوسفیان کی مکہ سے روانگی اور راستے میں خزاعیوں سے ملاقات

ابوسفیان تجدید عہد کے لئے مکہ سے مدینہ کی طرف آرہے تھے تو انہیں ابواء(۳) کے مقام پر بدیلؓ اور ان کے ساتھی ملے۔ انہیں دیکھ کر ابوسفیان کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس سے ہو کر آرہے ہیں۔ ابوسفیان نے جان بوجھ کر بدیلؓ سے پوچھا:

"مِنْ أَيْنَ أَقْبَلْتَ يَا بُدَيْلُ"(۴)

ترجمہ: اے بدیل! کہاں سے آتے ہو؟

بدیلؓ نے ان سے جھوٹ بولا اور اپنے مدینہ میں جانے اور حضرت محمد ﷺ سے ملاقات کے بارے میں نہیں بتایا۔ جب بدیلؓ اور اس کے ساتھی مکہ کی طرف چلے گئے۔ ابوسفیان نے ان کی اونٹنیوں کے بیٹھنے کی جگہ سے اونٹنیوں کی مینگنیوں کو توڑ کر دیکھا تو ان میں کھجور کی گٹھلیاں نکلیں اور وہ گٹھلیاں مدینہ کی کھجوروں کی تھیں۔ تو ابوسفیان کو یقین ہو گیا کہ یہ لوگ مدینہ آپ ﷺ سے ملنے گئے ہوئے تھے۔(۵)

---

(۱) قرظہ بن عبد: آپ کا نسب قرظہ بن عبد عمرو بن نوفل بن عبد مناف القرشی النوفلی تھا۔ ان کی بیٹی فاختہ نے حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ شادی کی تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۵/۴۳۱)

(۲) فتح الباری، ۸/۶

(۳) ابواء: مدینہ کے مضافات میں سے ایک بستی ہے اس کے اور جحفہ کے درمیان تیئس میل کا فاصلہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ آرہ اور مصعد کی دائیں جانب مکہ کی طرف پہاڑ ہے (معجم البلدان، ۱/۴۴)

(۴) زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ (المتوفی: ۷۵۱ھ)، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ۳/۳۹۷

(۵) السیرۃ النبویہ، الامام ابی الفداء اسماعیل بن کثیر (۷۰۱ء-۷۷۴ء)، (محقق: مصطفی عبد الواحد) دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۷۱ء، ۳/۵۳۰

د۔ ابوسفیان کی مدینہ آمد

ابو سفیان مدینہ پہنچ کر سب سے پہلے ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ کے پاس پہنچے اوران کے گھر میں آپ ﷺ کے بستر پر بیٹھنا چاہا تو حضرت ام حبیبہؓ نے جلدی سے بستر لپیٹ دیا۔ابو سفیان نے اپنی بیٹی سے اس کے بارے میں پوچھاتو انہیں حضرت ام حبیبہؓ نے جواب دیا:

" بَلْ هُوَ فِرَاشُ رَسُولِ اللهِ وَأَنْتَ رَجُلٌ مُشْرِكٌ نَجَسٌ وَلَمْ أُحِبَّ أَنْ تَجْلِسَ عَلَى فِرَاشِ رَسُولِ اللهِ "(۱)

ترجمہ: یہ رسول اکرم ﷺ کا بستر ہے اور تم مشرک اور نجس ہو اس لئے میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ تم رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھو اس لئے میں نے اٹھا دیا۔

حضرت ام حبیبہؓ نے ابو سفیان سے یہ اس لئے کہا کیونکہ انہوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا ہوا تھا۔ابو سفیان نے ان سے کہا:

" واللهِ لقد أصابك بعدی شر "(۲)

ترجمہ: بخدا مجھ سے علیحدگی کے بعد تم میں برائی آگئی۔

ابو سفیان نے اپنی بیٹی سے یہ اس لئے کہا کہ ان میں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے اس طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔حضرت ام حبیبہؓ کی یہ باتیں سن کر ابو سفیان پریشانی کی حالت میں ان کے گھر سے نکل آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معاہدہ میں تجدید اور اسکی مدت میں اضافہ کی درخواست کی۔ مگر آپ ﷺ نے اس سے انکار کر دیا۔(۳)

ذ۔ ابوسفیان کی سفارش کے لئے کوششیں

نبی اکرم ﷺ نے ابو سفیان کو معاہدہ میں تجدید سے انکار کر دیا تو انہوں نے صحابہ کرامؓ سے سفارش کرانے کی کوششیں کیں۔وہ پہلے حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئے کہ وہ نبی اکرم ﷺ سے ان کے لئے بات کریں۔حضرت ابو بکرؓ نے انہیں انکار کر دیا۔پھر حضرت عمرؓ کے پاس گئے تو انہوں نے ابو سفیان سے یہ کہا:

" أَ أَنَا أَشْفَعُ لَكُمْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ ؟ فَوَاللهِ لَوْ لَمْ أَجِدْ إلّا الذّرّ لَجَاهَدْتُكُمْ بِهِ"(۴)

---

(۱)زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۳۹۷

(۲)فقہ السیرۃ،۱/ ۳۲۳

(۳)الطبقات الکبری، ۲/ ۱۳۴

(۴)سیرۃ ابن ہشام،۴/ ۱۳

ترجمہ: کیا میں تمہاری سفارش کروں گا؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تنکا بھی ہو گا تب بھی اس کے ساتھ تم لوگوں سے جہاد کروں۔

ان الفاظ میں حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کی نبی اکرم ﷺ کے پاس سفارش سے انکار کر دیا اور اللہ کی قسم لے کر کہا کہ اگر میرے پاس تنکا ہو تو میں اس تنکے سے بھی تم لوگوں سے جنگ کروں گا۔

حضرت عمرؓ کے انکار کے بعد وہ حضرت علیؓ کے گھر تشریف لے گئے تو وہاں حضرت فاطمہ زہراءؓ اور حضرت امام حسن ؓ بھی تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو حضرت محمد ﷺ سے اپنی سفارش کرنے کو کہا تو حضرت علیؓ نے انہیں کہا:

"وَاللهِ لَقَدْ عَزَمَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ عَلَى أَمْرٍ مَا نَسْتَطِيعُ أَنْ نُكَلّمَهُ فِيهِ "(۱)

ترجمہ: اللہ کی قسم! حضور اکرم ﷺ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ہماری مجال نہیں کہ اس میں مداخلت کریں۔

حضرت علیؓ نے بھی انہیں انکار کیا اور کہا کہ آپ ﷺ ایک چیز کا فیصلہ کر لیں۔ تو ہماری اتنی مجال نہیں ہے کہ ہم اس فیصلے کے بارے میں کچھ کہہ سکیں اور اس میں ترمیم کر سکیں۔ پھر ابوسفیان نے حضرت فاطمہ زہراءؓ کو کہا کہ حضرت حسنؓ کو حکم دیں کہ وہ لوگوں کے درمیان قریش کو پناہ کا حکم دے دیں۔ ابوسفیان کی اس بات کے بارے میں ابوعبید(۲) بیان کرتے ہیں:

" هذا محتجا به على من أجاز أمان الصبي وجواره ومن أجاز جوار الصبي إنما أجازه إذا عقل الصبي، وكان كالمراهق "(۳)

ترجمہ: یہ ان لوگوں کی دلیل ہے جو بچے کی امان اور پناہ کو جائز سمجھتے ہیں اور جو بچے کی پناہ کو جائز سمجھتے ہیں وہ یہ بھی شرط لگاتے ہیں کہ بچہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور قریب البلوغ کی طرح ہو۔

حضرت فاطمہ زہراءؓ نے انہیں انکار کر دیا اور کہا:

" وَاللهِ مَا بَلَغَ بُنَيّ ذَاكَ أَنْ يُجِيرَ بَيْنَ النّاسِ وَمَا يُجِيرُ أَحَدٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ "(٤)

---

(۱) عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، محمد بن عبد اللہ بن یحیی ابن سید الناس (۶۷۱ھ-۷۳۴ھ)، مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ والنشر، بیروت، ۱۴۰۶ھ-۱۹۸۶ء، ۲/۱۸۳

(۲) ابوعبید: آپ کا نام قاسم بن سلام تھا۔ آپ ۱۵۷ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ امام، حافظ اور مجتہد تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں الاموال مشہور ہے۔ آپ نے ۲۲۴ھ کو وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۱۹/۴۸۵)

(۳) الروض الانف، ۷/۲۰۱

(۴) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۳۹۷

ترجمہ: اللہ کی قسم! کہ میرا بیٹا ابھی اس درجے میں نہیں پہنچا کہ لوگوں کے درمیان پناہ کا اعلان کریں اور نبی اکرم ﷺ کے ہوتے ہوئے کوئی اور پناہ نہیں دے سکتے۔

حضرت فاطمہ زہراءؓ نے یہ اس لئے فرمایا کیونکہ حضرت حسنؓ ابھی بچے ہیں اور ان پر ابھی شرعی احکام لاگو نہیں ہو سکتے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی اور پناہ نہیں دے سکتا۔ حضرت فاطمہ زہراءؓ کے اس قول کے بارے میں سہیلی(۱) بیان کرتے ہے:

"کالعبد ونحوه يجوز جواره فيما قل مثل أن يجير واحدا من العدو أو نفرا يسيرا، وأما أن يجير على الإمام قوما يريد الإمام غزوهم وحربهم فلا يجوز ذلك عليهم ولا على الإمام وهذا هو الذي أرادت فاطمة – رضي الله عنها " (۲)

ترجمہ: غلام اور اس جیسے لوگوں کی طرف سے پناہ دینا جائز ہے جبکہ وہ افراد تھوڑے سے ہو مگر جو امام کی رائے کے بغیر کسی ایسی قوم کو پناہ دیتا ہے جس کے ساتھ امام جنگ کا ارادہ رکھتا ہے تو یہ چیز نہ ان پر لازم ہوگی اور نہ ہی امام پر لازم ہوگی اور حضرت فاطمہ زہراءؓ نے بھی اسی چیز کا ارادہ کیا تھا۔

ابوسفیان نے حضرت علیؓ سے اس معاملے کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت علیؓ نے کہا:

" وَاللهِ مَا أَعْلَمُ لَكَ شَيْئًا يُغْنِي عَنْك شَيْئًا ، وَلَكِنّك سَيّدُ بَنِي كِنَانَةَ فَقُمْ فَأَجِرْ بَيْنَ النّاسِ ثُمّ الْحَقْ بِأَرْضِك " (۳)

ترجمہ: اللہ کی قسم! تمہارے لیے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے تمہیں فائدہ حاصل ہو تم قریش کے سردار ہو، تم لوگوں کو اکٹھا کر کے اپنے آپ کو لوگوں کی پناہ میں دے دو، پھر اپنی سرزمین میں واپس چلے جاؤ۔

ابوسفیان کو یہی بہتر حل نظر آیا تو انہوں نے مسجد میں اپنے آپ کو لوگوں کی پناہ میں دینے کا اعلان کر کے مکہ واپس چلے گئے۔ اس طرح کرنا ابوسفیان کی ایسی بے بسی ظاہر کرتی ہے کہ اسلام کے دشمن ذہنی اور اخلاقی طور پر شکست تسلیم کر چکے تھے۔

---

(۱) سہیلی: آپ کا نام عبد الرحمن بن عبد اللہ تھا۔ آپ ۵۰۸ھ کو مالقہ (جنوبی ہسپانیہ میں واقع اندلوسیا کا ایک صوبہ) میں پیدا ہوئے ۔ آپ لغت اور سیرت کے عالم تھے۔ آپ ۵۸۱ھ میں فوت ہوئے (الاعلام، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس الزرکلی الدمشقی (المتوفی: ۱۳۹۶ھ)، دار العلم للملایین، الطبعۃ الخامسۃ عشر، ۲۰۰۲ء، ۳/ ۳۱۳)

(۲) الروض الانف، ۷/ ۲۰۱

(۳) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، محمد بن یوسف الصالحی شامی، (محقق: شیخ عادل احمد عبد الموجود، شیخ علی محمد معوض)، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، طبع اول، ۱۹۹۳ء، ۵/ ۲۰۷

ر۔ قریش کی ابوسفیان کو ملامت

ابوسفیان اپنے آپ کو لوگوں کی پناہ میں دینے کا اعلان کر کے مکہ واپس چلے گئے اور قریش مکہ کو تمام باتیں بتائیں کہ کس طرح سب نے انہیں انکار کیا اور حضرت علیؓ کے مشورے پر انہوں نے عمل کیا۔ قریش مکہ نے ابو سفیان سے حضرت علیؓ کے مشورے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ:

''أَمَرَنِي أَنْ أُجِيرَ بَيْنَ النّاسِ فَفَعَلْت''(۱)

ترجمہ: انہوں نے مجھے یہ رائے دی کہ میں لوگوں کے درمیان پناہ پکار دوں (یعنی معاہدہ حدیبیہ کی تجدید کا اعلان کر دوں) میں نے یہی اعلان کر دیا۔

اس میں ابوسفیان قریش کو حضرت علیؓ کے اس مشورہ کے بارے میں بتا رہے ہیں جو انہوں نے ابوسفیان کو دیا تھا کہ لوگوں کے درمیان امان کا اعلان کر دیں۔ انہوں نے اسی پر عمل کر کے واپس مکہ آ گئے۔ ابوسفیان نے انہیں بتایا کہ حضرت محمد ﷺ نے اس کو قبول نہیں کیا تو قریش نے ابوسفیان سے کہا:

''وَيْلَكَ وَاللهِ إنْ زَادَ الرّجُلُ عَلَى أَنْ لَعِبَ بِك ، فَمَا يُغْنِي عَنْك مَا قُلْت.
قَالَ لَا وَاللهِ مَا وَجَدْت غَيْرَ ذَلِكَ'' (۲)

ترجمہ: تیرا برا ہو، خدا کی قسم! اس شخص (حضرت علیؓ) نے تمہارے ساتھ کھیل کھیلا، اور تم یہی کہے کر آ گئے ہو کیا ہے اس کا کوئی نتیجہ بر آمد نہیں ہو گا۔ تو (ابوسفیان نے) کہا کہ میں اس کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ان الفاظ میں قریش نے ابوسفیان کو ملامت کی۔ یہ محض ایک کھیل ہے اور ان کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔ اس طرح قریش مکہ کا معاہدہ میں تجدید اور اسکی مدت میں اضافہ کا منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکا۔

یہ وہ اسباب ہیں جن کے بعد حضرت محمد ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اب قریش مکہ سے جنگ ضروری ہو گئی ہے۔ کیونکہ انہوں نے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا تھا۔

---

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۳۹۸

(۲) الروض الانف، ۷/۲۰۲

فصل دوم

فتح مکہ کے واقعات

فصل دوم

فتح مکہ کے واقعات

صلح حدیبیہ کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں سے کوئی بھی قبیلہ فریقین میں سے کسی کے ساتھ بھی معاہدہ کرسکتا ہے۔ اس شرط کے مطابق بنو بکر قریش کے حلیف بنے اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے حلیف بنے ۔بنو بکر اور بنو خزاعہ کے درمیان پرانی دشمنی چلی آرہی تھی۔ تو بنو بکر نے بنو خزاعہ سے اپنے آدمیوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے قریش سے مل کر ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے کئی افراد قتل کر دیئے۔ اس حملہ کی وجہ سے صلح حدیبیہ کا معاہدہ قریش اور بنو بکر نے توڑ دیا۔ بنو خزاعہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور آپ ﷺ سے مدد طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان سے مدد کا وعدہ کیا۔ آپ ﷺ نے رازداری کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ ویسے بھی قریش مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے ان کے ساتھ جنگ ضروری تھی۔ فتح مکہ کے واقعات کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:

فتح مکہ کی تیاری

حضور اکرم ﷺ نے قریش مکہ کی عہد شکنی کی وجہ سے ان سے جنگ کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا اور اپنے اہل خانہ کو بھی سامان تیار کرنے کا کہا۔ لیکن آپ ﷺ نے یہ نہیں بتایا کہ کن کے ساتھ جنگ کرنا ہے۔ کسی کو اس بارے میں معلومات نہ ہونے کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ آپ ﷺ کے سامان کی تیاری کر رہیں تھیں تو حضرت ابو بکر صدیقؓ آئے اور حضرت عائشہؓ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت عائشہؓ نے انہیں یہ جواب دیا:

((وَاللهِ مَا أَدْرِي))(۱)

ترجمہ: اللہ کی قسم مجھے یہ معلوم نہیں ہے۔

حضرت عائشہؓ نے لاعلمی اس لئے ظاہر کی کیونکہ وہ خود اس بات سے بے خبر تھیں کہ آپ ﷺ نے کن کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے درمیان مکہ کی طرف جانے کے ارادے کا

---

(۱) المعجم الصغیر للطبرانی ،سلیمان بن احمد بن ایوب ابو القاسم الطبرانی،(محقق: محمد شکور محمود الحاج)، المکتب الاسلامی، دار عمار، بیروت ،طبع اول، ۱۴۰۵ سنہ ھ۔ ۱۹۸۵ سنہ ء، حدیث نمبر ۹۶۸، ۲/۱۶۸

اعلان کر دیا اور تمام لوگوں کو پوری تندہی سے تیاری کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی تیاری کے بارے میں غزالی(۱) لکھتے ہیں:

" واستمع المسلمون لأمر نبيهم، فمضوا يعبئون قواهم للّقاء المنتظر "(۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں نے نبی اکرم ﷺ کے حکم کو سنا، پھر غیر متوقع مقابلہ (لڑائی) کے لئے اپنی فوج کو متحرک کیا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

" اللّهُمّ خُذْ عَلَى قُرَيْشٍ الْأَخْبَارَ وَالْعُيُونَ " (۳)

ترجمہ: اے باری تعالیٰ! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پکڑ لے (یعنی نہ قریش کو ہماری تیاری کی خبر ہو اور نہ ہماری تیاری کو دیکھ سکیں)۔

آپ ﷺ نے یہ الفاظ اس لئے ادا فرمائے کیونکہ آپ ﷺ قریش مکہ سے اپنے ارادے اور مقصد کو چھپانا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ قریش مکہ کو آپ ﷺ کی مکہ کی طرف روانگی کا علم نہ ہو سکے اور آپ ﷺ مکہ کو بغیر خون بہائے فتح کر لیں۔

نبی اکرم ﷺ کے ایلچیوں کا قبائل کو جمع کرنے کے لئے جانا

نبی اکرم ﷺ نے قریش مکہ پر حملہ کرنا طے کر لیا۔ مدینہ کے اندر مسلمانوں کی اتنی تعداد نہیں تھی کہ وہ مکہ پر حملہ کر سکتے۔ مدینہ سے باہر دور دراز کے علاقوں میں بہت سے مسلمان قبیلے اور حلیف قبیلے تھے۔ تو آپ ﷺ نے چودہ صحابہ کرامؓ کو ان کی طرف روانہ کیا اور ان کو اپنی مدد کے لئے بلایا۔ ان صحابہ کرامؓ اور قبائل کے نام یہ ہیں:

۱۔ اسماء بن حارثہؓ (۴) اور ہند بن حارثہؓ (۵) کو اسلم قبیلہ کی طرف بھیجا۔

---

(۱) غزالی: آپ کا نام محمد بن محمد بن غزالی اور کنیت ابو حامد تھی۔ آپ ۴۵۰ھ میں طوس کے قصبہ طاہران میں پیدا ہوئے۔ آپ فلسفی، مفکر، متکلم اور مصنف تھے۔ آپ ۵۰۵ھ میں فوت ہوئے (الاعلام، ۷/۲۲)

(۲) فقہ السیرۃ، ۱/۳۳۱

(۳) المغازی، ۲/۷۹۶

(۴) اسماء بن حارثہؓ: آپ کا نسب اسماء بن حارثہ بن ہند بن عبد اللہ بن غیاث بن سعد بن عمرو بن عامر بن ثعلبہ بن مالک بن افصی تھا۔ آپ کی کنیت ابو ہند تھی۔ آپ اصحاب صفہ میں سے اور ان لوگوں میں سے تھے جو خدمت رسول ﷺ میں فنا تھے۔ آپ کی وفات ۶۶ھ میں بصرہ میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر ۸۰ سال تھی (اسد الغابۃ، ۱/۴۹)

(۵) ہند بن حارثہؓ: آپ اسماء بن حارثہ کے بھائی تھے۔ آپ بھی اصحاب صفہ میں سے تھے۔ بغوی نے بیان کیا ہے کہ ہند اپنے سات بھائیوں کے ساتھ بیعت رضوان میں شامل تھے (اسد الغابۃ، ۳/۹۵)

۲. رافع بن مکیث الجہینی ؓ(۱) اور جندب بن مکیث الجہینی ؓ(۲) کو جہینہ کی طرف بھیجا۔

۳. ایماء بن رحضہ ؓ(۳) اور ابو رہم کلثوم الحصین ؓ(۴) کو غفار، بنی ضمرہ اور بنی الحصین کی طرف بھیجا۔

۴. معقل بن سنان ؓ(۵) اور نعیم بن مسعود ؓ(۶) کو اشجع کی طرف بھیجا۔

۵. بلال بن حارث ؓ(۷) اور عبد اللہ بن عمرو المزنی ؓ کو مزنیہ کی طرف بھیجا۔

۶. حجاج بن علاط اسلمی ؓ(۸) اور عرباض بن ساریہ ؓ(۹) کو بنی سلیم کی طرف بھیجا۔

---

(۱) رافع بن مکیث الجہینیؓ: آپ بیعت رضوان میں شریک تھے اور آپ نے فتح مکہ کے دن جہینہ کے پرچم اٹھائے تھے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲/۴۴۵)

(۲) جندب بن مکیث الجہینیؓ: آپ رافع بن مکیث الجہینی کے بھائی تھے۔ یہ دونوں بھائی صحابی تھے۔ انہیں آپ ﷺ نے جہینہ کے صدقات پر عامل بنایا تھا۔ یہ مدینہ میں رہتے تھے (اسد الغابۃ، ۱/۱۹۳)

(۳) ایماء بن رحضہؓ: آپ کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ آپ پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ اپنے قبیلہ بنو غفار کے سردار اور ان کے سفیر تھے۔ آپ نے حدیبیہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ نبی اکرم ﷺ کی مدینہ ہجرت سے قبل آپ اپنی قوم کی امامت کراتے تھے (اسد الغابۃ، ۱/۱۰۰)

(۴) ابو رہم کلثوم الحصینؓ: آپ کا تعلق بنو غفار سے تھا۔ آپ بیعت رضوان میں شریک تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے آپ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۱۴۱)

(۵) معقل بن سنان بن مظہر الاشجعیؓ: آپ پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ جب آپ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں جاگیر دی۔ جنگ حنین اور فتح مکہ کے موقع پر اپنی قوم کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے، آپ نے ۶۳ھ میں مدینہ میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۶/۱۸۱)

(۶) نعیم بن مسعودؓ: آپ کا تعلق بنو غطفان سے تھا۔ آپ کی کنیت ابو سلمہ تھی۔ آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر اسلام قبول کیا اور آپ نے غزوہ خندق کے موقع پر بنو قریظہ، غطفان اور قریش میں بدگمانی پیدا کر کے ایک دوسرے کا مخالف بنا دیا۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۳/۷۲۔۷۳)

(۷) بلال بن حارثؓ: آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن مزنی تھی۔ آپ قدیم الاسلام تھے۔ فتح مکہ سے قبل مدینہ میں سکونت اختیار کر لی۔ فتح مکہ کے روز مزنیہ کا ایک جھنڈا آپ کے پاس تھا۔ اس کے بعد بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ کی وفات ۶۰ھ میں ۸۰ سال کی عمر میں ہوئی (اسد الغابۃ، ۱/۱۲۹)

(۸) حجاج بن علاط اسلمیؓ: آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو کلاب، بعض کے نزدیک ابو محمد اور بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ تھی۔ آپ مدینہ میں رہتے تھے۔ خیبر میں آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے (اسد الغابۃ، ۱/۲۴۱۔۲۴۲)

(۹) عرباض بن ساریہ بن نجیح اسلمیؓ: آپ مشہور صحابی تھے، آپ اصحاب صفہ میں سے تھے۔ آپ حمص شام میں رہتے تھے۔ آپ ۷۵ھ میں فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/۴۸۲)

۷. بشر بن سفیانؓ اور بدیل بن ورقاؓ کو بنی کعب کی طرف بھیجا۔[1]

ان قبائل کے سرداروں نے مدینہ میں آپ ﷺ سے آکر ملاقات کی۔ آپ ﷺ نے انہیں تیار رہنے کا حکم دیا اور یہ کہ ان کے علاقوں سے ان کے دستوں کو اسلامی فوجوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

رازداری کے انتظامات

حضور اکرم ﷺ نے خاموشی اور رازداری کے ساتھ جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی فوج کی روانگی کی خبر قریش سے پوشیدہ رکھی۔ کیونکہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مکہ والوں کو آپ ﷺ کی آمد کا پتا نہ چلے اور آپ ﷺ اچانک ان پر حملہ کر دیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی ناکہ بندی کی اور تمام راستوں پر لوگ بیٹھا دیئے تاکہ ہر آنے جانے والے پر نظر رکھی جائے۔ آپ ﷺ مشکوک آدمی کو روکنے کا حکم دیا۔ مکہ کے طرف آنے والے راستوں کی نگرانی کا کام نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمرؓ کے سپرد کیا۔ حضرت عمرؓ تمام راستوں پر گھومتے تھے اور اپنے آدمیوں کو مشکوک آدمی اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔

نبی اکرم ﷺ نے مکہ کی طرف اپنی روانگی کی خبر کو قریش سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک اور اقدام کیا کہ رمضان آٹھ ہجری کے شروع میں بطن اضم[2] کی طرف ابو قتادہ ربعیؓ[3] کے زیر قیادت ایک سریہ روانہ کیا۔ ان کو بھیجنے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ یہ گمان کریں کہ آپ ﷺ مکہ کے بجائے اس علاقے کی طرف رخ کریں گے۔[4]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی قریش کو اطلاع

آپ ﷺ مکہ کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا تو حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ[5] نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کا مکہ پر حملہ کرنے کی اطلاع ایک خط لکھ کر سارہ[6] نامی عورت کے ذریعہ بھیجی۔ اس عورت نے وہ خط سر کی چوٹی میں چھپا لیا۔

---

(۱) المغازی، ۱/۸۰۰

(۲) بطن اضم: یہ مقام ذی خشب اور ذی المروہ کے درمیان مدینہ سے تقریباً ۲۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے (الرحیق المختوم، صفی الرحمن المبارکفوری، ادارہ الشوون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۸ھ-۲۰۰۷ء، ص:۳۹۷)

(۳) ابو قتادہ ربعیؓ: آپ کا نام بعض کے نزدیک حارث، بعض کے نزدیک نعمان اور بعض کے نزدیک عمرو تھا۔ آپ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کو نبی اکرم ﷺ کا شہسوار کہا جاتا تھا۔ آپ نے ۵۴ھ میں وفات پائی اور اس وقت آپ کی عمر ۷۲ سال تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۳۲۷-۳۲۹)

(۴) عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، ۲/۱۷۷

(۵) حاطب بن ابی بلتعہؓ: آپ بنی اسد کے حلیف تھے۔ آپ کا تعلق بنی خالفہ سے تھا۔ آپ کی وفات تیس ہجری میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر پینسٹھ سال تھی (اسد الغابۃ، ۱/۲۲۹)

(۶) سارہ: عمرو بن ہاشم بن مطلب کی باندی تھی اور فتح مکہ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قریش مکہ کی طرف خط دے کر بھیجا۔ انہیں نبی اکرم ﷺ نے امان دی تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۶۹۰)

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی۔ محمد سعید رمضان البوطی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

" إننا نجد أنفسنا أمام مظهر جديد آخر لنبوته صلّى الله عليه وسلم، وما كان يؤيّد به من الوحي من قبل ربه جلّ جلاله "(۱)

ترجمہ: ہمارے سامنے آنحضرت ﷺ کا ایک دوسرا نیا مظہر آشکار ہوتا ہے اور یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ وحی کے ذریعے آپ ﷺ تائید الٰہی سے سرفراز ہوتے ہیں۔

آپ ﷺ نے حضرت علیؓ، حضرت مقدادؓ(۲) اور حضرت زبیرؓ(۳) کو اس عورت سے خط برآمد کرنے کے لئے روضہ خاخ(۴) کی طرف روانہ کیا۔(۵) وہاں پہ انہوں نے عورت کو پکڑ لیا۔ انہوں نے عورت سے خط کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے خط سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے اس کے کجاوے کی تلاشی لی تو خط نہ ملا تو حضرت علیؓ نے اس عورت کو یہ کہا:

" إِنِّي أَحْلِفُ بِاللهِ مَا كَذَبَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ وَلَا كَذَبْنَا ، وَلَتُخْرِجِنّ لَنَا هَذَا الْكِتَابَ أَوْ لَنَكْشِفَنّك "(٦)

ترجمہ: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ نہ رسول اللہ ﷺ نے جھوٹ کہا ہے نہ ہم جھوٹ کہے رہے ہیں۔ تم یا تو خط نکالو یا ہم تمہیں ننگا کر دیں گے۔

حضرت علیؓ نے اس عورت کو یہ الفاظ اس لئے کہے کیونکہ حضرت علیؓ کو یقین تھا کہ آپ ﷺ غلط خبر نہیں دے سکتے۔ حضرت علیؓ نے اس عورت کو ڈرانے کے لئے یہ کہا تو اس عورت نے خطرہ دیکھا اور ڈر گئی۔ پھر اس نے اپنے بالوں کی چوٹی سے وہ خط نکال کر ان کو دے دیا۔

---

(۱) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۷۰

(۲) مقدادؓ: آپ کے باپ کا نام عمرو بن ثعلبہ تھا۔ آپکی کنیت ابو الاسود تھی اور بعض کے مطابق ابو عمر یا ابو سعید تھی۔ آپ قدیم الاسلام تھے۔ آپ کا انتقال ۳۳ھ میں ہوا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ٦/ ۲۰۳)

(۳) زبیرؓ: آپ کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ آپ کی کنیت ابا عبد اللہ تھی۔ آپ حضور اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی اور حضرت سیدہ خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ بعض کے نزدیک انہوں نے پندرہ، بعض کے نزدیک سولہ اور بعض کے نزدیک اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ آپ کا لقب حواری رسول اللہ تھا۔ آپ نے چھیاسٹھ یا سرسٹھ کی عمر میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۱/ ۳۷۸)

(۴) روضہ خاخ: حرمین کے درمیان ایک مقام کا نام ہے۔ مدینہ سے حمراء الاسد کے قریب ہے (معجم البلدان، ۲/ ۱۳۹)

(۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۵/ ۱۴۵

(٦) الروض الانف، ۷/ ۲۰۴

خط کا متن

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کا مکہ پر حملہ کرنے کی اطلاع ایک خط لکھ کر بھیجی تھی۔ اس خط کا متن یہ تھا:

"أَنّ النّبِيّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ قَدْ تَوَجّهَ إِلَيْكُمْ بِجَيْشٍ كَاللّيْلِ يَسِيرُ كَالسّيْلِ وَأُقْسِمُ بِاَللهِ لَوْ سَارَ إلَيْكُمْ وَحْدَهُ لَنَصَرَهُ اللهُ عَلَيْكُمْ فَإِنّهُ مُنْجِزٌ لَهُ مَا وَعَدَهُ "(۱)

ترجمہ: اللہ کے رسول ﷺ تم پر حملہ کرنے کے لئے متوجہ ہوئے ہیں آپ ﷺ کے ساتھ لشکر رات کی مانند ہے اور وہ سیلاب کی طرح رواں دواں ہے اور میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں اگر نبی اکرم ﷺ تنہا بھی تم پر چڑھائی کریں تو اللہ تعالی اپنے رسول ﷺ کی مدد فرماتا اور اپنے وعدے کو پورا کرتا۔

اس خط میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ نے قریش مکہ کو آپ ﷺ کا مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری اور لشکر کشی کے بارے میں بتایا۔

حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کی پوچھ گچھ

جب یہ لوگ خط لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کو بلا کر اس سے خط کے بارے میں پوچھا تو حاطب ؓ نے کہا:

((يَا رَسُولَ اللَّهِ، لاَ تَعْجَلْ عَلَيَّ، إِنِّي كُنْتُ امْرَأً مُلْصَقًا فِي قُرَيْشٍ، يَقُولُ: كُنْتُ حَلِيفًا، وَلَمْ أَكُنْ مِنْ أَنْفُسِهَا، وَكَانَ مَنْ مَعَكَ مِنَ المُهَاجِرِينَ مَنْ لَهُمْ قَرَابَاتٌ يَحْمُونَ أَهْلِيهِمْ وَأَمْوَالَهُمْ، فَأَحْبَبْتُ إِذْ فَاتَنِي ذَلِكَ مِنَ النَّسَبِ فِيهِمْ، أَنْ أَتَّخِذَ عِنْدَهُمْ يَدًا يَحْمُونَ قَرَابَتِي، وَلَمْ أَفْعَلْهُ ارْتِدَادًا عَنْ دِينِي، وَلاَ رِضًا بِالكُفْرِ بَعْدَ الإِسْلاَمِ))(۲)

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! مجھ پر جلدی نہ کیجئے، میں ایسا آدمی ہوں کہ قریش سے میرا تعلق ہے، یعنی میں انکا حلیف ہوں اور میں ان کی ذات سے نہیں اور آپ ﷺ کے ساتھ جو مہاجر ہیں، ان سب کے رشتہ دار ہیں جو ان کے مال، اولاد کی حمایت کرسکتے ہیں، چونکہ ان سے میری قرابت نہیں تھی اس لئے میں نے چاہا کہ ان پر کوئی ایسا احسان کردوں جس سے وہ میرے رشتہ داروں کی حفاظت کریں اور یہ کام میں نے اپنے دین سے پھر جانے اور اسلام لانے کے بعد کفر پر راضی ہونے کے سبب سے نہیں کیا ہے۔

---

(۱) عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، ۲/ ۲۰۵

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۵/ ۱۴۵

آپ ﷺ کی پوچھ گچھ پر حاطب بن ابی بلتعہؓ نے صاف گوئی سے کام لیا۔ اس نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میرے ایمان میں کوئی تغیر نہیں آیا میں اب بھی سچا مسلمان ہوں۔ میرے رشتے دار مکہ میں ہیں اور میں نے ان کی خاطر قریش پر احسان کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کے نفاق کی وجہ سے آپ ﷺ سے اس کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ تو آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے ارشاد فرمایا:

((وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ عَلَى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ))(۱)

ترجمہ: اے عمرؓ! کیا تمہیں پتا نہیں کہ حاطبؓ اہل بدر میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے متعلق اطلاع دے دی ہے کہ تمہارا جو جی چاہے کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے یہ ارشاد اس لئے فرمایا کہ حضرت حاطبؓ بدر میں شریک ہونے والوں میں تھے۔ بدر میں شریک ہونے والے جو بھی کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کر دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بدر میں شریک ہونے والوں کے حالت بخوبی معلوم تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کی غلطی معاف فرما دی اور انہیں معاف فرما دیا۔ پھر حضرت حاطبؓ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ﴾(۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کافروں کو دوست نہ بناؤ۔

یہ آیت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے ایمان کی شہادت کے لئے نازل ہوئی۔ اس میں حاطب بن ابی بلتعہؓ کو خصوصی طور پر اور تمام مسلمانوں کو عمومی طور پر تنبیہ کی گئی ہے اور اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو دوست بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت قرآنی کی وضاحت ابو برکات النسفی(۳) اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"لا تتخذوهم أولياء ملقين "(۴)

ترجمہ: تم ان کو دوست نہ بناؤ اس حال میں کہ وہ دوستی جتانے والے ہوں۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۱۴۵/۵

(۲) سورة الممتحنہ: ۶۰/۱

(۳) ابو برکات النسفی: آپ کا نام عبد اللہ بن احمد بن محمود تھا۔ آپ کی نسبت علاقہ نسف کی طرف ہے جو صغد کے علاقے میں ہے۔ آپ کی کئی فقہ، اصول اور تفسیر میں تصنیفات ہیں۔ آپ کا انتقال ۷۱۰ھ کو ایذج (خوزستان) کے قریب ہوا اور آپ وہیں دفن ہوئے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۲۶۹/۲۲)

(۴) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، عبد اللہ بن احمد بن محمود حافظ الدین ابو البرکات النسفی، (محقق: مروان محمد الشعار) دار النفائس، بیروت، ۲۰۰۵ء، ۱۹۴/۴

گویا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حاطب کو ان کی غلطی پر تنبیہ کی گئی کہ اللہ کے دین اور اللہ کے رسول ﷺ کے دشمن کے ساتھ دوستی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اللہ تعالی کو یہ گوارا نہیں ہے۔ اس لئے آئندہ محتاط رہنا چاہیے۔ غزالی اس واقعہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

" علمنا الإسلام ألا ننسى الحسنات والفضائل لمن يخطئون حيناً بعد أن أصابوا طويلاً "[۱]

ترجمہ: اسلام ہمیں سکھاتا ہے کہ جو لوگ ایک طویل عرصہ تک اچھے کام کر چکے ہوں اور ان سے اچانک کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو ان کی پرانی نیکیوں اور فضائل کو نہیں بھولنا چاہے۔

مدینہ میں قائم مقامی

نبی اکرم ﷺ مکہ کی طرف روانہ ہونے سے پہلے ابورہم کلثوم بن حصین غفاری ؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔[۲] طبقات ابن سعد میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ام مکتوم ؓ کو مدینہ میں اپنا نائب بنایا۔[۳] سیرت النبی ﷺ کی زیادہ کتابوں میں ابورہم کلثوم بن حصین غفاری ؓ کا نام آیا ہے اس لئے پہلا قول درست ہے۔

روانگی کی تاریخ

آپ ﷺ مکہ کی طرف دس رمضان المبارک آٹھ ہجری بدھ کے دن عصر کے بعد مدینہ سے روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ کی روانگی کی تاریخ کے بارے میں بہت سے قول ہیں۔ ایک قول کے مطابق بارہ، ایک تیرہ، ایک سترہ اور ایک اٹھارہ تاریخ کو روانہ ہوئے۔[۴] علامہ ابن قیم[۵] کے مطابق آپ ﷺ مکہ کی طرف اٹھارہ تاریخ کو روانہ ہوئے۔[۶]

---

(۱) فقہ السیرۃ، ۱/ ۳۲۵

(۲) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۵۶۔ سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۱۸

(۳) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۳۵

(۴) غزوات النبی ﷺ مع جہاد، علامہ علی بن برہان الدین حلبی، (مترجم: محمد اسلم قاسمی)، دارالاشاعت، کراچی، اپریل ۲۰۰۱ء، ص ۵۵۳:

(۵) ابن قیم: آپ کا نام محمد بن ابی بکر بن ایوب اور کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ بلند پایہ مفسر قرآن، علم نحو کے امام اور فن کلام کے استاد تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات دمشق میں ہوئی۔ آپ نے بہت سے تصانیف لکھیں (الاعلام، ۶/ ۵۶)

(۶) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۳۹۴

طبری [1]، شبلی نعمانی اور ابن ہشام [2] کے مطابق آپ ﷺ مکہ کی طرف دس رمضان المبارک آٹھ ہجری کو روانہ ہوئے [3] اور یہی قول درست ہے۔

فتح مکہ میں مسلمانوں کی تعداد

فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ [4] جن میں مہاجرین میں سے سات سو، انصار کی تعداد چار ہزار، بنی مزینہ میں سے ایک ہزار، بنی اسلم میں سے چار سو، بنی جہینہ میں سے آٹھ سو، بنو کعب بن عمرو میں سے پانچ سو، بنی سلیم میں سے ایک ہزار، بنو خزاعہ میں سے پانچ سو، بنو غفار میں سے تین سو، بنو اشجع میں سے تین سو، بنو لیث اور کنانہ میں سے دو سو پچاس، بنو ضمرہ اور بنو سعد میں سے دو سو، بنو تمیم میں سے دس [5] اور مختلف قبائل کی تعداد پانچ سو چالیس تھی۔ [6] بعض کے نزدیک مسلمانوں کے لشکر کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اسلامی لشکر مکہ کی راہ پر

آپ ﷺ ایک عظیم لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ ایک عظیم جرنیل کی حیثیت سے غیر معروف اور نا معلوم راستوں سے اپنی فوج کو مکہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ روزے کی حالت میں روانہ ہوئے۔ جب آپ ﷺ کدید [7] کے مقام پر پہنچے۔ تو آپ ﷺ نے روزہ افطار کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی پیا اس سے سفر اور جہاد میں روزہ رکھنا موقوف ہو گیا۔ آپ ﷺ کے روزہ افطار کرنے کے بارے میں صحیح بخاری میں اس طرح بیان ہوا ہے:

((صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا بَلَغَ الْكَدِيدَ الْمَاءَ الَّذِي بَيْنَ قُدَيْدٍ وَعُسْفَانَ أَفْطَرَ فَلَمْ يَزَلْ مُفْطِرًا حَتَّى انْسَلَخَ الشَّهْرُ)) [8]

---

(۱) طبریؒ: آپ کا نام محمد بن جریر بن یزید الطبری تھا۔ آپ کی کنیت ابو جعفر تھی۔ آپ طبرستان میں پیدا ہوئے۔ آپ مشہور مفسر اور مورخ تھے۔ آپکی مشہور کتابیں تفسیر طبری اور تاریخ طبری ہیں۔ آپ نے بغداد میں وفات پائی (الاعلام، ۶/ ۶۹)

(۲) ابن ہشام: آپ کا نام عبد الملک بن ہشام الحمیری اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ ایک مشہور مورخ اور انساب، لغت اور اخبار العرب کے ماہر تھے۔ آپ بصرہ میں پیدا ہوئے اور مصر میں وفات پائی۔ آپ کی مشہور کتاب سیرت النبویہ ہے جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے۔ (الاعلام، ۴/ ۱۶۶)

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۵۶۔ سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۱۸۔ سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۳۱۱

(۴) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث نمبر: ۴۲۷۶، ۵/ ۱۴۶

(۵) المغازی، ۱/ ۸۰۰

(۶) غزوات النبی ﷺ مع جہاد، ص: ۱۶۹

(۷) کدید: مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے، امج اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے (معجم ما استعجم، ۱/ ۳۰۶)

(۸) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث نمبر: ۴۲۷۵، ۵/ ۱۴۵

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ روزے کی حالت میں تھے لیکن جب آپ ﷺ کدید کے مقام پر پہنچے، جو قدید اور عسفان کے درمیان ایک چشمہ ہے تو آپ ﷺ نے روزہ توڑ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ روزہ نہیں رکھا یہاں تک کے رمضان کا مہینہ ختم ہو گیا۔

جہاد میں روزوں کی وجہ سے انسان کو سخت مشقت ہوتی ہے اور روزے رکھنے سے انسان کے اندر کمزوری آجاتی ہے۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے روزے نہیں رکھے اور مسافروں کو بھی سفر میں روزے نہ رکھنے کی اجازت ہے کہ وہ بعد میں روزے پورا کر سکتے ہیں۔

حضرت عباسؓ کی ہجرت

نبی اکرم ﷺ کی جحفہ [1] کے مقام پر اپنے چچا حضرت عباسؓ سے ملے جو اپنے اہل و عیال کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت عباسؓ خود نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مکہ روانہ ہو گئے اور بیوی بچوں کو مدینہ روانہ کر دیا۔ حضرت عباسؓ بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور وہ مکہ میں سقایت کے منصب کی وجہ سے مقیم تھے۔ [2]

ابو سفیان بن حارثؓ اور عبداللہ بن امیہؓ کا اسلام

آپ ﷺ ابواء کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ ابوسفیان بن حارثؓ اور عبداللہ بن امیہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قریبی عزیز ہونے کی باوجود انہوں نے آپ ﷺ کو سخت تکلیفیں پہنچائیں تھیں اور یہ اسلام کے سخت مخالف تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں انکی سفارش کی اور کہا:

''لا يكن ابن عمك وابن عمتك أشقي الناس بك'' [3]

ترجمہ: ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ آپ ﷺ کے یہاں آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھی کا بیٹا تمام انسانوں سے زیادہ بدنصیب ہوں۔

حضرت ام سلمہؓ نے آپ ﷺ سے ان کی سفارش اس لیے کی کیونکہ وہ چاہتی تھیں کہ اگر آپ ﷺ نے ان کی طرف توجہ نہیں دی تو یہ ان کی بدنصیبی ہو گی اور آپ ﷺ اپنے رشتہ داروں کو ایسی بدنصیبی میں نہ ڈالیں۔

آپ ﷺ نے انہیں ملنے کی اجازت نہیں دی تو پھر حضرت علیؓ نے ابوسفیان بن حارثؓ کو یہ مشورہ دیا۔ کہ آپ لوگ نبی اکرم ﷺ کے پاس جاؤ اور جو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا تھا وہی تم دونوں بھی کہو۔ چنانچہ انہوں نے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہی کہا کہ:

---

(۱) جحفہ: مکہ اور مدینہ کے راستے میں ایک بستی کا نام ہے (معجم ما استعجم، ۱/۱۰۶)

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۱۸

(۳) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۴۰۰

﴿قَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: یقیناً آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم بلاشبہ خطاوار ہیں۔

اس آیت قرآنی کے ذریعہ انہوں نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اللہ کی قسم اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ کی برتری کا اعتراف کیا کہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہم پر بڑی عزت وعظمت عطا فرمائی ہے اور ساتھ ہی انہوں نے اپنے گناہ گار وخطا کار ہونے کا اعتراف کیا۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر محمد ثناء اللہ العثمانی المظہری[2] اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"قالُوا معتذرين تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ اختارك الله عَلَيْنا بحسن الصورة وكمال السيرة وسائر الفضائل الدنيوية والاخروية وَإِنْ كُنَّا لَخاطِئِينَ والحال ان شأننا انا كنا مذنبين بما فعلنا بك"[3]

ترجمہ: (حضرت یوسفؑ کے بھائی) بولے: بخدا! بلاشبہ اللہ نے آپ ﷺ کو ہم پر برتری عطا فرمائی اور ہم یقیناً خطاوار تھے۔ یعنی معذرت پیش کرتے ہوئے انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جمال صورت اور کمال سیرت اور تمام دنیوی واخروی فضائل کے لحاظ سے اللہ نے آپ ﷺ کو ہم پر برتری عطا فرمائی اور ہم نے جو کچھ آپ ﷺ کے ساتھ کیا، اس کے ہم خطاوار ہیں۔

انہوں نے جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں والے الفاظ ادا کیے تو آپ ﷺ نے ان کے جواب میں وہی جملہ ارشاد فرمایا۔ جو حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کو جواب میں فرمایا تھا:

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہے اللہ تمہیں بخش دے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔

یہ آپ ﷺ کی شخصیت کے رحم دلی، ترفع اور اخلاق کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ان خطاکار رشتہ داروں کو فوراً غیر مشروط طور پر معاف کر دیا۔ اس آیت قرآنی کے بارے میں ابن کثیر[5] بیان کرتے ہیں کہ:

---

(۱) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۹۱

(۲) محمد ثناء اللہ: آپ کی ولادت ۱۷۳۰ء کو پانی پت میں ہوئی۔ آپ اپنے عہد کے عظیم فقیہ، محدث، محقق اور مفسر تھے۔ آپ ۱۲ اگست ۱۸۱۰ء کو فوت ہوئے (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۴ء، ۶/ ۱۰۳۲ ۔ ۱۰۳۴)

(۳) التفسیر المظہری، محمد ثناء اللہ العثمانی المظہری، (محقق: غلام نبی تونسی) مکتبہ رشدیہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۴ء، ۵/ ۱۹۸

(۴) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۹۲

(۵) ابن کثیر: آپ کا نام اسماعیل بن عمر بن کثیر تھا۔ آپ کی کنیت ابو الفداء، لقب عماد الدین اور ابن کثیر عرف تھا۔ آپ ۷۰۰ھ میں شام کی ایک بستی مجدل میں پیدا ہوئے۔ آپ عالم اسلام کے معروف محدث، مفسر، فقیہ اور مورخ تھے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، سیرت اور تاریخ میں بہت سی تصانیف لکھیں۔ آپ ۷۷۴ھ میں فوت ہوئے (حافظ عماد الدین ابن کثیر کا تعارف، حمزہ اعوان، ختم نبوت فورم ۶، ستمبر ۲۰۱۴ء)

''لا تأنيب عليكم ولا عَتْب عليكم اليوم، ولا أعيد ذنبكم في حقي بعد اليوم ثم زادهم الدعاء لهم بالمغفرة''(۱)

ترجمہ: (یوسفؑ نے) کہا کہ آج کے دن (سے) کے بعد سے تمہیں تمہاری یہ خطا یاد بھی نہیں دلاؤں گا، میں تمہیں کوئی ڈنٹ ڈپٹ نہیں کرنا چاہتا نہ تم پر الزام رکھتا ہوں نہ تم پر اظہار خفگی کرتا ہوں بلکہ میری دعا ہے کہ اللہ بھی تمہیں معاف فرمائے وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

گویا کہ آپ ﷺ نے نہ صرف انہیں معاف فرما دیا بلکہ ان کی درخواست کے بغیر ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت ورحم کی دعا بھی کر دی۔ آپ ﷺ کو قوی امید تھی کہ وہ ضرور ان لوگوں کو معاف فرمادے گا، کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

قدید میں فوج کی تیاری، سالاروں کا تعین اور جنگی پرچموں کی تقسیم

مدینہ سے مکہ کی طرف اسلامی لشکر بغیر ترتیب کے روانہ ہوا تھا۔ کیونکہ بعض قبائل راستے میں آکر آپ ﷺ کی فوج میں شامل ہوئے۔ جب قدید(۲) کے مقام پر پوری فوج اکٹھی ہوگئی۔ نبی اکرم ﷺ نے قدید کے مقام پر پڑاؤ کیا تاکہ آپ ﷺ کی فوج کچھ دیر آرام کرلے۔ یہاں پر آپ ﷺ نے فوج کی تیاری کی اور فوج کے علمبردار اور دستوں کے آفیسرز مقرر کیے۔ آپ ﷺ نے فوج کی تیاری قبائلی بنیادوں پر کی۔ ہر قبیلے کی فوج پر اسی قبیلے کا افسر مقرر کیا۔ آپ ﷺ نے مختلف قبائل میں جنگی پرچم تیار کرواکے ان کے حوالے کئے۔(۳)

قریش کی بے خبری اور لشکر اسلامی کا مر الظہران میں پڑاؤ

قریش ابھی تک اسلام کے لشکر کی روانگی سے بے خبر تھے یہاں تک کہ اسلامی لشکر مر الظہران(۴) کے مقام پر رات کے وقت پہنچ گیا۔ اسلامی لشکر یہاں پر خیمہ زن ہوا اور دور دور تک اسلامی لشکر پھیل گیا۔ آپ ﷺ نے یہاں پر قریش مکہ پر نفسیاتی دباؤ کا حربہ اختیار کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ طاقت کے استعمال کے بغیر نفسیاتی محاذ پر دشمن کو شکست دی جائے۔ ان کے اندر مقابلہ کرنے کی روح ختم کی جائے اور وہ بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیں۔ اسی وجہ سے مر الظہران پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنی فوج کے ہر سپاہی کو کہا کہ وہ الگ الگ آگ روشن کریں۔(۵) اسلامی لشکر میں دس ہزار آدمی تھے اور دس ہزار جگہوں پہ آگ روشن ہوئی تو اس طرح آگ سے تمام صحرا روشن ہوگیا۔ حضرت

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (۷۰۰ھ-۷۷۴ھ)، (محقق: سامی بن محمد سلامہ) دار طیبہ للنشر والتوزیع، طبع دوم، ۱۹۹۹ء، ۴/۴۰۳

(۲) قدید: مکہ اور مدینہ کے درمیان بحر احمر کے کنارے ایک آبادی ہے (معجم ما استعجم، ۱/۲۹۱)

(۳) المغازی، ۱/۸۰۰

(۴) مر الظہران: مکہ کے نواح میں واقع ہے۔ مر الظہران اور بیت اللہ کے درمیان سولہ میل کا فاصلہ ہے (معجم ما استعجم، ۱/۳۲۹)

(۵) الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۳۵

عباسؓ کے دل میں اہل مکہ کے لئے ہمدردی پیدا ہوئی تو حضرت عباسؓ مکہ کے کسی آدمی کی تلاش میں رسول اکرم ﷺ کے سفید خچر پر سوار ہو کر مکہ کی جانب چل پڑے۔ حضرت عباسؓ چاہتے تھے کہ ان کو مکہ کا کوئی آدمی مل جائے جس کو وہ حضرت محمد ﷺ کی مکہ میں لشکر کشی کی خبر دیں اور انہیں خطرے سے آگاہ کریں۔ تاکہ مکہ والے آکر پہلے ہی آپ ﷺ سے امن طلب کر لیں۔ (۱)

ابو سفیان، بدیلؓ اور حکیم خبروں کی ٹوہ میں

قریش مکہ کو رسول اکرم ﷺ کی مدینہ سے روانہ ہونے کی خبر مل چکی تھی لیکن انہیں یہ معلوم نہیں تھا کہ آپ ﷺ کا لشکر کس طرف روانہ ہوا ہے۔ انہوں نے ابو سفیان اور حکیم بن حزام (۲) کو خبریں معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ راستے میں انہیں بدیل بن ورقاءؓ بھی مل گئے۔ جب یہ تینوں مر الظہران کے قریب پہنچے تو انہیں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آئی۔ (۳) یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران اور پریشان ہوگئے۔ تو وہ آپس میں لشکر کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے لگے۔ حضرت عباسؓ نے ان کی آواز پہچان لی اور انہیں رسول اکرم ﷺ کے لشکر کے بارے میں بتایا کہ وہ لوگ ان پر چڑھائی کے ارادے سے آئے ہیں۔ حضرت عباسؓ نے انہیں مسلمانوں کے تعداد کے بارے میں بتایا اور یہ کہ قریش مکہ اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ (۴)

حضرت عباسؓ کا ابو سفیان کو مشورہ

ابو سفیان کو آپ ﷺ کے لشکر کی آمد کا پتہ چل گیا تو انہوں نے حضرت عباسؓ سے مشورہ مانگا کہ کوئی ایسا راستہ بتائے جس کے اختیار کرنے سے قریش مکہ محفوظ رہیں۔ تو حضرت عباسؓ نے ان سے کہا:

((وَاللهِ لَئِنْ ظَفِرَ بِكَ لَيَضْرِبَنَّ عُنُقَكَ ، قَالَ: فَرَكِبَ فِي عَجُزِ الْبَغْلَةِ))(۵)

ترجمہ: خدا کی قسم! تم اگر مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئے تو وہ تمہاری گردن اڑا دے گے، ان سے کہا: تم ایسا کرو تم میرے پیچھے سوار ہو جاؤ۔

حضرت عباسؓ نے ابو سفیان کو یہ مشورہ دیا کہ وہ ابو سفیان کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آپ ﷺ سے امن طلب کریں گے۔ کیونکہ اگر آپ ﷺ نے انہیں امان دے دی تو اس طرح ان کی جان

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۱

(۲) حکیم بن حزام: آپ قریشی تھے۔ آپ کی کنیت ابو خالد تھی۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے تھے۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام میں معزز لوگوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ ایک سو بیس برس زندہ رہے۔ انہوں نے ۵۴ھ میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۲/۳۵۸)

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۴) شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/۳۱۹

(۵) ایضا

کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا۔ ابو سفیان قتل کی بات سے ڈر گئے تو انہوں نے حضرت عباسؓ کی تجویز سے اتفاق کیا اور حضرت عباسؓ کے ساتھ چل پڑے۔ حضرت عباسؓ کی پناہ میں حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاءؓ آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ سے ملاقات کے بعد رات کو وہ واپس مکہ چلے گئے۔ (۱)

ابو سفیان رسول اکرم ﷺ کی بارگاہ میں

حضرت عباسؓ ابو سفیان کو اپنے خچر میں سوار کر کے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے لا رہے تھے۔ تو حضرت عمرؓ نے ابو سفیان کو دیکھ لیا اور آپ ﷺ سے ابو سفیان کے قتل کی اجازت لینے کے لئے دوڑے ۔ حضرت عباسؓ حضرت عمرؓ سے پہلے ہی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ ابو سفیان کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں نے ابو سفیان کو آج کی رات اپنی پناہ دے دی ہے۔ حضرت عباسؓ اور حضرت عمرؓ کی آپس میں ابو سفیان کے قتل کے بارے میں بہت تکرار ہوئی۔ (۲) پھر رسول اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ کو کہا:

((اذْهَبْ بِهِ إِلَى رَحْلِكَ ، فَإِذَا أَصْبَحْتَ فَأْتِنَا بِهِ))(۳)

ترجمہ: اب تو تم اس کو لے جاؤ، اور کل صبح میرے پاس لے آنا۔

آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کے کہنے پر ابو سفیان کو امان دے دی۔ اس وقت آپ ﷺ نے ابو سفیان سے کوئی بات نہیں کی بلکہ حضرت عباسؓ کو انہیں صبح اپنے پاس لانے کو کہا۔

ابو سفیانؓ کا قبول اسلام

حضرت عباسؓ صبح ابو سفیان کو لے کر حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ کی ابو سفیان سے اسلام میں داخل ہونے کے موضوع پر بات چیت ہوئی اور آپ ﷺ نے ابو سفیان کو شرک اور بت پرستی ترک کرنے اور دین توحید میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے ابو سفیان سے فرمایا:

((يَا أَبَا سُفْيَانَ أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ؟))(۴)

ترجمہ: اے ابو سفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے؟۔

ان الفاظ میں آپ ﷺ نے ابو سفیان سے اللہ تعالیٰ کی واحدنیت کے بارے میں سوال کیا۔ ابو سفیان نے آپ ﷺ کو جواب ان الفاظ میں دیا:

---

(۱) علی المواہب اللدنیہ، محمد بن عبد الباقی زرقانی، مصر، ۱۳۲۵ھ، ۲/۳۰۴

(۲) شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/۳۱۹

(۳) ایضا

(۴) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/۹

((بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي فَمَا أَحْلَمَكَ وَأَكْرَمَكَ وَأَوْصَلَكَ ، أَمَا وَاللهِ لَقَدْ كَادَ يَقَعُ فِي نَفْسِي أَنْ لَوْ كَانَ مَعَ اللهِ غَيْرُهُ لَقَدْ أَغْنَى شَيْئًا بَعْدُ))(۱)

ترجمہ: آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کتنے بردبار، کتنے شریف، کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، اوراللہ کی قسم مجھے قطعی طور پر یقین ہو گیاہے اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا۔

ان الفاظ میں ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خوبیوں اور اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کیا اور کہا کہ اگر کوئی اور خدا ہوتا تو ہماری ضرور مدد کرتا۔ ابوسفیان نے اللہ کی وحدانیت کا اعتراف کر لیا تو نبی اکرم ﷺ نے ابوسفیان سے اپنی نبوت کے بارے میں سوال کیا تو ابوسفیان نے جواب دیا:

((بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي،مَا أَحْلَمَك وَأَكْرَمَك وَأَوْصَلَك أَمّا هَذِهِ وَاَللّهِ فَإِنّ فِي النّفْسِ مِنْهَا حَتّى الْآنَ))(۲)

ترجمہ: آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ کتنے بردبار، کتنے شریف، کتنے صلہ رحمی کرنے والے ہیں، ابھی اس بارے میں میرے دل میں کچھ شک وشبہ موجود ہے۔

ان الفاظ میں ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خوبیوں کا اعتراف کیا لیکن آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف نہیں کیا۔ حضرت عباسؓ کے دل میں مکہ کو جنگ سے بچانے کی آرزو پائی جاتی تھی۔ ابوسفیان قریش کے سرداراور نمائندہ تھے۔ جب یہ اسلام قبول کر لیتے تو مکہ محفوظ رہ سکتا تھااور مقابلہ کرنے والوں کے دلوں میں مقابلے کی خواہش ختم ہو سکتی تھی ۔اس لئے حضرت عباسؓ نے جب ابوسفیان کو اسلام قبول کرنے میں پہلو تہی کرتے دیکھاتو حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کوان الفاظ میں ڈانٹا:

((وَيْحَك أَسْلِمْ وَاشْهَدْ أَنْ لَا إلَهَ إلّا اللّهُ وَأَنّ مُحَمّدًا رَسُولُ اللّهِ قَبْلَ أَنْ تُضْرَبَ عُنُقُك))(۳)

ترجمہ: تمہارابراہو، اسلام قبول کرلو اور اس بات کی گواہی دے دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہو کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہے۔اس سے پہلے کہ تمہاری گردن تلوار سے اڑادی جائے۔

ان الفاظ میں حضرت عباسؓ نے ابوسفیان کو اسلام قبول کرنے کا کہا کیونکہ اس طرح وہ محفوظ رہ سکتے تھے۔ ابو سفیان نے حضرت عباسؓ کی ترغیب کی وجہ سے اسلام کی طرف متوجہ ہوئے اور حق کی شہادت کا اعتراف کرلیا۔

---

(۱)شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر:۵۴۴۴، ۳/۳۱۹

(۲)المعجم الکبیر، حدیث نمبر:۷۲۶۴، ۸/۹

(۳)ایضا

حضرت ابو سفیانؓ کو خصوصی اعزاز

حضرت ابو سفیانؓ کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عباسؓ نے ڈپلومیسی اختیار کی۔ انہوں نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ابو سفیانؓ اعزاز کو بہت پسند کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کو کچھ ایسا امتیاز عطا فرمائیں جو ان کے لئے قابل فخر ہو۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ))[۱]

ترجمہ: جو شخص ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر دے اس کو بھی امن ہے۔

اس میں آپ ﷺ نے ابو سفیانؓ کو اعزاز عطا کرنے کے ساتھ ساتھ مکہ والوں کے لئے جو امان کے مقام مقرر کیے ان کا ذکر ہے۔ وہ لوگ ان جگہوں پر محفوظ ہوں گے۔ محمد سعید رمضان البوطی اس کا مقصد اس طرح بیان کرتے ہیں:

" إلى جانب ما في ذلك من تألف قلبه على الإسلام وتثبيته عليه "[۲]

ترجمہ: اس اعلان کے ذریعہ ان کی تالیف قلب اور رسوخ اسلام بھی مقصود تھا۔

اسلامی لشکر مکہ کی جانب

سترہ رمضان آٹھ ہجری کو اسلامی لشکر مر الظہران سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے یہ طے کیا کہ حضرت ابو سفیانؓ کا مکہ جانے سے پہلے حضرت ابو سفیانؓ پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے اور ان کے دل میں اسلام کی شان و شوکت کو گہرا کرنے کے لئے ایک فوجی مظاہرہ کیا جائے، جس میں تمام اسلامی فوج شامل ہو۔ آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ ابو سفیانؓ کو پہاڑ کے ناکے پر وادی کی تنگ جگہ پر کھڑا کرنے کا حکم دیا تاکہ ابو سفیانؓ لشکر اسلام کو دیکھ سکیں۔ محمد سعید رمضان البوطی اس نظارہ کا مقصد اس طرح بیان کرتے ہیں:

" حتى تكون هذه العبرة البالغة أول مثبت لدينه ومؤكد لعقيدته "[۳]

ترجمہ: تاکہ یہ حیران کن نظارہ ان کے دین کو استحکام بخشے اور ان کے عقیدہ کو راسخ کرنے کا اولین ذریعہ بن جائے۔

---

(۱) صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج ابو الحسن القشیری النیسابوری (المتوفی: ۲۶۱ھ) (محقق: محمد فواد عبد الباقی) دار احیاء التراث العربی، بیروت، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/۱۴۰۷

(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/۲۷۳

(۳) ایضا، ۱/۲۷۴

حضرت عباسؓ حضرت ابوسفیانؓ کو وادی کی تنگ جگہ پر کھڑا کر دیا۔ اس کے بعد اسلامی فوج کے تمام دستے ان کے سامنے سے گزرے۔ ابوسفیانؓ حضرت عباسؓ سے ہر گزرنے والے قبیلے کے بارے میں پوچھتے۔[1] جب حضرت عباسؓ انہیں اس قبیلے کا نام بتاتے تو وہ آگے سے کہتے مجھے فلاں سے کیا مطلب۔ یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اپنے سبز دستے[2] کے ساتھ ان کے سامنے سے گزرے۔ تو حضرت ابوسفیانؓ نے حضرت عباسؓ سے ان کے بارے میں پوچھا تو حضرت عباسؓ نے ان کو بتایا کہ یہ مہاجرین اور انصار ہیں اور ان کے درمیان نبی اکرم ﷺ ہیں۔[3] حضرت ابوسفیانؓ نے یہ سب دیکھ کر حضرت عباسؓ سے کہا:

((مَا لِأَحَدٍ بِهٰؤُلَاءِ قِبَلٌ وَلَا طَاقَةٌ))[4]

ترجمہ: ان سے لڑائی کی بھلا کس میں اتنی طاقت ہے۔

آپ ﷺ کے لشکر کی قوت، حسن تنظیم، ہتھیاروں کی کثرت تعداد کو دیکھ کر حضرت ابوسفیانؓ کے حوصلے پست ہو گئے۔ انہوں نے خود ہی اقرار کر لیا کہ کسی کے اندر اتنی طاقت نہیں ہے کہ اس لشکر سے لڑائی کریں۔ پھر ابوسفیانؓ نے حضرت عباسؓ سے کہا:

((لَقَدْ أَصْبَحَ مُلْكُ ابْنِ أَخِيك الْيوم عَظِيمًا))[5]

ترجمہ: آپ کے بھتیجے کی سلطنت تو بڑی زبردست ہو گئی ہے۔

ان الفاظ میں ابوسفیانؓ نے آپ ﷺ کی سربلندی کا اعتراف کیا اور حضرت عباسؓ سے کہا کہ آپؓ کے بھتیجے کی سلطنت یعنی طاقت اور شوکت بہت بڑھ گئی ہے۔ تو حضرت عباسؓ نے انہیں جواب ان الفاظ میں دیا:

((وَلَكِنَّهَا النُّبُوَّةُ))[6]

ترجمہ: اور بلکہ یہ نبوت ہے۔

حضرت عباسؓ نے حضرت ابوسفیانؓ کو جواب میں نبوت کے بارے میں اس لئے کہا کہ آپ ﷺ کی حکومت کوئی دنیاوی حکومت نہیں ہے۔ بلکہ یہ نبوت کی وجہ سے ہوا ہے اور اس پر نبوت کا اثر ہے۔ حضرت عباسؓ نے ان الفاظ میں ابوسفیانؓ کی بات پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ امام سہیلی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۲) سبز دستہ اس لشکر کو اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس دستے کے تمام لوگ لوہے میں غرق تھے یعنی زرہ اور خود وغیرہ یہ لوگ سامان حرب سے اس قدر مسلح تھے صرف ان کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں (سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۴)

(۳) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/۹

(۴) ایضا

(۵) المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۶۸، ۲/۱۶۹

(۶) ایضا

" أن الكراهية أظهر في تسمية حال النبي صلى الله عليه وسلم ملكا لما جاء في الحديث أن النبي صلى الله عليه وسلم خير بين أن يكون نبيا عبدا، أو نبيا ملكا، فالتفت إلى جبريل، فأشار إليه أن توضع فقال بل نبيا عبدا أشبع يوما، وأجوع يوما وإنكار العباس على أبي سفيان يقوي هذا المعنى "[۱]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ کی حالت کو بادشاہت سے تعبیر پر ناپسندیدگی کو ظاہر کیا کیونکہ حدیث طیبہ میں آیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو اختیار دیا گیا کہ وہ عبد نبی بننا چاہتے ہیں، یا ملک نبی بننا چاہتے ہیں، تو نبی اکرم ﷺ جبرئیلؑ کی طرف متوجہ ہوئے، تو جبرئیلؑ نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کریں۔ عرض کی بلکہ میں عبد نبی بننا پسند کرتا ہوں، ایک دن میں کھانا کھاؤں گا اور ایک دن بھوکا رہوں حضرت عباسؓ نے ابو سفیانؓ کی قول پر جو ناپسندیدگی کا اظہار کیا اسی وجہ سے تھا۔

جب حضرت سعد بن عبادہؓ جھنڈا لئے ہوئے حضرت ابو سفیانؓ کے قریب سے گزرے، تو ابو سفیانؓ کو دیکھ کر انہوں نے بلند آواز سے کہا:

((اليَوْمَ يَوْمُ المَلْحَمَةِ، اليَوْمَ تُسْتَحَلُّ الكَعْبَةُ))[۲]

ترجمہ: آج کا دن جنگ کا دن ہے آج کعبہ (میں کافروں کا کشت وخون) حلال ہو جائے گا۔

ان الفاظ میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے غیر اخلاقی نعرے بلند کیے اور انہوںؓ نے حضرت ابو سفیانؓ کو خون ریز واقعات بپا کرنے کی دھمکی دی کہ آج کا دن جنگ کا دن ہے۔ آج خون ریزی اور قتل وغارت حلال ہو گی۔

حضرت ابو سفیانؓ حضرت سعد بن عبادہؓ کی بات سن کر پریشان ہو گئے کیونکہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی دھمکی میں یہ وضاحت موجود تھی کہ اسلامی لشکر مکہ کو مباح کر دے گا اور مکہ کے لوگوں کو قتل کرے گا۔ اس ڈر کی وجہ سے حضرت ابو سفیانؓ نے نبی اکرم ﷺ کو یہ بات بتائی تو حضرت عثمانؓ اور حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ[۳] نے اس بات پر آپ ﷺ کے سامنے خوف ظاہر کیا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ قریش کے اندر لوٹ مار مچا دیں گے۔ ان کی تشویش پر آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:

---

(۱) الروض الانف، ۷/۲۱۳

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۳) حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ: آپ کا تعلق بنو زہرا سے تھا۔ آپ ان دس آدمیوں میں شامل تھے جنہیں جنت کی خوشخبری دی گئی۔ آپ واقعہ فیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ نے تمام غزوات میں شرکت کی۔ آپ کا انتقال ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ہوا اور اس وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/۳۴۶)

((هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الكَعْبَةُ))(۱)

ترجمہ: آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے گا اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا ۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی دھمکی کی نفی فرمائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آج قتل و غارت نہیں بلکہ آج کعبہ کی عظمت اور رحمت کا دن ہے ۔ آپ ﷺ پرامن طور پر مکہ کو فتح کرنا چاہتے تھے اور فتح مکہ کے دن کسی کی تذلیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے صرف یہ بات نہیں فرمائی بلکہ ان کے خدشات کو دور کرنے کے لئے حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کے منصب سے معزول کر دیا اور آپ ﷺ نے حضرت سعد بن عبادہؓ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے قیس بن سعدؓ (۲) کے ہاتھ میں دے دیا۔(۳) ۔ ابن حجر عسقلانی کعبے کی تعظیم کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"یشیر إلى ما وقع من إظهار الإسلام وأذان بلال على ظهرها وغير ذلك مما أزيل عنها مما كان فيها من الأصنام ومحو ما فيها من الصور وغير ذلك"(۴)

ترجمہ: تو یہ اشارہ ہے طرف اس چیز کے کہ واقع ہوئی ظاہر کرنے اسلام کے سے اور اذان دینے بلال کے سے اس کی پشت پر اور سوائے اس کے اس قسم سے کہ دور کی گئی اس میں سے بتوں سے اور مانند ان کی تصویروں وغیرہ سے۔

حضرت ابو سفیانؓ کی مکہ واپسی

آپ ﷺ نے طے کر لیا تھا کہ مکہ میں اسلامی لشکر بغیر خون ریزی کے داخل ہو گا اور قریش کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ اس لئے مکہ والوں کو نجات کا طریقہ بتانے کے لئے حضرت عباسؓ نے حضرت ابو سفیانؓ کو مکہ بھیجا کیونکہ مکہ والے شدید خوف کی حالت میں تھے کہ اسلامی لشکر ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ حضرت ابو سفیانؓ نے مکہ جا

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ،حدیث نمبر :۴۲۸۰، ۱۴۶/۵

(۲) قیس بن سعدؓ: آپ کی کنیت ابالفضل، بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ اور بعض کے نزدیک ابو عبد الملک تھی۔ آپ کی والدہ کا نام فکیہۃ بنت عبید بن دلیم بن حارثہ تھا۔ آپ فضلائے صحابی میں سے تھے۔ اور عرب کے عقلا اور اہل کرم میں سے تھے۔ ان کی وفات ۶۸ھ اور بعض کے نزدیک ۶۰ھ میں ہوئی(اسد الغابۃ، ۴۱۹/۲)

(۳)الطبقات الکبری، ۱۳۶/۲۔ سیرۃ ابن ہشام، ۲۷/۴

(۴) فتح الباری، ۹/۸

کر لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کے لشکر کے بارے میں اطلاع دی۔ اس کی بیوی ہند بنت عتبہ [1] نے لوگوں کو ابوسفیانؓ کی باتوں پر یقین نہ کرنے کو کہا۔ حضرت ابوسفیانؓ نے قریش کو کہا:

((وَيْلَكُمْ لَا تَغُرَّنَّكُمْ هَذِهِ مِنْ أَنْفُسِكُمْ وَإِنَّهُ قَدْ جَاءَ مَا لَا قِبَلَ لَكُمْ بِهِ مَنْ دَخَلَ دَارِ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ , قَالُوا: قَاتَلَكَ اللهُ وَمَا يُغْنِي غَنَاءَ دَارِكَ قَالَ: وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ))[2]

ترجمہ: اس کے بہکاوے میں آکر دھوکے میں مبتلا نہ ہو، محمد ﷺ لشکر لے کر آگئے ہیں۔ جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ تجھے مارے، تیرے گھر کتنے آدمیوں سما سکتے ہیں؟ ابوسفیانؓ نے کہا جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے۔

ان الفاظ میں حضرت ابوسفیانؓ نے مکہ والوں کو اپنی بیوی کی باتوں پر یقین نہ کرنے کا کہا اور اسلامی لشکر اور آپ ﷺ کے مقرر کردہ امن کے لئے مخصوص کیے گئے مقامات کے بارے میں بتایا۔ آپ ﷺ کے اس طرح کے اقدامات کی وجہ سے مکہ میں قریشیوں کو ہراساں کرنے اور بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح نفسیاتی طور پر ان کے حوصلے کمزور ہو گئے اور مسلمانوں کی ہیبت سے ان کے خلاف کوئی بھی اقدام نہیں کر سکے۔ مکہ والوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور تیزی سے حضرت ابوسفیانؓ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اپنے گھروں، مسجد اور حضرت ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے لی۔

مکہ میں داخلہ

نبی اکرم ﷺ ذی طوی [3] کے مقام پر پہنچے تو آپ ﷺ اپنی سواری پر ٹھہرے رہے اور اس وقت آپ ﷺ کی عجز و انکساری کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کا سر مبارک اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کجاوے کی لکڑی سے لگ رہی تھی۔ بیس رمضان آٹھ ہجری ذی طوی کے مقام پر آپ ﷺ نے لشکر کی تقسیم و ترتیب فرمائی۔ آپ ﷺ نے میمنہ لشکر کا سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کدیٰ [4] کے راستے مکہ میں زیریں حصے سے داخل ہوں اور صفا [5] کے مقام پر آپ ﷺ سے آکر ملیں۔ میسرہ کے قائد حضرت زبیرؓ کو مقرر کیا۔ حضرت زبیرؓ کے ہاتھ

---

(۱) ہند بنت عتبہؓ: آپ کا نسب ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس بن عبد مناف تھا۔ آپ معاویہ بن ابوسفیان کی والدہ تھیں۔ آپ غزوہ احد میں شریک تھیں اور حضرت حمزہ کی شہادت کے بعد ان کا مثلہ کیا۔ آپ مسلمانوں کے بہت خلاف تھیں۔ آپ نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کیا۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کی خلافت میں وفات پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸/۱۵۵)

(۲) شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/۳۱۹

(۳) ذی طوی: مکہ کے ایک علاقے کا نام ہے جو حرم کی حدود میں واقع ہے (الغیبہ، نعمانی، نشر صدوق، تہران، ۱۳۹۷ھ، ص: ۱۸۲)

(۴) کدی: مکہ معظمہ میں کداء کے قریب ایک پہاڑ ہے (معجم ما استعجم، ۱/۳۰۶)

(۵) صفا: ایک پہاڑی کا نام ہے جو مکہ میں خانۂ کعبہ کے پاس واقع ہیں ان صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان حج اور عمرہ کے موقع پر حاجی سات چکر لگائے ہیں اسے سعی کہتے ہیں (اطلس القرآن، شوقی ابو الخلیل، دار الفکر، دمشق، ص: ۸۹)

میں رسول اللہ ﷺ کا پرچم تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ وہ کداء[1] کے راستے بالائی حصے سے مکہ میں داخل ہو کر حجون[2] کے مقام پہ آپ ﷺ کا پرچم گاڑدیں اور رسول اکرم ﷺ کی آمد تک وہیں ٹھہرے رہیں۔ پیادہ اور بے ہتھیار لوگوں کے قائد حضرت ابو عبیدہؓ[3] کو حکم دیا کہ وہ اذاخر[4] کی طرف سے مکہ کی بلندی پر آئیں اور مکہ میں آپ ﷺ کے آگے اتریں۔ رسول اکرم ﷺ اذاخر کی پہاڑی کے راستے آئے۔ ایک لشکر سعد بن عبادہ کے زیر تحت تھا۔ اسے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ مغرب کے راستے مکہ میں داخل ہو۔[5] مکہ میں مختلف راستوں سے داخلے کا مقصد محمد سعید رمضان البوطی اس طرح بیان کرتے ہیں:

" ذلك بغية تفويت فرصة القتال على أهل مكة إن أرادوا ذلك إذ يضطرون إلى تشتيت جماعاتهم وتبديد قواهم في جهات مكة وأطرافها فتضعف لديهم أسباب المقاومة ومغرياتها "[6]

ترجمہ: اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کی جانب سے مزاحمت اور جنگ کی نوبت نہ آئے کیونکہ اس صورت میں اگر وہ جنگ کرنا چاہتے تو مجبوراً انہیں اپنی جماعتوں کو تقسیم کرنا پڑتا اور جنگ جوؤں کو مکہ کی مختلف سمتوں میں بھیجنا پڑتا اس طرح مزاحمت کے اسباب کمزور پڑ جاتے اور وہ اس پر آمادہ نہ ہوتے۔

آپ ﷺ نے اپنے سالاروں کو مکہ میں ہتھیار استعمال کرنے سے منع کیا اور کسی شخص کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا، مگر آپ ﷺ نے کچھ لوگوں کے نام بتائے اور فرمایا یہ جہاں بھی ملے انہیں قتل کر دو۔[7]

---

(۱) کداء: مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ ہے (معجم ما استعجم، ۱/۳۰۶)

(۲) حجون: مکہ مکرمہ کے ایک پہاڑ کا نام ہے (معجم ما استعجم، ۱/۱۲۲)

(۳) حضرت ابو عبیدہؓ: آپ کا نام عامر بن عبد اللہ بن الجراح تھا۔ آپ کی کنیت ابو عبیدہ تھی۔ آپ امت محمد ﷺ کے امین ہے۔ آپ اولین اسلام قبول کرنے والے میں سے تھے۔ آپؓ دوسری ہجرت حبشہ میں شامل تھے پھر وہاں سے واپس تشریف لے آئے اور بدر و احد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔ آپ نے ۱۸ھ کو عمواس کے مقام پر وفات پائی (تہذیب التہذیب، ابن حجر العسقلانی، دارالفکر، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۴ء، ۵/۶۴-۶۳)

(۴) اذاخر: مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک گھاٹی ہے (معجم ما استعجم، ۱/۳۹)

(۵) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۸۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/۱۴۰۷

(۶) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدہ، ۱/۲۷۶

(۷) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۸

بعض مشرکین سے جنگ

اسلامی لشکر آپ ﷺ کے مقرر کردہ راستوں سے مکہ میں داخل ہوئے۔ خالد بن الولیدؓ کی فوج کے سوا تمام لشکر بغیر مزاحمت کے شہر میں داخل ہوئے اور خالد بن الولیدؓ کو خندمہ [1] کے مقام پر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابوجہل، سہیل بن عمرو اور حماس بن قیس نے چند لوگوں کو ساتھ لے کر مقام خندمہ میں جمع کیا اور حضرت خالد بن الولیدؓ کے مقابلے میں آئے۔ حماس بن قیس جب حضرت محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں سے جنگ کے لئے ہتھیاروں کو تیز کر رہا تھا۔ تو اس کی بیوی نے اس سے پوچھا:

" لِمَاذَا تُعِدّ مَا أَرَى ؟" [2]

ترجمہ: کس کے لئے ہتھیاروں کی تیاری کر رہے ہو؟

تو اس نے اپنی بیوی کو جواب دیا:

" لِمُحَمّدِ وَأَصْحَابِهِ" [3]

ترجمہ: محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں کے لئے۔

تو اس کی بیوی نے کہا:

" وَاللهِ مَا أَرَاهُ يَقُومُ لِمُحَمّدِ وَأَصْحَابِهِ شَيْءٌ" [4]

ترجمہ: خدا کی قسم! میں نہیں سمجھتی کہ محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے۔

تو اس نے یہ بند پڑھا:

"إنْ يُقْبِلُوا الْيَوْمَ فَمَا لِي عِلّهْ ... هَذَا سِلَاحٌ كَامِلٌ وَأَلّهْ" [5]

ترجمہ: اگر آج یہ لوگ میرے مقابلے پر آئے گے تو میرے اندر کوئی کمزوری نہیں، پورے ہتھیار موجود ہیں، یہ لمبی سنان والا حربہ ہے۔

حماس بن قیس اور اس کی بیوی کے درمیان یہ باتیں قریش مکہ کی معنوی اور اخلاقی شکست کا ثبوت تھیں۔ اس میں حماس بن قیس اپنی بیوی کے سامنے ڈینگیں مارتا ہے اور اپنی بڑائیاں بیان کرتا ہے۔ تو اس کی بیوی اس کا مذاق اڑاتی ہے۔ کیونکہ حماس بن قیس کی بیوی کو یقین تھا کہ کتنا بھی اسلحہ یہ تیار کر لیں، اسلامی فوج سے یہ لوگ جیت نہیں کر سکتے۔ آخر میں حماس بن قیس بدحواسی کی حالت میں بھاگ کر آگیا تھا۔

---

(۱) خندمہ: مکہ معظمہ کا ایک پہاڑ ہے (معجم ما استعجم، ۱/۱۴۶)

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۴۰۵

(۳) الروض الانف، ۷/۲۲۱

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۸

(۵) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۴۰۵

دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ قریش کو شکست ہوئی اور یہ لوگ بھاگ گئے۔ ان بھاگنے والوں میں حماس بن قیس بھی شامل تھا۔ اس لڑائی میں دو مسلمان [1] شہید ہوئے۔ [2] مشرکین کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔ [3]

رسول اکرم ﷺ کا جنگ کو ناپسند کرنا

آپ ﷺ مکہ میں داخل ہونے کے لئے جب اذاخر گھاٹی کے راستے چڑھے۔ وہاں سے آپ ﷺ نے تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے اس کے بارے میں دریافت فرمایا:

((مَا هَذَا وَقَدْ نَهَيْتُ عَنِ الْقِتَالِ))[4]

ترجمہ: یہ چمک کیسی ہے کیا میں نے قتل سے منع نہیں کیا تھا؟

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو قتل وغارت سے منع کیا ہوا تھا۔ اس لئے جب آپ ﷺ نے تلواروں کی چمک دیکھی تو آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ سے اس بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو حضرت خالد بن الولید ؓ اور کفار کی لڑائی کے بارے میں بتایا اور یہ کہ پہلے کفار نے لڑائی شروع کی تھی اس لئے حضرت خالد بن الولید ؓ کی فوج کے پاس لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((قَضَاءُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ خَيْرٌ))[5]

ترجمہ: اللہ تعالی نے جو چاہا وہی بہتر ہے۔

آپ ﷺ نے اس میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالی نے بہتر فیصلہ فرمایا ہے اور اللہ تعالی کی مرضی اسی میں تھی۔ اس معمولی لڑائی کی وجہ سے مکہ کی فتح کے بارے میں مورخین میں دو آراء [6] قائم ہو گئیں ہیں۔ بعض کے مطابق مکہ بزور شمشیر فتح ہوا اور بعض کے مطابق صلح و امن کے ساتھ فتح ہوا۔

---

(۱) حضرت کرز بن جابر فہری ؓ، خنیس بن خالد بن ربیعہ ؓ (صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ،حدیث نمبر :۴۲۸۰،۵/۱۴۶)

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ،حدیث نمبر :۴۲۸۰،۵/۱۴۶

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۹

(۴) السنن الکبری وفی ذیلہ الجوہر النقی، کتاب السیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر:۱۸۷۴۴، ۹/۱۲۰

(۵) ایضا

(۶) جمہور کے نزدیک طاقت سے فتح ہوا، امام شافعی کے نزدیک صلح سے فتح ہوا۔ آپ ﷺ اور ابوسفیان کے درمیان طے ہوا تھا کہ صلح سے فتح ہو گا لیکن قریشیوں نے حضرت خالد کے فوج سے لڑائی کی۔ اس طرح تو طاقت سے فتح ہوا اور آپ ﷺ نے مکہ والوں کو معاف کر دیا۔

مکہ کی فتح

بیس رمضان آٹھ ہجری کو آپ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا۔ حضرت زبیرؓ نے آپ ﷺ کا پرچم اٹھایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے حجون کے مقام پر اسلام کا پرچم نصب کرنے کا حکم فرمایا۔[1]

مسجد حرام میں رسول اکرم ﷺ کا داخلہ

آپ ﷺ سورۂ فتح کی تلاوت کرتے ہوئے مہاجرین و انصار کے ساتھ مسجد حرام کے اندر داخل ہوئے۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس وقت بیت اللہ کے ارد گرد اور چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ ایک لکڑی سے جو آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھی انہیں ٹھوکر مارتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ اس آیت قرآنی کی تلاوت فرماتے رہے[2]:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾[3]

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔

اس آیت قرآنی میں حق یعنی اسلام کا غلبہ اور باطل کے مٹنے کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ کہ باطل مٹنے کے لئے ہی تھا۔ جب آپ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو بتوں کو توڑتے وقت اس آیت قرآنی کی تلاوت فرما رہے تھے۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ:

" قدجاءهم من الله الحق الذي لا مرية فيه ولا قبل لهم به، وهو ما بعثه الله به من القرآن والإيمان والعلم النافع. وزَهَقَ باطلهم، أي اضمحل وهلك، فإن الباطل لا ثبات له مع الحق ولا بقاء"[4]

ترجمہ: کہ اللہ کی جانب سے حق آگیا سچائی اتر آئی، جس میں کوئی شک شبہ نہیں، قرآن ایمان نفع دینے والا سچا علم منجانب اللہ آگیا، کفر برباد و غارت اور بے نام و نشان ہو گیا، وہ حق کے مقابلے میں بے دست و پا ثابت ہوا، حق نے باطل کا دماغ پاش پاش کر دیا اور نابود اور بے وجود ہو گیا۔

آپ ﷺ لکڑی سے بتوں کو ٹھوکر مارتے تو اس ضرب سے بت اپنے چہروں اور پہلو کے بل گرتے گئے۔ آپ ﷺ نے اونٹنی پر بیٹھ کر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ آپ ﷺ حالت احرام میں نہ تھے اس لئے صرف طواف کیا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ازالۃ الاصنام من حول الکعبہ، حدیث نمبر: ۸۷، ۳/۱۴۰۸

(۳) سورۃ الاسراء: ۱۷/ ۸۱

(۴) تفسیر القرآن العظیم، ۵/ ۱۱۲

طواف سے فارغ ہونے کے بعد عثمان بن طلحہؓ [1] کو بلا کر ان سے کعبہ کی کنجی لی اور اسے کھولنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ اندر داخل ہوئے تو اندر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں تھیں اور ان کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:

((قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، لَقَدْ عَلِمُوا: مَا اسْتَقْسَمَا بِهَا قَطُّ))[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ان کافروں کو مار ڈالے، ان کافروں کو خوب معلوم ہے کہ ان دونوں پیغمبروںؑ نے کبھی پانسے نہیں پھینکے۔

خانہ کعبہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی تصویریں تھیں اور ان کے ہاتھوں میں پانسہ کے تیر تھے ۔ آپ ﷺ نے انہیں دیکھ کر یہ الفاظ ادا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کو ہلاک کرے کیونکہ کفار اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان دونوں پیغمبروںؑ نے کبھی ان تیروں سے قسمت کا حال معلوم نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے کعبہ کے اندر رکھی کبوتری کو اپنے ہاتھ سے توڑا اور تمام تصویروں کو آپ ﷺ کے حکم سے مٹا دیا گیا ۔[3] امام بخاری کے مطابق آپ ﷺ کے حکم کے مطابق خانہ کعبہ سے تمام تصویروں کو مٹا دیا۔[4] علامہ ازرقی کے مطابق خانہ کعبہ میں موجود تمام تصویروں کو مٹا دیا گیا سوائے حضرت مریمؑ کی تصویر کے۔[5]

خانہ کعبہ میں رسول اکرم ﷺ کی نماز

آپ ﷺ بتوں کو توڑنے، تصاویر اور بت پرستی کے تمام نشانات کو مٹانے کے بعد خانہ کعبہ کے اندر داخل ہوئے ۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت بلالؓ اور حضرت عثمان بن طلحہؓ بھی اندر گئے اور پھر دروازہ بند کر لیا۔ پھر اس کے مقابلے کی دیوار سامنے کی اور اس سے تین ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ کے بائیں جانب دو ستون، ایک ستون دائیں جانب اور پیچھے تین ستون کیے اور نماز پڑھی۔[6] آپ ﷺ

(۱) عثمان بن طلحہؓ: آپ کا نسب عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ (عبد اللہ) بن عبد العزی بن عثمان بن عبد الدار العبدری تھا۔ آپ کی والدہ کا نام ام سعید بنت الاوس تھا۔ آپ نے حدیبیہ کی صلح کے عرصہ میں اسلام قبول کیا۔ آپ ۴۲ھ میں فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/۴۵۰)

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ،حدیث نمبر :۴۲۸۸، ۵/۱۴۸

(۳) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۴۰۵

(۴) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء ، باب واتخذ اللہ ،حدیث نمبر :۳۳۵۲، ۴/۱۳۹

(۵) اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار، ۱/۲۰۵

(۶) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحجاج، حدیث نمبر: ۳۸۸ ، ۲/۹۶۶

نے بیت اللہ میں گھوم کر اس کے اطراف میں اللہ کی تکبیر و توحید کے کلمات کہے۔ پھر آپ ﷺ نے دروازہ کھول دیا۔[1]

خطبہ فتح

آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں نماز ادا کرنے کے بعد خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا تو مسجد کا صحن لوگوں سے بھرا ہوا تھا ۔ آپ ﷺ نے دروازے کے دونوں بازو پکڑ کر ایک بلیغ خطبہ دیا اور اس میں چند بنیادی اصولوں کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا إِلَهَ إِلّا اللّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدّعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيّ هَاتَيْنِ إلّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجّ أَلَا وَقَتِيلُ الْخَطَأِ شِبْهِ الْعَمْدِ بِالسّوْطِ وَالْعَصَا ، فَفِيهِ الدّيَةُ مُغَلّظَةً مِئَةٌ مِنْ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا . يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ، إنّ اللّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيّةِ وَتَعَظّمَهَا بِالْآبَاءِ النّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"[2]

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دی۔ خبر دار! ہر قسم کا فخر، مالی اور نسبی امتیاز جن کے دعوے کیے جاتے ہیں، آج میرے پاؤں تلے ہیں سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے۔ خبر دار! اگر کسی کو کوڑے یا لاٹھی کے ساتھ غلطی سے مار دیا جائے تو قاتل پر سخت دیت لاگو ہو گی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ بھی ہوں گی۔ اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تمھارا جاہلی تکبر اور آبائی فخر ختم کر دیا۔ سب لوگ آدم ؑ کی اولاد ہیں اور سیدنا آدم ؑ مٹی سے بنے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾[3]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔

---

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد ، ۳/۴۰۷

(۲) الروض الانف، ۷/ ۲۳۲

(۳) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

حضرت محمد ﷺ نے اس خطبے میں بہت سے شرعی احکام، اخلاقی نصیحتیں، امور جاہلیت کا خاتمہ اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کی زندگی میں فرق کو بیان کیا۔ آپ ﷺ نے سود اور خون کا انتقام لینا حرام قرار دیا اور تمام جاہلی اعزازات کو ختم کر دیا سوائے خانہ کعبہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کے۔ آپ ﷺ نے غلطی سے قتل ہونے والے شخص (قتل خطا) کی دیت مقرر کی جو سو اونٹنیوں پر مشتمل ہو گی جن میں سے چالیس اونٹنیوں حاملہ ہوں۔ مکہ کی حرمت اور تمام انسانوں کی برابری اور حقوق میں مساوات کا حکم دیا۔

عام معافی کا اعلان

آپ ﷺ خطبہ دینے کے بعد قریش مکہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ سب نظریں جھکائے آپ ﷺ کے فیصلے کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ سے یہ سوال کیا:

((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ما تقولون))(۱)

ترجمہ: اے گروہ قریش! تم لوگ کیا کہتے ہو۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں قریش مکہ سے سوال کیا کہ ان کا کیا خیال ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا:

((بن أخ وابن عم رحيم كريم))(۲)

ترجمہ: بھائی اور رحیم کریم چچا کے صاحبزادے ہیں۔

قریش مکہ آپ ﷺ کے اچھے اخلاق کے قائل تھے تو انہوں نے آپ ﷺ کو یہ جواب دیا کہ ہم آپ ﷺ کے بارے میں نیک رائے رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کریم بھائی ہیں اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۳)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں مکہ والوں کو اس دن غیر مشروط طور پر آزادی کی خوشخبری سنائی۔ آپ ﷺ نے سب لوگوں کو معاف کر دیا سوائے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے۔ ان کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا یہ جہاں بھی ملے انہیں قتل کر لو خواہ وہ پردہ کعبہ سے کیوں نہ لٹکے ہوں۔ (۴)

---

(۱) السنن الکبری، ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی (۲۱۵ھ - ۳۰۳ھ) (محقق: دکتور عبد الغفار سلیمان البنداری اور سید کسروی حسن)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱ء، حدیث نمبر: ۱۱۲۹۸، ۶/ ۳۸۳

(۲) ایضا

(۳) ایضا

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۲

مردوں میں سے عکرمہ بن ابی جہل ؓ(۱)، ہبار بن اسود ؓ(۲)، عبد اللہ بن سعد بن سرح ؓ(۳)، مقیس بن صبابہ اللیثی، حویرث بن نقید، عبد اللہ بن ہلال بن خطل ادرمی، وحشی بن حرب ؓ(۴)، کعب بن زہیر ؓ(۵)، حارث بن طلاطل، عبد اللہ بن زبعری ؓ(۶)، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی شامل تھے۔ عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ ؓ، سارہ، فرتنا(۷) اور قریبہ(۸) شامل تھیں۔ ان میں سے عبد اللہ بن خطل کو سعید بن حریث مخزومی ؓ(۹) اور ابوبرزہ اسلمی ؓ(۱۰) نے مل کر

---

(۱) عکرمہ بن ابی جہل ؓ: آپ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ اپنے باپ کی طرح رسول اکرم ﷺ کے سخت مخالف تھے۔ آپ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے، پھر آپ مدینہ چلے گئے اور مرتدوں سے جاری جنگ میں شریک ہوئے۔ انہیں رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات کے سال ہوازن کی زکوۃ وصولی کے لئے مقرر کیا تھا اور اجنادین میں شہید ہوئے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۵۳۸/۴)

(۲) ہبار بن اسود ؓ: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ کی والدہ کا نام فاختہ تھا۔ حضرت زینب ؓ جب مدینہ کی طرف جارہی تھیں تو ہبار نے حضرت زینب ؓ کی اونٹنی کو دو چار ڈنڈے مارے کہ حضرت زینب ؓ زمین پر گر گئی۔ تو اس وجہ سے رسول اکرم ﷺ نے اس کے قتل کا حکم دیا ہوا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو اس نے اسلام قبول کر کے تعزیر سے جان بچالی (اسد الغابہ، ۸۵/۳)

(۳) عبد اللہ بن سعد بن سرح: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ کی کنیت ابو یحیی تھی۔ آپ حضرت عثمان ؓ کے رضاعی بھائی تھے۔ آپ رسول اکرم ﷺ کے کاتب تھے۔ آپ بعد میں کافروں سے مل گئے تو آپ ﷺ نے انہیں قتل کرنے کا حکم دیا۔ فتح مکہ کے دن حضرت عثمان ؓ نے ان کے لئے پناہ مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں پناہ دے دی۔ آپ نے ۳۶ھ اور بعض کے نزدیک ۵۷ھ میں وفات پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۱۰۹/۴)

(۴) وحشی بن حرب ؓ: آپ بعض کے نزدیک بنو نوفل کے اور بعض کے نزدیک طعیمہ بن عدی کے مولی تھے۔ آپ نے غزوہ احد میں حضرت حمزہ ؓ کو شہید کیا تھا۔ آپ نے اسلام قبول کیا تھا۔ آپ مسیلمہ کے قتل میں شریک تھے۔ آپ جنگ یرموک میں شریک ہوئے پھر حمص میں رہے اور وہیں وفات پاگئے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۶۰۱/۶)

(۵) کعب بن زہیر ؓ: آپ کا نسب کعب بن زہیر بن ربیعہ بن ریاح بن قرط بن الحارث بن مازن بن خلاوۃ بن ثعلبہ بن ثور بن ہذمہ بن لاطم بن عثمان بن عمرو بن ادبن طابخہ المزنی تھا۔ آپ نے کچھ اشعار کہے تھے جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے ان کا خون مباح قرار دیا اور اس کے قتل کا حکم دیا۔ آپ نے مدینہ جاکر اسلام قبول کرلیا۔ انہوں نے قصیدہ پڑھا تو آپ ﷺ نے انہیں چادر عنایت کی (اسد الغابہ، ۴۳۴/۲)

(۶) عبد اللہ بن زبعری ؓ: آپ کا تعلق بنو سہم سے تھا۔ آپ قریش کے بہترین شاعر تھے اور قریش کی طرف سے مقابلہ کرتے اور مسلمانوں کے ہجو کہتے۔ آپ فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے (اسد الغابہ، ۱۰۸/۲)

(۷) فرتنا: یہ مکہ کی مغنیہ لونڈی تھی اور آپ ﷺ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی (سیرت النبی ﷺ، ۳۱۷/۱)

(۸) قریبہ: یہ ابن خطل کی لونڈی تھی۔ یہ مکہ کی ایک مغنیہ تھی اور آپ ﷺ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھی (سیرت النبی ﷺ، ۳۱۷/۱)

(۹) سعید ابن حریث مخزومی ؓ: آپ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کیا۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے۔ بعد میں کوفہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی (اسد الغابہ، ۴۴۷/۱)

(۱۰) ابوبرزہ اسلمی ؓ: آپ کا نام نضلہ بن عبید تھا۔ آپ اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام لائے۔ آپ خیبر، فتح مکہ اور حنین میں شریک ہوئے۔ آپ نے خراسان ۶۴ھ میں وفات پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۶۴/۳)

قتل کیا، مقیس بن صبابہ کو نمیلہ بن عبد اللہ ؓ (۱) نے قتل کیا اور حویرث بن نقید کو حضرت علی ؓ نے قتل کیا۔(۲) عورتوں میں سے قریبہ کو قتل کیا گیا۔(۳) ان میں سے عکرمہ بن ابی جہل، ہبار بن اسود، عبد اللہ بن سعد بن سرح، وحشی بن حرب، کعب بن زہیر، حارث بن طلاطل، عبد اللہ بن زبعری، ہند بنت عتبہ بن ربیعہ، سارہ، فرتنا نے اسلام قبول کر لیا۔ ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی فتح مکہ کے دن بھاگ کر نجران چلا گیا۔ مقیس بن صبابہ اللیثی اور عبد اللہ بن خطل مرتد تھے اور قصاص میں قتل ہوئے۔ حویرث بن نقید اور قریبہ یہ دونوں آپ ﷺ کو برا بھلا کہتے تھے اور سخت اذیت پہنچاتے تھے۔(۴) آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ ؓ کو کعبے کی کنجی واپس کر دی۔ پھر اذان کا وقت ہوا تو آپ ﷺ کے حکم پر حضرت بلال ؓ نے خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔(۵)

ام ہانی کی پناہ

فتح مکہ کے دن ام ہانی ؓ (۶) کے گھر حارث بن ہشام (۷) اور زہیر بن ابی امیہ (۸) بھاگ کر آئے۔ یہ دونوں ان کے خاوند ہبیرہ کے رشتہ دار تھے اور ام ہانی ؓ نے انہیں کوٹھری میں بند کر دیا۔ ام ہانی ؓ آپ ﷺ کے پاس آئی اور آپ

---

(۱) نمیلہ بن عبد اللہ ؓ: آپ کا تعلق بنو لیث سے تھا۔ آپ نے فتح مکہ کے دن مقیس کو قتل کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں خیبر کا امیر بنایا تھا (اسد الغابہ، ۳/۷۸)

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۲

(۳) سنن ابو داؤد، ابو داود سلیمان بن الاشعث السجستانی (المتوفی: ۲۷۵ھ)، (مترجم: ابو عمار عمر فاروق سعیدی)، (محقق: ابو طاہر زبیر علی زئی)، دار السلام، لاہور، ۱۴۲۷ھ، ۳/ ۱۷۶

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۲

(۵) مراسیل ابی داود، ابو داود سلیمان بن الأشعث بن شداد بن عمرو بن عامر الأزدی السجستانی (۲۷۵ھ)، (تحقیق: شعیب الأرناؤوط)، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۴۱۸ء، کتاب ماجاء فی الاذان، باب امر بلالا عام الفتح، حدیث نمبر: ۲۳، ۱/ ۲۸

(۶) ام ہانی ؓ: آپ کا نسب ام ہانی بنت ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم تھا۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی چچازاد تھیں۔ آپ کا نام بعض کے مطابق فاختہ، بعض کے مطابق فاطمہ اور بعض کے مطابق ہند تھا۔ آپ ہبیرہ بن عمرو کی زوجہ تھیں۔ آپ نے فتح مکہ میں اسلام قبول کیا (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۸/۳۱۷)

(۷) حارث بن ہشام: آپ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ کی کنیت ابا عبد الرحمن تھی۔ آپ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا۔ آپ کی وفات سترہ یا اٹھارہ ہجری کو ہوئی (معرفۃ الصحابۃ، ابو نعیم احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق الاصبہانی (تحقیق: عادل بن یوسف)، دار الوطن للنشر، الریاض، طبعۃ الاولی، ۱۴۱۹ھ، ۲/ ۷۶۲)

(۸) زہیر بن ابی امیہ: آپ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ کے بھائی تھے۔ یہ ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے قریش کی بنی ہاشم کے خلاف لکھی تحریر ختم کرنے کی تجویز دی تھی۔ انہوں نے بعد میں اسلام کر لیا تھا (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۲/ ۵۷۲)

ﷺ کو بتایا کہ میرے خاوند کے دو رشتہ دار میرے گھر پناہ لیے ہوئے ہیں اور حضرت علیؓ انہیں قتل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ))(۱)

ترجمہ: اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی میں بھی اس کو پناہ دیتا ہوں ۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ام ہانیؓ کے خاوند کے دو رشتہ داروں کو پناہ دی اور انہیں قتل نہیں کیا گیا۔ عورت کا کسی کو پناہ دینے کے بارے میں سہیلی لکھتے ہیں:

'' هو موقوف على إجازة الإمام ''(۲)

ترجمہ: (عورت اگر کسی کو پناہ دے گی تو) یہ امام کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

آپ ﷺ نے ام ہانیؓ کے گھر چاشت کی آٹھ رکعت نماز پڑھی۔(۳) بعض کے نزدیک یہ فتح اور بعض کے نزدیک یہ چاشت کی نماز تھی۔ (۴)

اہل مکہ کی بیعت

اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مکہ والوں پر حق واضح ہو گیا۔ وہ اس حقیقت کو جان گئے کہ اسلام کے سوا کوئی کامیابی کی راہ نہیں۔ اس لیے وہ اسلام لانے کے لئے آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر بیعت لی۔ حضرت عمرؓ آپ ﷺ سے ایک درجہ نیچے بیٹھے ہوئے تھے وہ لوگوں سے عہد لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس بات پر بیعت لی جہاں تک ممکن ہو سکا آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔ جب آپ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں سے بیعت لی ۔(۵) حضرت عمرؓ عورتوں سے بیعت لے رہے تھے اور آپ ﷺ کی باتیں ان کو بتا رہے تھے۔ اس طرح مکہ کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

حرمت مکہ پر خطبہ

فتح مکہ کے دوسرے دن بنو خزاعہ نے بنی ہذیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ خطبہ دیا ۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب صلوۃ الضحی، حدیث نمبر:۱،۳۳۶، ۴۹۸/۱

(۲) الروض الانف، ۲۰۱/۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث نمبر :۴۲۹۲، ۱۴۹/۵

(۴) الروض الانف، ۲۲۹/۷

(۵) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱۶۱/۲

((إِنْ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، لاَ يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلاَ يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللَّهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ، وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ))(۱)

ترجمہ: مکہ (میں جدال وقتال وغیرہ) کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے آدمیوں سے نہیں حرام کیا، پس جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ مکہ میں خون ریزی کرے اور نہ (یہ جائز ہے کہ) وہاں کوئی درخت کاٹا جائے پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے لڑنے سے (ان چیزوں کا) جواز بیان کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دے دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی ایک گھڑی بھر دن کی وہاں اجازت دی تھی پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی ہوگئی جیسی کل تھی، پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو (یہ خبر) پہنچادے۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے مکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک حرام قرار دیا اور مسلمانوں کو قتل وغارت اور درخت کاٹنے سے منع کیا۔

مکہ میں آپ ﷺ کا قیام

آپ ﷺ نے مکہ میں پندرہ(۲) دس یا انیس(۳) روز قیام کیا۔ مکہ کو فتح کرنے کے بعد اس کا نظم ونسق اور اپنی حکومت کو مستحکم کرنا ضروری تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے مکہ کا نظم ونسق اور انتظام چلانے کے لئے حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ(۴) کو مکہ کا عامل بنایا جو لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نو مسلموں کو مسائل واحکام اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مامور فرمایا۔(۵)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح ،حدیث نمبر :۴۲۹۵، ۵/۱۴۹

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۶۹

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکہ ،حدیث نمبر :۴۲۹۹، ۵/۱۵۰

(۴) عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ: آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی اور بعض نے کہا ابو محمد تھی۔ آپ کی والدہ محترمہ کا نام زینب بنت عمرو بن امیہ عبد شمس تھا۔ آپ نے فتح مکہ کے واقعہ میں اسلام قبول کیا اور حضور اکرم ﷺ نے آپ کو مکہ کا عامل بنا دیا۔ حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بن اسید حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی والی مکہ کے منصب پر برقرار رہے اور جس دن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اسی دن حضرت عتاب رضی اللہ عنہ بھی فوت ہوئے (اسد الغابۃ ۲/۲۳۸)

(۵) الطبقات الکبری، ۲/۱۳۷

فصل سوم

فتح مکہ کے نتائج

فصل سوم

فتح مکہ کے نتائج

نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی بعثت کے بعد قریش مکہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے دشمن ہو گئے اور اسلام کی مخالفت کا کوئی موقع انہوں نے اپنے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہاں تک کہ مسلمان اپنا آبائی وطن مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر گئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے آٹھ سال پہلے رات کی تاریکی میں مکہ سے ہجرت فرمائی تھی اور مکہ سے نکلتے وقت خانہ کعبہ کی طرف دیکھ کر یہ فرماتے ہوئے مدینہ روانہ ہوئے تھے کہ:

((وَاللَّهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللَّهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللَّهِ إِلَى اللَّهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ))(۱)

ترجمہ: اللہ کی قسم (اے مکہ)! تو اللہ کی ساری زمین سے بہتر اور اللہ کے نزدیک پوری زمین سے زیادہ محبوب ہے۔ اگر مجھے تجھ پر سے جانے پر مجبور نہ کیا جاتا تو ہرگز نہ جاتا۔

ان الفاظ میں آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے مکہ کی اہمیت اور مکہ سے اپنی محبت کا اظہار کیا ہے۔ کہ مکہ اللہ تعالیٰ کی تمام زمین میں بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کو مکہ بہت پسند ہے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کو مکہ اتنا پیارا ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ مکہ کو نہیں چھوڑنا چاہتے تھے اور فرماتے ہیں کہ اگر مجھے مکہ چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جاتا تو میں کبھی بھی مکہ کو چھوڑ کر نہ جاتا۔

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ حق پر تھے اور حق کو فتح ضرور حاصل ہوتی ہے تو اس لئے آٹھ برس کے بعد بیس رمضان آٹھ ہجری کو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ ایک فاتح کی حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے قریش مکہ کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کی مثال پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے اپنے تمام دشمنوں کو معاف کر دیا۔ مکہ فتح ہونے سے عرب سے شرک و بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا اور پورے عرب میں اسلام پھیل گیا۔ فتح مکہ کے اہم نتائج مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قریش کی عداوت و مخالفت کا خاتمہ

فتح مکہ کا سب سے واضح جو نتیجہ نکلا وہ یہ کہ قریش کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اکیس سالہ دشمنی جو نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کی رسالت سے شروع ہوئی تھی کا خاتمہ ہو گیا۔ فتح مکہ تک اسلام کی مخالفت کرنے والوں کی بڑی تعداد کا انتقال ہو گیا تھا مثلاً ان کے سردار ابو جہل اور ابو لہب وغیرہ اور باقی میں سے کچھ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو گئے تھے مثلاً خالد

---

(۱) الجامع الکبیر، محمد بن عیسیٰ بن سورۃ بن موسیٰ بن الضحاک الترمذی (۲۷۹ھ) (محقق: بشار عواد معروف) دار الغرب الاسلامی، بیروت ۱۹۹۸ء، کتاب المناقب، باب فی فضل مکہ، حدیث نمبر: ۳۹۲۵، ۲۰۷/۶

بن ولیدؓ ، عمرو بن العاصؓ [1] اور عثمان بن طلحہؓ وغیرہ۔ فتح مکہ کے زمانے تک اسلام کے جو مخالفین رہے گئے تھے وہ اس قابل نہیں تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں اور اسلام کے خلاف انہوں نے جو سازشیں اور کوششیں کیں ان سب میں وہ ناکام ہوئے۔ [2] فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کے عفو و درگزر سے قریش مکہ بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے حقیقت کو تسلیم کر کے عداوت و مخالفت کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح قریش مکہ کی عداوت و مخالفت کا خاتمہ ہو گیا۔

۲۔ دعوت اسلام میں وسعت

فتح مکہ کے واقعہ کے بعد قریش اور عرب کے دیگر قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ قریش مکہ خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی وجہ سے عرب کے لوگوں کے مذہبی رہنما تھے۔ عرب کے قبائل اس لئے اسلام قبول نہیں کر رہے تھے کہ ان کے قریش مکہ کے ساتھ حلیفانہ تعلقات تھے۔ وہ قریش مکہ کے اسلام قبول کرنے کے انتظار میں تھے۔ اس کے بارے میں محمد زاہد اقبال لکھتے ہیں:

> "مکہ چونکہ جزیرہ عرب کا مذہبی اور سیاسی مرکز تھا۔ اس لئے قبائل عرب مستقبل پر نظر رکھے ہوئے تھے کہ اگر رسول اللہ ﷺ مکہ فتح کر لیتے ہیں اور قریش پر غالب آجاتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ سچے نبی ہیں، لہذا ہم بھی اسلام قبول کر لیں گے ۔ اگر مکہ فتح نہیں ہوتا اور یہ مرکزی شہر مشرکین کے قبضے میں رہتا ہے تو پھر قبول اسلام کی ضرورت نہ پڑے گی۔" [3]

اسی طرح محمد سلیمان منصور پوری [4] نے اہل عرب کے اسلام قبول نہ کرنے کے مندرجہ ذیل اسباب ذکر کئے ہیں:

۱۔ بہت سے قبائل اس لئے اسلام قبول نہیں کر رہے تھے کہ ان کے قریش مکہ کے ساتھ معاہدے تھے اگر اسلام قبول کرتے تو ان کے معاہدے ٹوٹ جاتے۔

---

(۱) عمرو بن العاصؓ: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ اور بعض کے نزدیک ابو محمد تھی۔ قریش مکہ نے انہیں اپنا قاصد بنا کر نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔ آپ نے فتح مکہ سے چھ ماہ پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ کی وفات بعض کے نزدیک ۴۳ھ، بعض کے نزدیک ۴۸ھ اور بعض کے نزدیک ۵۱ھ میں ہوئی (اسد الغابۃ، ۳۵۶/۲)

(۲) دعوت نبوی اور مخالفت قریش، ڈاکٹر نثار احمد، (ترتیب و تدوین: سید عزیز الرحمن)، ادارہ نقش تحریر، کراچی، مئی ۲۰۱۳ء، ص: ۳۶۶

(۳) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص: ۴۴۴

(۴) محمد سلیمان منصور پوری: آپ ۱۸۶۷ء کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ آپ سیرت نگار اور مورخ تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف رحمۃ للعالمین ہے۔ آپ کی وفات ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو ہوئی (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۴۳۶/۱۹)

ب۔ کچھ قبائل معاشی طور پر کمزور تھے اور قریش مکہ کے مقروض تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نے اسلام قبول کیا تو قریش مکہ ہم پر ظلم کریں گے۔

ت۔ کچھ قبائل کا خیال تھا کہ مکہ میں اس شخص کو حکومت حاصل ہو گی جسے خدا کی مدد ہو گی۔ حضرت عمرو بن سلمہ ؓ [1] سے روایت بیان ہوئی ہے:

((وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمْ الْفَتْحَ فَيَقُولُونَ اتْرُكُوهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ أَهْلِ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِي قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ)) [2]

ترجمہ: اور سارے عرب والے فتح مکہ پر اپنے اسلام کو موقوف کیے ہوئے تھے ان کا کہنا تھا اس نبی کو اور ان کی قوم (قریش) کو نمٹنے دو اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو واقعی وہ سچے نبی ہیں۔ چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں پہل کی۔ میرے والد نے میرے قوم کے اسلام لانے میں جلدی کی۔

ث۔ مختلف قبائل میں ایسے بوڑھے موجود تھے جنہوں نے دیکھا تھا کہ جب ابرہہ [3] کے لشکر نے مکہ پر حملہ کیا اور کیسے اسکی فوج تباہ و برباد ہوئی۔ [4]

اس طرح جب ان کی اسلام قبول نہ کرنے کی وجوہات ختم ہو گئی۔ تو انہوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے کوئی خطرہ اور مشکل نہ رہی۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے مختلف قبیلوں کی طرف داعی بھیجے اور ان کی تبلیغ سے بہت سے عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ آس پاس کے عرب قبائل وفود کی شکل میں آتے، اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرتے اور پھر اسلام قبول کر لیتے۔ فتح مکہ کے بعد کثرت سے مختلف قبیلوں کے وفود آئے تو اسی وجہ سے فتح مکہ سے اگلے سال نو ہجری کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔ فتح مکہ کے بعد جو وفود نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا، ان میں وفد ہمدان، وفد نجران، وفد بنی فزارہ، وفد دارم، وفد

---

(۱) حضرت عمرو بن سلمہ ؓ: آپ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ آپ کی کنیت ابو یزید تھی۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے دور میں اپنی قوم کی امامت کراتے تھے کیونکہ قرآن آپ کو سب سے زیادہ یاد تھا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ یا سات سال تھی (اسد الغابۃ، ۲/۳۵۲)

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ فتح مکہ، حدیث نمبر: ۴۳۰۲، ۱۰/۳۶۶

(۳) ابرہہ: ابرہہ حبشہ کا بادشاہ تھا اور اس نے یمن فتح کیا۔ اس سے صنعاء میں کلیسا بنایا۔ وہ خانہ کعبہ کو گرا کر کے صنعا کے گرجے کو مرکزی عبادت گاہ کا درجہ دینا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے مکہ پر حملہ کیا۔ اللہ تعالی نے مکے والوں کی مدد کے لیے ابابیلیں بھیجیں جن کے پنجوں میں کنکریاں تھیں۔ یہ کنکری جس شخص کو لگ جاتی، اس کا بدن پھٹ جاتا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتا۔ اس طرح ابراہہ کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا (سیرۃ ابن ہشام، ۱/۸۱۔۹۲)

(۴) رحمتہ للعالمین، محمد سلیمان منصور پوری، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱/۱۴۱

بنی سعد، وفد تجیب، وفد بنی عامر، وفد بنی کلاب، وفد بنی عبد القیس، وفد بنی ذی مرہ، وفد بنی البکاء، وفد بنی کنانہ، وفد طے، وفد بنو تمیم، وفد صُدا، وفد بنی اسد، وفد بلّی، وفد عذرہ وغیرہ شامل تھے۔(۱)

۳۔بت پرستی کا خاتمہ

عرب کے لوگ دین ابراہیمی کو چھوڑ کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔مکہ میں عمرو بن لحی(۲) نے بت پرستی کی ابتدا کی تھی۔ آپ ﷺ نے بت پرستی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ان کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔مکہ کی فتح کے دن نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے مسجد حرام میں گئے اس وقت بیت اللہ کے ارد گرد اور چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے بتوں کو ٹھوکر مارتے(۳) اور ساتھ ساتھ اس آیت قرآنی کی تلاوت فرماتے رہے:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾(۴)

ترجمہ: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جارہا ہے اور یہ کہ باطل کو ثبات نہیں۔

خانہ کعبہ میں جو بت بلندی پر تھے اور آپ ﷺ کا ہاتھ مبارک ان تک نہیں پہنچ سکتا تھا تو انہیں توڑنے کے لئے آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی دوش مبارک پر کھڑا کیا اور انہوں نے بتوں کو توڑ دیا۔(۵) مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مکہ کے ارد گرد جو بت پرستی کے چند مراکز تھے ان کا خاتمہ کیا۔لات، مناۃ، سواع، عزی یہ چند بڑے بڑے بت تھے۔بت پرستی کے مراکز کے بارے میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ:

---

(۱) الطبقات الکبری، ۱/ ۲۹۱

(۲) عمرو بن لحی: یہ بنو خزاعہ کا سردار تھا۔ان کی نشو ونما بڑی نیکوری، صدقات وخیرات اور دینی امور پر گہری دلچسپی پر ہوئی تھی۔اس لئے لوگ اکابر علماء اور افضل الاولیاء سمجھ کر اس کی پیروی کرتے تھے۔ آپ نے ملک شام کے سفر کے دوران لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے پایا۔چونکہ یہ انبیاء کرامؑ کی سرزمین تھی لہذا عمرو نے یہ عمل برحق جانا۔وہ اپنے ساتھ ہبل بت لے آیا اور اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا۔چونکہ عمرو بن لحی کو دینی پیشوا مانا جاتا تھا لہذا اہل مکہ اور پھر بقیہ عرب باشندگان نے بت پرستی اختیار کر لی (الرحیق المختوم، ص:۳۵)

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ازالۃ الاصنام من حول الکعبہ، حدیث نمبر:۸۷، ۳/ ۱۴۰۸

(۴) سورۃ الاسراء:۱۷/ ۸۱

(۵) المصنف لابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی ابن ابی شیبہ، (محقق: اسامہ بن ابراہیم بن محمد)، طبعۃ الاولی، قاہرہ، سنہ ۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء، ۱۳/ ۴۳

”مکہ کے اطراف میں اور بہت سے بڑے بڑے بت تھے جن کے لئے حج کی رسمیں ادا کی جاتی تھیں ان میں سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزیٰ تھے۔ عزی قریش کا اور لات اہل طائف کا معبود تھا۔ مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ [۱] ایک مقام ہے۔ عزی یہیں منصوب تھا۔ بنو شیبان [۲] اس کے متولی تھے اہل عرب کا اعتقاد تھا، کہ خدا جاڑوں میں لات کے ہاں اور گرمیوں میں عزیٰ کے ہاں بسر کرتا ہے۔ عزی کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے جو کعبہ میں بجالاتے تھے، اس کا طواف کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے“ [۳]

آگے وہ بیان کرتے ہیں:

”مناۃ کا تخت گاہ مشلل [۴] تھا جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے وہ ایک بن گھڑا پتھر تھا۔ ازد، غسان، اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے۔ عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کیے تھے یہ ان سب میں بالاتر تھا۔ اوس اور خزرج جب کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے۔ قبیلہ ہذیل کا بت سواع تھا جو ینبع کے اطراف رباط میں تھا۔ یہ ایک پتھر تھا۔ اس کے متولی بنو لحیان تھے“۔ [۵]

آپ ﷺ نے بت پرستی کے ان بڑے مراکز کے خاتمے کے لئے صحابہ کرام ؓ کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ کر بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے پچیس رمضان آٹھ ہجری کو حضرت خالد بن ولید ؓ کو ایک دستے کے ساتھ عزی کے بت خانے کو توڑنے کے لئے نخلہ کی طرف روانہ کیا۔ [۶] حضرت عمرو بن العاص ؓ کو ہذیل کے بت خانے کو توڑنے کے لئے بھیجا گیا۔ [۷]

---

(۱) نخلہ: مکہ معظمہ سے ایک رات کی منزل کے فاصلہ پر نخلہ واقع ہے۔ اسی مقام پر حدیث لیلۃ الجن وارد ہوئی (معجم ما استعجم، ۱/ ۳۵۳)

(۲) بنو شیبان: اس قبیلے کا تعلق حجاز سے تھا اور یہ عراق میں رہتے تھے۔ اس قبیلے کو شیبان بن ثعلبہ سے منسوب کیا جاتا ہے (معجم البلدان ۳/۷۱)

(۳) سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۳۲۰

(۴) مشلل: ایک پہاڑ ہے جو قدید کے پاس ہے (معجم البلدان، ۴/ ۱۱۱)

(۵) سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۳۲۰

(۶) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۴۵

(۷) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۶۳

آپ ﷺ نے حضرت سعد بن زید الاشہلی ؓ (۱) کو بیس سواروں کے ساتھ مناۃ کے بت خانے کو تباہ کرنے کے لئے مشلل روانہ کیا۔ (۲) اس طرح نا صرف مکہ بلکہ اس کے اطراف سے بھی بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔

۴۔ حضرت محمد ﷺ سب سے بہترین فاتح

آپ ﷺ سب سے بہترین فاتح تھے۔ اگر ہم تاریخ میں دیکھیں تو جو بھی فاتح بنا اس نے مفتوح قوم کو قتل کر کے ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا اور ان کے مال کو لوٹ لیا لیکن نبی اکرم ﷺ ایک عظیم فاتح تھے۔ آپ ﷺ مکہ میں فاتحانہ طور پر داخل ہوتے ہیں اور آپ ﷺ کی عجز وانکساری کا یہ حال تھا کہ آپ ﷺ کی زبان اللہ کی تعریف کے الفاظ جاری تھے اور آپ ﷺ کے چہرے سے اللہ کے شکر کے آثار نمایاں تھے اور گردن اتنی جھکی ہوئی تھی کہ آپ ﷺ کی ریش مبارک اونٹ کے کجاوے سے لگ رہی تھی۔ (۳) آپ ﷺ نے اپنے سالاروں کو حکم دیا کہ جب وہ مکہ میں مختلف راستوں سے داخل ہوں تو درجہ ذیل احکامات پر عمل کریں:

> "ان لوگوں کو قتل نہیں کیا جائے جو ہتھیار پھینک دیں، جو خانہ کعبہ کے اندر داخل ہو جائیں، جو اپنے گھر میں رہیں، جو ابوسفیان ؓ اور حکیم بن حزام ؓ کے گھر میں داخل ہو جائیں"۔ (۴)

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے دشمن سر جھکائے کھڑے تھے جنہوں نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں تھیں۔ جنہوں نے آپ ﷺ کو برے القاب دیئے، آپ ﷺ پر نجاستیں پھینکیں اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ ان کی مخالفت کی وجہ سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو اپنا وطن چھوڑنا پڑا لیکن ان لوگوں نے مسلمانوں کو مدینہ میں بھی امن وسکون کی زندگی بسر نہیں کرنے دی۔ فتح مکہ کے دن ان سب کا انجام آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ آپ ﷺ چاہتے تو ان سے انتقام لے سکتے تھے لیکن آپ ﷺ کو انتقام سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس لئے آپ نے سب کو معاف کر دیا سوائے چند لوگوں کے جن کو ان کے اپنے اعمال کی وجہ سے قتل کی سزا ملی۔ (۵)

---

(۱) سعد بن زید الاشہلی ؓ: آپ تعلق انصار سے تھا۔ آپ بیعت عقبہ اور بدر میں شریک ہوئے۔ آپ نے مشلل میں بنا مینار ڈھایا تھا۔ آپ ﷺ نے انہی کے ہاتھوں بنی قریظہ کے قیدی بھیجے تھے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/۶۱)

(۲) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/۱۶۴

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۵

(۴) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۳، ۸/۶

(۵) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۳۲

آپ ﷺ کا فتح مکہ میں جو بے مثال طرز عمل تھا کہ اتنی عظیم الشان فتح کے دن نہ تو اپنے دشمنوں سے کوئی انتقام لیا گیا اور نہ ہی کوئی گھر لوٹا گیا۔ کیونکہ فتح کے موقع پر خون بہانا اور لوٹ مار کرنا ایک معمولی بات ہوتی ہے لیکن آپ ﷺ نے بغیر قتل وغارت اور لوٹ مار کے اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا۔

۵۔ عرب کے مذہبی، سیاسی اور اقتصادی مرکز پر قبضہ

مکہ صدیوں سے عرب کا مذہبی، سیاسی اور اقتصادی مرکز چلا آرہا تھا۔ قریش کو عرب میں جو اہمیت حاصل تھی وہ مکہ ہی کی وجہ سے تھی۔ مکہ اہل عرب کا دل اور قوت کا مرکز تھا اور اس کو فتح کرنا مسلمانوں کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ مکہ کی بے تحاشا اہمیت کی وجہ سے عرب میں قریش سب سے بڑی مذہبی اور سیاسی طاقت سمجھے جاتے تھے۔ مکہ کو فتح کرنے کی وجہ سے اسلام ناقابل تسخیر مذہبی، سیاسی اور اقتصادی طاقت بن گیا۔

۶۔ خانہ کعبہ کی عظمت کی بحالی

مکہ کو فتح کرنے سے آپ ﷺ نے کعبہ کی عظمت کو بحال کیا۔ خانہ کعبہ اللہ تعالی کی عبادت کے لئے پہلے حضرت آدمؑ نے تعمیر کیا پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے تعمیر کیا۔ لیکن قریش مکہ نے اسے بتوں کا مرکز بنا دیا تھا۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ میں رکھے بتوں کو توڑ دیا اور اللہ تعالی کے مقدس گھر کو بتوں سے پاک کر کے توحید الہی کا مرکز بنا دیا۔ خانہ کعبہ میں نعرہ تکبیر اور اذان بلالی کی آوازیں گونجنے لگی۔ ابن قیم جوزیہ اس عظیم الشان فتح کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الذى أعزَّ اللهُ به دينَه، ورسولَه، وجنده، وحزبه الأمين، واستنقذ به بلده وبيتَه الذى جعله هُدىً للعالمين مِن أيدى الكفار والمشركين"(۱)

ترجمہ: اس کے ذریعے اللہ تعالی نے اپنے دین، رسول ﷺ، لشکر اور اپنی جماعت کو غالب کیا، اس کے ساتھ کفار اور مشرکین کے قبضے سے اپنے شہر اور گھر جسے اس سے عالمین کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے، آزاد کروایا۔

گویا کہ مکہ کو فتح کرنے کی وجہ سے کعبہ کی عظمت کو بحال کیا گیا۔

۷۔ جاہلی قیادت کا خاتمہ

فتح مکہ ایک ایسا عظیم الشان واقعہ ہے جس کے ذریعے حق کے خلاف استعمال ہونے والی جاہلی قیادت کا خاتمہ ہو گیا۔ مکہ عرب کی جاہلی قیادت کا مرکز تھا اور عرب کے لوگوں کی وابستگیاں اس کے ساتھ تھی۔ اسلام کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ اس رکاوٹ کو جب تک ختم نہ کیا جاتا لوگ قریش مکہ کا ساتھ دیتے رہتے۔ مکہ کو فتح کرنے

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۳۹۴

سے اس رکاوٹ کا خاتمہ ہو گیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو لوگ حیران ہو گئے کہ مسلمانوں نے کس طرح عربوں کے روحانی قلعے کو فتح کر لیا۔

۸۔ انسانیت کا احترام

فتح مکہ کے واقعہ میں آپ ﷺ نے انسانیت کے احترام کی مثال قائم کی۔ آپ ﷺ نے اس مہم میں کسی کو ذلیل نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد انسانی عظمت کا تحفظ تھا۔ آپ ﷺ خون ریزی اور انتقام لینا نہیں چاہتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ نہایت رازداری کے ساتھ مکہ تک پہنچ گئے تا کہ قریش مکہ کو لڑائی کا موقع نہ ملے اور انسانی خون نہ بہے۔ انسانیت کا احترام اور انسانوں کی خون ریزی اور قتل و غارت سے نفرت کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ جب حضرت سعد بن عبادہؓ نے ابو سفیانؓ کو قتل و غارت کی دھمکی دی تو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن کو کعبہ کی عظمت و بزرگی کا دن قرار دیا اور قریش مکہ کے قتل و غارت سے روکا۔ (۱)

آپ ﷺ نے اتنی عظیم الشان فتح کے دن بھی انسانیت کے احترام کا خاص خیال رکھا۔ آپ ﷺ چاہتے تو اپنے اور صحابہ کرامؓ کے دشمنوں سے بدلہ لے سکتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے انسانیت کے قتل و غارت کو پسند نہیں کیا اور انسانیت کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھا۔

۹۔ جاہلی فخر و غرور کا خاتمہ اور مساوات انسانی کا اعلان

مکہ کو فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے جاہلیت کے فخر و غرور کا خاتمہ کر دیا اور مساوات انسانیت کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن بلیغ خطبہ دیا، اس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللَّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللَّهِ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ))(۲)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا فخر اور اپنے آباء واجداد کی وجہ تکبر کرنا دور کر دیا ہے۔ اب لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے نزدیک متقی اور کریم ہے۔ دوسرا وہ جو اللہ کے نزدیک بدکار بدبخت اور ذلیل ہے۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے جاہلی نسل اور نسب کے فخر و غرور کو مٹا کر انسانی مساوات کا درس دیا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے ناتے سے سب انسان برابر ہیں۔ عربی و عجمی، امیر و غریب اور حاکم و محکوم میں کوئی فرق نہیں

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۲) الجامع الکبیر، کتاب تفسیر القرآن، باب و من سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۳۲۷۰، ۵/ ۲۴۲

اور یہ سب برابر ہیں۔خدا کے ہاں اونچ نیچ کا پیمانہ صرف تقوی ہے۔اسلام میں مساوات انسانی کو بے انتہا اہمیت حاصل ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيّهَا النّاسُ إِنّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾[1]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی تمام انسانوں سے خطاب کر کے قوموں اور قبیلوں کے تعلق سے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ سب آدمؑ اور حواؑ کی اولاد ہیں۔ جب سب کی اصل ایک ہے تو نہ قومی اور قبائلی فخر کے لیے کوئی گنجائش ہے اور نہ امتیازات کے لیے جو رنگ و نسل اور ملک و وطن کی بنا پر قائم کئے جاتے ہیں اور جن سے باہم منافرت پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں کہ ہم نے تو تمہارے قبیلے اور قومیں اس لئے بنائے تھے کہ تم ایک دوسرے سے الگ الگ پہچانے جاسکو۔ انسانوں کے درمیان فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ آخر میں بیان ہوتا ہے کہ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز سے اچھی طرح باخبر ہے۔ اس آیت قرآنی کے بارے میں ابن کثیر اپنی کتاب تفسیر القرآن العظیم میں بیان کرتے ہیں کہ:

"فجميع الناس في الشرف بالنسبة الطينية إلى آدم وحواء سواء، وإنما يتفاضلون بالأمور الدينية، وهي طاعة الله ومتابعة رسوله صلى الله عليه وسلم؛ ولهذا قال تعالى بعد النهي عن الغيبة واحتقار بعض الناس بعضًا، منبها على تساويهم في البشرية"[2]

ترجمہ: پس حضرت آدمؑ اور حواؑ جو مٹی سے پیدا ہوئے تھے ان کی طرف سے نسبت میں تو کل جہان کے آدمی ہم مرتبہ ہیں اب جو کچھ فضیلت جس کسی کو حاصل ہو گی وہ امر دینی اطاعت اللہ اور اتباع نبوی کی وجہ سے ہو گی یہی راز ہے جو اس آیت کو غیبت کی ممانعت اور ایک دوسرے کی توہین و تذلیل سے روکنے کے بعد وارد کی کہ سب لوگ اپنی پیدائشی نسبت کے لحاظ سے بالکل یکساں ہیں۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ نے تمام انسانی برادری کو خبردار کیا ہے کہ ان کا رب اور باپ (آدمؑ) ایک ہے اور کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اگر انسانوں کے درمیان کسی کو کسی پر برتری حاصل ہے تو وہ صرف تقوی کی بنیاد ہے۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی بنیاد پر فضیلت اور برتری کو ختم فرمادیا۔

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۲) تفسیر القرآن العظیم، ۷/ ۳۸۵

اس طرح اسلام نے ذات پات، نسل، رنگ، جنس، زبان، حسب ونسب اور مال ودولت پر مبنی امتیازات کو ختم کر دیا اور تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام انسانوں کو ایک دوسرے کے برابر قرار دیا۔

۱۰۔ حضرت محمد ﷺ کی بہترین دفاعی حکمت عملی

حضرت محمد ﷺ کی بہترین دفاعی حکمت عملی کی وجہ سے مکہ شہر کو پر امن طور پر فتح کر لیا۔ حضرت محمد ﷺ نے قریش سے جنگ کے منصوبے کو مخفی رکھا۔

آپ ﷺ کے لشکر کے سالاروں کو بھی معلوم نہیں تھا کہ کس علاقے پر چڑھائی کرنی ہے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ نے نہایت رازداری کے ساتھ دس ہزار کا لشکر تیار کر لیا۔ آپ ﷺ نے تمام راستوں پر محافظ مقرر کیے اگر کوئی مشکوک آدمی نظر آتا تو اسے پکڑ لیا جاتا۔ جب آپ ﷺ مکہ کے قریب پہنچ گئے تو تب سالاروں کو پتا چلا۔ آپ ﷺ نے جو رازداری کا منصوبہ بنایا اس کی دو وجوہات تھیں:

ا۔ مکہ اچانک پہنچ جانا اور اس کو گھیرے میں لے لینا تاکہ قریش مکہ جنگ کی تیاری نہ کر سکیں اور اپنے حلیف قبائل کو اکٹھا نہ کر سکیں۔ جانی نقصان کے بغیر مکہ کو فتح کیا جائے۔

ب۔ اسلام کے دو عظیم دشمنوں(۱) کو پریشانی میں مبتلا کر دیا جائے۔ کسی کو علم نہ ہو سکیں کہ آپ ﷺ کا کس کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ انہوں نے اطلاع کے لئے جو جاسوس بھیجے ان کو مسلمانوں نے پکڑ لیا۔

آپ ﷺ نے قریش کے لئے جو محفوظ پناہ گاہیں مقرر کیں وہ یہ تھیں:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ)) (۲)

ترجمہ: جو شخص ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہو گی، جو اپنا دروازہ بند کر کے گھر بیٹھ جائے، اسے بھی امان حاصل ہو گی اور جو بیت اللہ میں چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہو گی۔

اس سے آپ ﷺ کا یہ مقصد تھا کہ یہ جگہیں مکہ کے مختلف کونوں میں تھیں۔ اس طرح قریش مکہ ایک جگہ اکٹھے ہو کر مسلمانوں سے جنگ نہیں کر سکتے تھے۔

۱۱۔ مکہ کی ابدی حرمت کا اعلان

نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن جو خطبہ دیا اس میں آپ ﷺ نے قیامت تک مکہ کی حرمت کا اعلان کیا۔ مکہ میں قتال کرنے اور درخت کے کاٹنے سے منع کیا۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے اپنے لشکر کے لڑائی سے منع کیا۔ مکہ میں

---

(۱) ہوازن اور غطفان

(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۹/۸

داخلے کے وقت ایک جگہ پر آپ ﷺ نے تلواروں کی چمک دیکھی تو یہ لڑائی آپ ﷺ کو بری لگی صحابہ کرام ؓ نے بتایا کہ پہل کفار نے کی تھی۔اس لئے حضرت خالد بن الولید ؓ کی فوج کے پاس لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔[۱] مکہ مسلمانوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾[۲]

ترجمہ: اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے لوٹ کر آنے کی جگہ اور سراسر امن بنایا۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی نے بیت اللہ کی دو خصوصیتیں ایک بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ (یعنی) مرکز اور دوسری امن کی جگہ بیان فرمائی ہیں۔ ثناء اللہ پانی پتی خانہ کعبہ امن کا مقام کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"أی مأمنا يأمنون فيه من إيذاء المشركين فانهم كانوا لا يتعرضون لاهل مكة ويقولون هم أهل الله ويتعرضون لمن حوله"[۳]

ترجمہ: یعنی خانہ کعبہ کو ہم نے امن کی جگہ بنایا کہ وہاں مشرکین کی ایذارسانی سے امن ہوتا ہے کیونکہ مشرکین اہل مکہ سے کچھ تعرض نہ کرتے اور کہتے کہ یہ لوگ اہل اللہ ہیں اور آس پاس کے لوگوں کو ایذائیں پہنچاتے تھے۔

گویا کہ مکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔اسے سراسر امن والا بنادیا گیاہے۔

غزوہ فتح مکہ کے بہت دورس اور فیصلہ کن نتائج برآمد ہوئے۔ غزوہ فتح مکہ سے پورے عرب میں اسلام پھیلنا شروع ہوگیا۔ غزوۂ فتح مکہ نے بت پرستی کی قوت کو مکمل طور پر ختم کردیا اوراس کا کام اس طرح تمام کردیا کہ عرب میں اس کے باقی رہنے کی کوئی وجہ نہیں رہے گئی۔ فتح مکہ کی وجہ سے امن وامان قائم ہوگیا تھا۔ فتح مکہ کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں تک کہ اسلامی لشکر کی جو تعداد گزشتہ کسی غزوے میں تین ہزار سے زیادہ نہ ہوسکی تھی اس غزوہ فتح مکہ میں دس ہزار تک جا پہنچی۔

---

(۱) المغازی،۱/۸۲۶

(۲) سورۃ البقرۃ:۲/۱۲۵

(۳) التفسیر المظہری، ۱/۱۲۴

نتائج

غزوہ فتح مکہ جس کو فتح اعظم بھی کہا گیا ہے، یہ بیس رمضان المبارک آٹھ ہجری کو وقوع پذیر ہوا۔ مسلمانوں نے مکہ کو فتح کرنے کے نتیجے میں مکہ کو اسلامی حکومت میں شامل کرلیا۔ اس فتح کے نتیجے میں مکہ پر مسلمانوں نے غلبہ حاصل کرلیا اور مشرکین ہمیشہ کے لئے شکست خوردہ ہوگئے۔ اس شاندار فتح میں چند کے علاوہ کوئی قتل نہ ہوا۔ فتح مکہ سے پوری دنیا میں شرک اور بت پرستی کو ختم کرنے کا موقع حاصل ہوا۔ اس فتح نے مکہ پر عظیم دینی، سیاسی، سماجی ، حربی اور دعوتی اثرات مرتب کئے اور عرب میں مسلمان ایک عظیم عسکری قوت بن کے سامنے آئے۔ اس فتح سے بہت سے عرب قبائل نے اسلام قبول کیا کیونکہ وہ قریش مکہ کے اسلام لانے کے منتظر تھے۔ جس وقت قریش مسلمان ہوگئے تو ہر طرف سے تمام قبائل کے نمائندے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

فتح مکہ کا واقعہ انسانی تاریخ میں ایک ایسا دن ہے جس میں انسانیت کو ایک نئی منزل اور مقام عطا کیا گیا۔ اس نے فاتح اور مفتوح قوموں کے درمیان تعلقات کی نوعیت بدل دی۔ اس دن حقوق انسانی، احترام انسانیت اور اظہار رائے کی آزادی کو ایک نیا مفہوم اور مقام ملا۔ اس عظیم فتح کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین اور رسول ﷺ کو عزت عطا فرمائی۔ اپنے گھر اور اپنے شہر کو شرک اور بت پرستی سے پاک کیا اور کفار اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوئے۔

آپ ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کو جو عظیم الشان اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی وہ مکہ کی فتح تھی۔ آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد اپنے دشمنوں سے انتہائی نرمی اور عفوودرگذر کا سلوک کیا اور سب کو عام معافی دے دی۔ آپ ﷺ نے مکہ والوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا بلکہ آپ ﷺ کے کردار کی وجہ سے مکہ والوں کے دل بدل گئے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

باب دوم

آنحضرت ﷺ بطور اولوالعزم داعی

فصل اول: دعوت کے مفاہیم اور اہمیت

فصل دوم: اسلام میں دعوت کے اصول و طریقے

فصل سوم: بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی اور عملی ارتقاء

فصل چہارم: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی کردار

فصل اول: دعوت کے مفاہیم اور اہمیت

مبحث اول

دعوت کے مفاہیم

مبحث دوم

دعوت کی اہمیت

مبحث اول

دعوت کے مفاہیم

دعوت دین اسلام کا ایک اہم تقاضا، مطالبہ اور فریضہ ہے۔ دعوت وہ مقدس فرض ہے جو ہر کلمہ گو مومن کی زندگی کا اہم مقصد ہے۔ یہ لوگوں کو اندرونی جرائم سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حق و صداقت کو پھیلایا جائے اور فساد کو ختم کیا جائے۔ اسلام کا اہم انحصار اصلاً دعوت پر ہے۔ دعوت ہی اسلام کی سب سے بڑی قوت ہے۔ اسلام کے دعوتی عمل کو جاری رہنے کی ضرورت ہے تاکہ اس کا پیغام ہر دور کے تمام انسانوں پر پہنچ سکے۔ اللہ تعالی کی مدد کے تمام وعدے دعوت کے عمل کی انجام دہی پر منحصر ہے۔ یہی امت مسلمہ کی کامیابی کا ضامن ہے۔

ا۔ دعوت کا لغوی معنی

دعوت کا مادہ دعا ہے۔ یہ دع وسے مشتق ہے اور باب نصر ینصر سے ہے۔ اس کے معنی پکارنا اور بلانا ہے۔ قرآن مجید میں دعوت کا لفظ لغوی اعتبار سے سات معنوں میں استعمال ہوا ہے جیسے القول، العبادۃ، النداء، الاستغاثہ، الاستفہام ، السؤال اور العذاب وغیرہ۔[1] دعوت کا لفظ قرآن مجید میں مختلف انداز میں دو سو آٹھ مرتبہ آیا ہے جیسے دعا، یدعون ، ادعو، الدعاء وغیرہ جس میں سے چوالیس مرتبہ اللہ تعالی اور اس کے دین کی طرف بلانے کے لئے استعمال ہوا ہے۔[2]

اگر دعوت کے لفظ کا دال فتح ہو گا تو اس کے معنی مہمانی کے لئے دعوت دینا ہو گا، اگر دال ضم ہو گا تو یہ جنگ کے لئے پکارنے اور چیلنج کے لئے استعمال ہو گا اور اگر دال کسر ہو گا تو یہ نسب کا دعوی کرنے کے معنی میں استعمال ہو گا۔[3]

دعا کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے راغب اصفہانی[4] کے مطابق دعا کے معنی "ندا، تسمیہ ، دعا اور کسی چیز کا قصد کرنا اور ابھارنا" کے ہیں۔[5] ان معانی کی وضاحت اس طرح کی جاتی ہے۔ دعا کے معنی ندا کے ہیں۔ ندا کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَاءً وَّنِدَاءً﴾[6]

ترجمہ: اور ان لوگوں کی مثال جنہوں نے کفر کیا ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسی چیز کو پکارے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ نہ سمجھتی ہو۔

---

(۱) قاموس القران، عبدالعزیز سید الاہل، ادارہ العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص: ۸۳

(۲) المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، محمد فواد عبد الباقی، انتشارات اسلامی، تہران، ۱/۱۴۴

(۳) مفردات الفاظ القرآن، ابی القاسم حسین بن محمد بن المفضل، دار القلم، دمشق، ۱/۳۴۷

(۴) راغب اصفہانی: آپ کا پورا نام حسین بن محمد بن مفضل بن محمد تھا۔ آپ کی کنیت ابو القاسم تھی۔ آپ کا تعلق اصفہان سے تھا۔ جس کی نسبت سے امام راغب اصفہانی کے نام سے مشہور ہیں (الاعلام ، ۲/۲۵۵)

(۵) مفردات الفاظ القرآن، ۱/۳۴۷

(۶) سورۃ البقرہ: ۲/۱۷۱

دعا کے معنی تسمیہ (نام رکھنا) کے ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

"دعوت ابنی زیدا"[1]

ترجمہ: میں نے زید کے بیٹے کا نام رکھا۔

دعا کے معنی دعا کے ہے۔ دعا کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰھم اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾[2]

ترجمہ: اور اس کی دعا کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ ساری تعریف اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔

دعا کے معنی کسی چیز کا قصد کرنا اور ابھارنا کے ہیں اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاللّٰهُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ﴾[3]

ترجمہ: اور اللہ بلا رہا ہے تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف۔

دعا کے معنی جمع ہونا اور اکھٹا ہونا کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی میں ہے:

((تَدَاعَتْ عَلَیْکُمُ الْأُمَمُ))[4]

ترجمہ: تمہیں قوموں پر اکٹھا کریں گے۔

ابن سیدہ[5] کے مطابق دعا کے معنی الرغبۃ الی اللہ کے ہیں۔[6] جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّآ اِلَی اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾[7]

ترجمہ: یقیناً ہم اللہ کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

تہذیب اللغۃ میں دعا کے معنی مدد کرنا کے ہیں۔[8] جیسے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿ وَادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾[9]

ترجمہ: اور بلالو اپنے سارے مددگاروں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔

---

(۱) المفردات فی غریب القران، ۱/۱۷۰

(۲) سورۃ یونس:۱۰/۱۰

(۳) سورۃ یونس:۱۰/۲۵

(۴) مجمع الزوائد و منبع الفوائد، نورالدین الہیثمی، (محقق: حسام الدین القدسی)، مکتبہ القدسی ۱۴۱۴ھ، ۱/۵۱۸۰

(۵) ابن سیدہ: آپ کا نام علی بن اسماعیل اور کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ مجتہدین میں سے تھے۔ آپ بصرہ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں وفات پائی۔ آپ کی تصانیف ۳۰۰ کے قریب ہیں (الاعلام: ۴/۲۶۳)

(۶) المحکم والمحیط الآعظم فی اللغۃ، علی بن اسماعیل ابن سیدہ، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۸ء، ص:۲۳۳

(۷) سورۃ التوبہ:۹/۵۹

(۸) تہذیب اللغۃ، ابو منصور محمد بن احمد الازہری، الدار المصریۃ للتالیف وترجمۃ، مصر، ۱۹۶۴ء، ۲/۳۴

(۹) سورۃ البقرہ:۲/۲۳

زمخشری[1] دعوت کا لغوی مفہوم یہ بیان کرتے ہیں:

"دعاه إلى الوليمة، ودعاه إلى القتال.ودعا الله له وعليه، ودعا الله بالعافية والمغفرة .والنبي داعي الله. وهم دعاة الحق "[2]

ترجمہ: اسے ضیافت کی طرف دعوت دی اور لڑنے کی دعوت دی۔ اور خدا نے اسے اور اس پر بلایا ہے اور خدا نے خیر اور بخشش پر بلایا۔ اور نبی اللہ کے داعی ہیں۔ اور وہ حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

معجم الوسیط میں دعوت کے لغوی معنی طلب، قصد کی طرف ترغیب، کسی چیز، قتال، نماز، دین، مذہب اور اعتقاد کی طرف بلانا کے معنوں میں استعمال ہوئے ہیں:

"الطلب،يقال:دعا بالشيء:طلب إحضاره ، و دعاإلى الشيء:حثه على قصده، يقال دعاه إلى القتال، ودعاه إلى الصلاة، ودعاه إلى الدين، وإلى المذهب ،حثه على اعتقاده وساقه إليه"[3]

ترجمہ: طلب، کسی چیز کے لئے بلانا، موجودہ کی طلب کسی چیز کی طرف، اپنے قصد کی طرف ترغیب کہا جاتا ہے، اس نے اسکو قتال کی طرف بلایا، اس نے اسکو نماز کی طرف بلایا، اس نے اسکو دین کی طرف بلایا، اس نے اسکو مذہب کی طرف بلایا، اس نے اسکو اپنے اعتقاد کی طرف دعوت دی۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں دعوت کے لغوی معنی پکارنا، بلانا، کھانے پہ بلانا، اللہ سے درخواست، دعا، نذر اور ہر قسم کے عہد کے لئے استعمال ہوا ہے۔[4]

موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں لغت میں دعوت کے معانی پکارنا، ادنی کا اعلی سے طلب کرنا، دین یا مذہب کی طرف بلانا، کھانے پینے کی طرف بلانا، قسم، نسب، اذان یا اقامت بیان کئے گئے ہیں۔[5]

معجم مقاییس اللغۃ میں دعوت کا لغوی مفہوم یہ بیان ہوا ہے:

---

(۱) زمخشری: آپ کا نام علامہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی زمخشری ہے۔ آپ ممتاز عالم، مفسر، محدث اور لغت میں ماہر تھے۔ زمخشر سے آپ کی نسبت ہے۔ جو خوارزم کا ایک علاقہ ہے (الانساب، ابوسعد عبد الکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (المتوفی : ۵۶۲ھ) ، دار الجنان ،بیروت. لبنان، طبع اول، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸م، ۳/۱۶۳

(۲) اساس البلاغہ، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد زمخشری، (محقق: عبدالرحیم محمود)، دار المعرفہ ،بیروت، ۱۹۷۹ء، ۱/۱۳۱

(۳) المعجم الوسیط، دکتور ابراہیم و رفقاء ،المکتبۃ العلمیہ ،تہران ، ۱/۲۸۶

(۴) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۹/ ۳۴۴-۳۴۵

(۵) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ، الکویت، طبع ذات السلاسل، الکویت، ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰م، ۲۰ / ۳۲

"أن تميل الشَّيءَ إليك بصوتٍ وكلامٍ يكون منك . تقول: دعوت أدعُو دعاءً"(۱)

ترجمہ: کسی چیز کو آواز یا کسی کلام کے ذریعے اپنی جانب مائل کرنا، کہا جاتا ہے میں نے اسے بلایا، میں اسے متوجہ کرتا ہوں۔

اوپر ذکر کی گئی تعریفات سے پتا چلتا ہے کہ اس لفظ کا مفہوم بہت وسیع ہے۔اس کے کئی مفاہیم نکلتے ہیں جیسے پکارنا اور بلانا، طلب، قصد کی طرف ترغیب، کسی چیز، قتال، نماز، دین، مذہب اور اعتقاد کی طرف بلانا، کھانے پہ بلانا، اللہ سے درخواست، دعا، نذر اور ہر قسم کے عہد شامل ہیں۔

---

(۱) معجم مقاییس اللغۃ، ابو الحسین احمد بن فارس بن زکریا، (محقق:عبد السلام محمد ہارون) دار الفکر، ۱۹۷۹ء، ۲/ ۲۷۹

۲۔ دعوت کا اصطلاحی مفہوم

دین کی حفاظت وبقا کے لئے ہر مذہب میں دعوتی عمل کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ اسلام ایک دعوتی و تبلیغی دین ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالی کے احکامات کا علم حاصل کر کے اسے بہتر اور مؤثر انداز میں دوسروں تک پہنچائے اور ان کی آخرت کی فکر کرے تا کہ انہیں سیدھی راہ کی جانب لا کر آخرت کی ناکامی سے بچایا جاسکے۔

موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں دعوت کی اصطلاحی تعریف یوں بیان کی جاتی ہے:

''طَلَبِ الدُّخُولِ فِي الدِّينِ وَالِاسْتِمْسَاكِ بِهِ''(۱)

ترجمہ: دین میں شامل ہونا اور اس کو مضبوطی سے پکڑنا کا مطالبہ ہے۔

اس تعریف میں دعوت سے مراد دین میں شامل ہونا اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا ہے۔ دعوت کی اصطلاحی تعریف کے بارے میں علماء نے جو آراء دیں ہیں ان میں سے کچھ درجہ ذیل ہیں۔ محمد ابو الفتح البیانونی دعوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الدعوة الى الاسلام طلب الناس و سوقهم اليه و حثهم على الاخذ به''(۲)

ترجمہ: اسلام کی دعوت سے مراد لوگوں کو اس کی طرف بلانا اور اس کی طرف ان کی رہنمائی کرنا اور اس کے اختیار پر ابھارنا۔

شیخ علی محفوظ دعوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الدعوة من الدعاء الى شيء بمعنى الحث على قصده و فى عرف حث الناس على الخبر و دعا،و الامر بالمعروف و النهى عن المنكر ليفوزو ابسعادة العاجل و الأجل''(۳)

ترجمہ: دعوت لفظ ''الدعا'' سے ماخوذ ہے۔ اس کے معنی کسی چیز کی طرف بلانا یا کسی چیز کے حاصل کرنے پر ابھارنا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تا کہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے مستفیض ہو سکیں۔

ڈاکٹر احمد غلوش بیان کرتے ہیں:

''و الدعوة الى الاسلام تعنى المحاولة العملية أو القولية لامالته الناس اليه''(۴)

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۲۰/ ۳۲۱

(۲) المدخل الی علم الدعوۃ، محمد ابو الفتح البیانونی، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء، ص: ۱۶

(۳) ہدایۃ المرشدین، شیخ علی محفوظ، دار الاعتصام، مصر، ص: ۱۴

(۴) الدعوۃ الاسلامیۃ اصولہا و سائلہا، ڈاکٹر احمد غلوش، دار الفکر بیروت، ص: ۱۰

ترجمہ: اسلام کی طرف دعوت دینے سے مراد عملی و قولی کوشش کرنا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی طرف مائل کیا جاسکے۔

آدم عبداللہ الالوری دعوت کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" صرف انظار الناس و عقولھم الی فکر او عقیدہ "[۱]

ترجمہ: لوگوں کے نظریات اور ان کے عقول کو کسی فکر یا عقیدے کی طرف پھیرنا اور انہیں اس کی طرف راغب کرنا۔

محمد خضر حسین نے اپنی کتاب "الدعوۃ الی الاصلاح" میں دعوت کی یہ تعریف بیان کی ہے:

"حث الناس علی الخیر و الھدی، والامر بالمعروف و النھي عن المنكر، لیفوزو ابسعادۃ العاجل والأجل"[۲]

ترجمہ: لوگوں کو بہتری اور ہدایت کی ترغیب، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا تاکہ وہ دنیا و آخرت کی سعادت سے مستفیض ہو سکیں۔

ابن جریر طبری نے دعوت کی یہ تعریف بیان کی ہے:

" دعوۃ الناس الی الاسلام بالقول و العمل"[۳]

ترجمہ: لوگوں کو اسلام کی طرف قول اور عمل کے ساتھ دعوت دینا۔

مندرجہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ دعوت سے مراد لوگوں کو آگاہ کرنا، بلانا اور ابھارنا ہے اور اسلام کی طرف بلانے اور اسلام کی اشاعت کے لئے ایسے انداز اور طریقہ کار استعمال کیا جائے، جس سے مدعو بیان کردہ پیغام کی سچائی کو مان لے اور یہ بات تسلیم کرلے کہ یہی پیغام اس کی دنیا اور آخرت میں کامیابی کا ضامن ہے۔

---

(۱) تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ، آدم عبداللہ الالوری، قاہرہ، ص:۱۴

(۲) الدعوۃ الی الاصلاح، محمد خضر حسین، (محقق: علی بن حسن الحلبی)، دار الرایہ، سعودی عرب، الطبعۃ الاولی، سنہ ۱۴۱۷ھ، ص:۱۷

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۴/ ۶۲

مبحث دوم

دعوت کی اہمیت

تمام انسانوں کی بقاء اور سلامتی دعوت و تبلیغ کی انجام دہی پر منحصر ہے۔ یہ فریضہ دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے انسان کی فلاح کا ضامن ہے۔ دینی لحاظ سے اس طرح کہ اگر انسان دین سے دور ہو گا تو وہ اپنے رب سے دور ہو جائے گا تو اس کی آخروی فلاح ممکن نہیں رہے گی۔ دنیاوی لحاظ سے اس طرح اگر انسان کو برائیوں سے روکنے والا کوئی نہ ہو گا تو انسانی معاشرہ میں جھوٹ، چوری، زنا اور اس طرح کی دیگر برائیاں دن بدن پھیلتی جائے گی اسی لئے اللہ تعالی نے مسلمانوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی انجام دہی ضروری قرار دی۔ دعوت اسلام کا اہم فریضہ ہے۔ اسلام کی دعوت صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ غیر مسلموں کو بھی دینی چاہیے۔ مسلمانوں کی اصلاح و تربیت کے لئے اسلام کی دعوت دی جائے اور غیر مسلموں پر اسلام کی سچائی ثابت کرنے اور اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے دعوت دی جائے۔ اگر معاشرے میں دعوت کا کام رک جائے تو نیکی ختم ہو جاتی ہے اور برائی پھیلنے لگتی ہے۔ ذیل میں دعوت کی اہمیت قرآن مجید اوراحادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کی جائے گی:

ا۔ دعوت کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید میں بہت سے مقام پر دعوت کی تاکید کی گئی ہے۔ ذیل میں چند آیات قرآنی بیان کی گئی ہیں جن میں دعوت کی تاکید و ترغیب فرمائی گئی ہے:

ا۔ اسلام امت مسلمہ پر پیغام الہی ہے۔ امت مسلمہ کا سب سے بڑا فرض ہے کہ وہ اللہ تعالی کے پیغام کی معرفت حاصل کرنے کے بعد پہلے خود اس پر عمل کریں پھر اس پیغام کی نشر و اشاعت کریں۔ اللہ تعالی نے اپنے انبیاء کرامؑ کے ذریعے لوگوں تک اپنے دین کی دعوت پہنچائی۔ آپ ﷺ کے بعد امت مسلمہ کے ذمے کیا گیا ہے کہ وہ نیکی کا حکم دیں، برائی سے روکیں اور ایمان لائیں۔ دعوت کا اتنا اہم فریضہ سر انجام دینے پر اسے خیر امت قرار دیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾(۱)

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر۔

اس آیت کریم میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کی فضیلت دوسری امتوں پر بیان کی ہے اور اس کی تین بنیادی وجوہات بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ پر کامل اور بلا شرکت غیرے ایمان لانا۔ دوسرا یہ کہ نیکی پر عمل پیرا ہو کر

---

(۱) سورۃ آل عمران:۳/۱۱۰

دوسروں کو اس کی دعوت دینا۔ تیسرا یہ کہ برائی سے بچنا اور لوگوں کو اس سے منع کرنا، یہی امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ ابن کثیر اپنی کتاب تفسیر القرآن العظیم میں خیر امت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"یخبر تعالی عن ھذہ الأمة المحمدیة بأنھم خیر الأمم "(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں پر بہتر ہے۔

گویا کہ کسی بھی امت کی فضیلت کے لئے تین وجوہات ضروری ہیں، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور توحید پر ایمان لانا۔ امت مسلمہ دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیتی ہے اس لئے وہ خیر امت ہے۔

ب۔ دعوت کا کام صرف انبیاءؑ اور رسلؑ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ علماء اور امت مسلمہ کے سپرد کیا گیا ہے اور دعوت کا فرض ادا کرنے والے ضرور کامیاب ہوگے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

اس آیت قرآنی میں دعوت الی الخیر امت مسلمہ کی ایک اہم اور اجتماعی ذمہ داری بیان کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کی دینی زندگی کو ہر طرح کی خرابی سے بچانے کے لیے ایک ایسی جماعت، ایک ایسے گروہ یا ایک ایسے ادارے کا وجود عمل میں لائیں جس کے دو کام ایک دعوت الی الخیر اور دوسرا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ابن ابو حاتم (۳) دعوت الی الخیر کی وضاحت اس طرح بیان کرتے ہیں:

" یدعون إلی الخیر قال : إلی الخیر قال : إلی الإسلام "(۴)

ترجمہ: وہ بلاتے ہیں خیر کی طرف اور خیر سے مراد ہے اسلام یعنی اسلام کی طرف۔

گویا کہ اس آیت قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ دعوت کا کام سرانجام دینے کے لئے مسلمانوں میں سے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دے، انہیں اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے۔

ت۔ قرآن مجید میں دعوت حق کا حکم اور اس کے اہم آداب و اسلوب کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ۲/۹۳

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/۱۰۴

(۳) ابن ابو حاتم: آپ کا نام عبد الرحمن بن محمد بن ادریس بن منذر اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ محدث، مفسر اور جرح و تعدیل کے امام تھے۔ آپ کی وفات ۳۲۷ھ میں ہوئی (فوات الوفیات، محمد بن شاکر الکتبی (محقق: احسان عباس) دار صادر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۲/۲۸۷)

(۴) الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۲/ ۲۸۹

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ﴾(۱)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے۔

اس آیت قرآنی میں دعوت حق کا طریقہ اور اس کے آداب کا ذکر کیا گیا ہے۔ کرم شاہ(۲) اپنی کتاب ضیاء القرآن میں اس آیت قرآنی کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"یہاں اس حقیقت کا اظہار فرمایا جا رہا ہے کہ ایک داعی اور مبلغ کی ذمہ داری صرف اس قدر ہے کہ وہ حکیمانہ انداز سے، خلق خدا کی ہمدردی اور خیر خواہی کے جذبات سے سرشار ہو کر رضائے الٰہی کے لئے تبلیغ کرے۔ اگر کوئی قبول نہ کرے تو اس کے لیے اسے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے قبول حق کی توفیق ارزانی فرما دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے محروم و نامراد کر دیتا ہے۔"(۳)

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ تبلیغ و دعوت کے یہ بنیادی اصول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ مخلوق کو اس کے دین کی طرف حکمت کے ساتھ اور خوش اسلوبی سے نصیحت کر کے دعوت دو اور (اگر بحث کی نوبت آئے تو) ان سے بحث بھی ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو۔

ث۔ قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کی خاص صفت داعی الی اللہ بیان ہوئی ہے۔ اللہ تعالی نے سارے انبیاء اور رسولوں کو اپنی طرف دعوت دینے کے لئے مبعوث کیا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِه﴾(۴)

ترجمہ: اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا۔

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۵

(۲) کرم شاہ: آپ یکم جولائی ۱۹۲۸ء کو بھیرہ شریف ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک عظیم صوفی و روحانی بزرگ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مایہ ناز مفسر، سیرت نگار، ماہر تعلیم، صحافی، صاحب طرز ادیب اور دیگر بیشمار خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ کا انتقال ۷ اپریل ۱۹۹۸ء کو ہوا (ضیاء الامت... حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری، طارق فاروق، جیو اردو، ۲۹ اکتوبر ۲۰۱۶ء)

(۳) ضیاء القرآن، کرم شاہ، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ۲/ ۶۱۸

(۴) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۴۶

اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہیں۔ آپ ﷺ کا ہر کام وحی خداوندی کے مطابق ہوتا ہے کہ آپ ﷺ وحی کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کے خالق کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ کی توحید و صفات اور اس پر ایمان و اطاعت اور عبادت و بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔ محمد شفیع[۱] اپنی کتاب معارف القرآن میں اس آیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"داعی الی اللہ سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ امت کو اللہ تعالیٰ کے وجود اور توحید اور اطاعت کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ داعیاً الیٰ اللہ کو باذنہ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید و شرط کا اضافہ اس اشارہ کے لئے ہے کہ تبلیغ و دعوت کی خدمت سخت دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن و اجازت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آسکتی۔"[۲]

گویا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ان کو دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

ج۔ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو طویل عرصے اور دن رات لگاتار دعوت دی لیکن اس کے باوجود اس بدبخت قوم پر اس دعوت کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ بدستور اپنے کفر و انکار پر اڑی رہی، تو آپؑ نے اپنے رب کے حضور اس طرح عرض کیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا﴾[۳]

ترجمہ: (نوحؑ نے) کہا اے میرے پروردگار! میں نے اپنی قوم کو رات دن تیری طرف بلایا ہے۔

اس آیت قرآنی میں بتایا جارہا کہ حضرت نوحؑ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت کا کام رات دن سرانجام دیا۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر ابن کثیر اپنی کتاب تفسیر القرآن العظیم میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"يخبر تعالى عن عبده ورسوله نوح، عليه السلام، أنه اشتكى إلى ربه، عز وجل، ما لقي من قومه، وما صبر عليهم في تلك المدة الطويلة التي هي ألف سنة إلا خمسين عاما، وما بين لقومه ووضح لهم ودعاهم إلى الرشد

---

(۱) محمد شفیع: آپ تحریک پاکستان کے ایک اہم رہنما اور مفتی اعظم پاکستان تھے۔ آپ نے شبیر احمد عثمانی کی دعوت پر اپنا آبائی وطن دیوبند چھوڑ کر پاکستان ہجرت کی۔ آپ نے کراچی کے علاقے کورنگی میں ایک وسیع و عریض مدرسہ جامع دارالعلوم کراچی قائم کیا جو آج پاکستان کا سب سے بڑا دینی مدرسہ ہے (المستدرک علی تتمۃ الاعلام، محمد خیر رمضان یوسف، دار ابن حزم، بیروت، ص: ۲۴۹)

(۲) معارف القرآن، محمد شفیع، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۳ء، ۱۷۷/۷

(۳) سورۃ نوح: ۵/۷۱

والسبيل الأقوم، لم أترك دعاءهم في ليل ولا نهار، امتثالا لأمرك وابتغاء لطاعتك" (۱)

ترجمہ: یہاں بیان ہو رہا ہے کہ ساڑھے نو سو سال تک کی لمبی مدت میں کس کس طرح حضرت نوح ؑنبی نے اپنی قوم کو رشد وہدایت کی طرف بلایا قوم نے کس کس طرح اعراض کیا کیسی کیسی تکلیفیں اللہ کے پیارے پیغمبر ؑکو پہنچائیں اور کس طرح اپنی ضد پر اڑ گئے، تو حضرت نوح ؑبطور شکایت کے جناب باری میں عرض کرتے ہیں کہ الٰہی میں نے تیرے حکم کی پوری طرح سرگرمی سے تعمیل کی، تیرے فرمان عالیشان کے مطابق نہ دن کو دن سمجھا، نہ رات کو رات، بلکہ مسلسل ہر وقت انہیں راہ راست کی دعوت دیتا رہا لیکن کیا کروں کہ جس دل سوزی سے میں انہیں نیکی کی طرف بلاتا رہا وہ اسی سختی سے مجھ سے بھاگتے رہے حق سے روگردانی کرتے رہے۔

اس میں بیان ہو رہا ہے کہ حضرت نوح ؑاپنی تبلیغ میں برسوں نہیں صدیوں تک مشغول رہے قوم کی طرف سے ایک ہی جواب ملتا رہا کہ ہم تیری نہ مانیں گے۔ جب یہاں تک نوبت پہنچی تو نوح ؑنے اللہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں نے اپنی قوم کو رات دن دین کی طرف بلایا اور خوب تبلیغ کی، مگر میری دعوت پر یہ لوگ فرار ہی کرتے رہے۔

ح۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ داعی کو ہدایت یافتہ، نیک کام کرنے والا اور اللہ کا مطیع ہونا چاہئے۔ داعی کی بات سے بہتر کسی کی بات نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سب سے اچھی بات داعی حق کی بات ہی ہوتی ہے۔ ان میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں۔ یعنی دین حق پر ایمان ویقین، عمل صالح اور دعوت حق۔ داعی حق کیلئے عمل صالح کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کا عمل اس کی دعوت کے خلاف نہ ہو۔ جس حق وہدایت کی دعوت وہ دوسروں کو دے رہا ہے اس پر وہ خود بھی عمل پیرا ہے اور اپنے اسلام اور مسلمان ہونے کو چھپائے نہیں بلکہ اس کا صاف طور پر اظہار بھی کرے۔ گویا کہ اللہ تعالی کے دین کی طرف بلانا بہت اچھی بات ہے۔

مذکور آیات قرآنی سے دعوت وتبلیغ کی کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ دعوت وتبلیغ ایک اہم فریضہ ہے اور اسے سرانجام دینا چاہیے۔ دعوت کسی فرد اور قوم کی زندگی کا اہم جز ہے تو معاشرے کا ہر فرد اپنے اپنے دائرہ کار میں دعوت کا فریضہ سرانجام دیں۔

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ۸/ ۲۳۲

(۲) سورۃ فصلت: ۴۱/۳۳

۲۔ دعوت کی اہمیت احادیث مبارکہ کی روشنی میں

قرآن مجید میں دعوت دین کے بارے میں اتنا واضح پیغام آیا کہ آپ ﷺ نے اس کام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی دعوت و تبلیغ سے عبارت ہے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو دعوت و تبلیغ کی اہمیت بتاتے، اس پر عمل کرنے کی فضیلت اور اسے ترک کرنے پر عذاب کی وعید سناتے رہے۔ آپ ﷺ نے دعوت کی جو اہمیت بتائی ہے، اس کا اظہار مندرجہ ذیل احادیث مبارکہ سے ہوتا ہے:

۱۔ اسلام ایک دعوتی مذہب ہے اور دعوت و تبلیغ کے ذریعے اسلام پھیلا۔ مسلمانوں پر انفرادی طور پر فرض ہے کہ وہ اسلام کو پھیلانے کا کام سرانجام دیں۔ لوگوں میں نیکی پھیلائیں اور برائی کو روکنے کی کوشش کریں۔ حدیث شریف میں ہے:

((مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يُعْمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِي يَقْدِرُونَ عَلَى أَنْ يُغَيِّرُوا عَلَيْهِ فَلَا يُغَيِّرُوا إِلَّا أَصَابَهُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَمُوتُوا))[۱]

ترجمہ: جو کوئی ایسی قوم میں ہو کہ ان میں اللہ کی نافرمانیاں کی جارہی ہوں اور وہ لوگ ان کی اصلاح اور ان کو بدلنے پر قادر ہوں، اس کے باوجود وہ ان کی اصلاح نہ کریں اور انہیں نہ بدلیں تو اللہ ان سب کو ان کے مرنے سے قبل عذاب دے گا۔

اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی کو اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ کی نافرمانیاں اور برائیوں کرنے سے روک سکتے ہیں، تو انہیں چاہیے کہ اپنے زیر اثر پائی جانے والی برائیوں کو اپنی قوت کے زور پر ختم کردے۔ اگر وہ برائیوں کو ختم نہیں کریں گے تو اللہ تعالی ان سب کو عذاب دے گا۔ محمد عاقل[۲] اس حدیث کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

"جس کسی قوم کے اندر معاصی کا ارتکاب ہو رہا ہو تو جو لوگ اس کے تغیر پر قادر ہوں گے اور پھر اسکی تغیر نہیں کریں گے تو عذاب ان سب پر آئے گا۔"[۳]

گویا کہ اس حدیث سے دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اس کے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ انسان کا خود ہدایت پر ہونا کافی نہیں بلکہ اسے دوسرے لوگوں کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۰۲ھ۔۲۷۵ھ)، (محقق: شعیب الارنووط ومحمد کامل)، دار الرسالۃ العالمیۃ، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی، حدیث نمبر: ۴۳۳۹، ۶/ ۳۹۵

(۲) محمد عاقل: آپ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث ہیں۔ آپ نے سنن ابو داؤد کی بہترین شرح الدر المنضود لکھی (الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، محمد عاقل، مکتبہ الشیخ، کراچی، ۲۰۰۸ء، ۱/ ۲

(۳) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۶/ ۲۶۸

ب۔ آپ ﷺ نے امت مسلمہ پر فرض عائد کیا کہ وہ قول و فعل سے دعوت و تبلیغ کا کام جاری رکھیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))[۱]

ترجمہ: تم میں جو شخص بھی کوئی غلط کام ہوتا ہوا دیکھے، ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اُسے اپنے ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو اسے زبان سے روک دے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو وہ دل سے اُسے برا سمجھے۔ البتہ یہ کمزوری ایمان کا درجہ ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں ہر مسلمان کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی کو غلط کام کرتے دیکھے، تو اسے چاہیے کہ وہ اس غلط کام کو ہاتھ سے یعنی بالفعل روکنے کی کوشش کرے، اگر اس کی اتنی طاقت نہ ہو کہ وہ منکر کو ہاتھ سے روک سکے۔ تو اسے چاہیے کہ وہ زبان یعنی وعظ و تلقین اور نصیحت سے روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو وہ برائی کو دل میں تدابیر سوچ کر ختم کرنے کی کوشش کرے۔ اس حدیث میں تیسرے عمل کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ ایمان کا کم ترین درجہ ہے۔ نووی[۲] نے اس کے بارے میں کہا کہ:

''فهو أمر ايجاب باجماع الامة وقد تطابق على وجوب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر الكتاب والسنة واجماع الامة وهو أيضا من النصيحة التي هي الدين'' [۳]

ترجمہ: یہ امر باجماع امت وجوب کے لئے ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے پر کتاب و سنت اور اجماع امت سے دلیل ہے اور یہ نصیحت میں داخل ہے جو خود دین ہے۔

گویا کہ منکر کو جہاں تک انسان کی گنجائش ہو روکنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس حدیث میں منکر کو بدلنے کے مراتب بیان کیے گئے ہیں۔

ت۔ نبی اکرم ﷺ نے انسانوں کو ان کی دعاؤں کی قبولیت کے لئے نیکی پھیلانے اور برائی کو روکنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النہی عن المنکر من الایمان، حدیث نمبر:۷۸، ۱/ ۶۹

(۲) نووی: آپ کا نام یحیی بن شرف بن مری اور کنیت ابوزکریا تھی۔ آپ ۶۳۱ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے علامہ، فقیہ، محدث اور مصنف تھے۔ آپ شام کے علاقے حوران سے متصل ایک بستی نوا میں پیدا اور فوت ہوئے۔ اسی وجہ سے آپ نووی کہلائے۔ آپ ۶۷۶ھ میں فوت ہوئے (اعلام، ۸/ ۱۴۹)

(۳) المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری النووی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعة الثانیة، ۱۳۹۲ء، ۲/ ۲۲

((اؤمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَوْا عَنْ الْمُنْكَرِ قَبْلَ أَنْ تَدْعُوا فَلَا يُسْتَجَابَ لَكُمْ))[1]

ترجمہ: کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو قبل ازیں کہ تم دعائیں مانگو اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں۔

اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا جارہا ہے دعاؤں کی قبولیت کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرط ہے۔ اگر کوئی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ترک کریں گے تو ان کی وجہ سے ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

ث۔ اگر کوئی انسان داعی و مبلغ کی دعوت سے متاثر ہو کر راہ راست پر آئے گا، تو اس شخص کے نیک اعمال داعی و مبلغ کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتے جائیں گے۔ جیسا کہ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا:

((لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ))[2]

ترجمہ: اللہ تمھارے ذریعے سے اگر ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں دعوت کی اہمیت بتائی جارہی ہے۔ اسلام کا حقیقی مقصد جنگ نہیں بلکہ اسلام کی اشاعت ہے۔ اس میں آپ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرماتے ہیں کہ اگر ایک آدمی کو بھی آپ کے ذریعہ ہدایت مل جائے تو یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے کیونکہ عرب میں سرخ اونٹ بہت قیمتی ہوتے تھے۔ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی وضاحت اس طرح بیان کرتے ہیں:

"أن تألف الكافر حتى يسلم أولى من المبادرة إلى قتله"[3]

ترجمہ: کہ کافر سے الفت کرنی تاکہ مسلمان ہو اولی ہے اس کے قتل کی طرف جلدی کرنے سے۔

سرخ اونٹوں کی وضاحت ابن حجر عسقلانی اس طرح بیان کرتے ہیں:

"وهو من ألوان الإبل المحمودة، قيل: المراد خير لك من أن تكون لك فتتصدق بها"[4]

---

(۱) سنن ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی (المتوفی: ۲۷۳ھ)، (محقق: شعیب الارنووط، عادل مرشد، محمد کامل قرہ بللی، عبد اللطیف حرز اللہ) دار الرسالہ العلمیہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنہی عن المنکر، حدیث نمبر: ۴۰۰۴، ۵/ ۱۳۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، حدیث نمبر: ۴۲۱۰، ۱۰/ ۲۷۲

(۳) فتح الباری، ۷/ ۴۷۸

(۴) ایضا

ترجمہ: یہ اونٹ کے خوبصورت رنگوں میں سے ہے، بعض کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ تیرے واسطے ہو اور تو اس کو صدقہ کرے۔

گویا کہ کسی داعی کی دعوت سے متاثر ہو کر کوئی حق کو قبول کرے گا اور نیکی کی زندگی اختیار کرے گا تو اس کے نیک اعمال کا داعی کو ثواب ملے گا۔

ج۔ آپ ﷺ نے اچھی بات کو پھیلانے اور دوسرے لوگوں تک پہنچانے کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنی امت کو بھی اس کی تلقین فرمائی۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ بار بار لوگوں سے یہ پوچھتے تھے:

((أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ))(۱)

ترجمہ: میں نے اللہ کے احکامات آپ کو پہنچا دیئے؟

اس حدیث مبارکہ سے پتا چلتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری اسلام کی دعوت و تبلیغ تھی اور آپ ﷺ نے اس ذمہ داری کو سرانجام دے دیا۔ اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ لوگوں سے سوال کر رہیں ہیں کہ کیا میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام تم تک پہنچا دیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا لِيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))(۲)

ترجمہ: جو لوگ یہاں حاضر ہیں وہ اس کو دوسروں تک پہنچا دیں۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے وہاں موجود مسلمانوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو لوگ اس وقت یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام دوسروں تک پہنچائیں۔ آپ ﷺ کا یہ فرمان آج بھی ہر مسلمان کے لئے حکم کا درجہ رکھتا ہے کہ انہیں دین کے بارے میں جو کچھ معلوم ہے وہ دوسروں تک پہنچائے۔

مذکور احادیث رسول ﷺ سے دعوت دین کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ موجودہ دور کے سماجی اور معاشرتی حالات نے اس کی اہمیت و ضرورت کو زیادہ کر دیا ہے۔ اس وقت پوری دنیا عجیب قسم کے حالات سے دوچار ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے تمام مسلمانوں خصوصاً علما اور دانشوروں پر یہ ذمے داری عائد ہوتی ہے کہ وہ انسانوں کو صحیح اور فلاح و کامیابی کا راستہ دکھائیں اور خلوص دل کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے عائد کردہ اس ذمے داری کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث نمبر: ۴۴۰۶، ۱۰/ ۴۸۷

(۲) ایضا

فصل دوم: اسلام میں دعوت کے اصول وطریقے اور داعی کے اوصاف

مبحث اول

اسلام میں دعوت کے اصول

مبحث دوم

اسلام میں دعوت کے طریقے

مبحث سوم

داعی کے اوصاف

مبحث اول

اسلام میں دعوت کے اصول

دعوت کے کام کو اسلام میں بڑی اہم حیثیت حاصل ہے کیونکہ اصلاح و تجدید اور اشاعت و توسیع کے بغیر اسے فروغ حاصل نہیں ہو سکتا۔ داعی کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت ایسے اصولوں کے ساتھ دے کہ لوگ دلچسپی سے اس کی بات سنیں، دعوت کو قبول کرنے کی طرف مائل ہوں، مخاطب اس سے متنفر نہ ہو جائیں اور اس کی بات سننا گوارا کریں۔ قرآن مجید میں دعوت کے بنیادی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت تک دعوت کا کام سرانجام دینے والوں کو بہترین رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِه وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے پورا واقف ہے۔

مذکورہ آیت میں دعوت حق کا حکم وارشاد اور اس کے اہم آداب کی تعلیم و تلقین دی گئی ہے اور تین اہم دعوتی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے بارے میں شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی(۲) بیان کرتے ہیں:

"دعوت و تبلیغ کے یہ تین اصول مسلمانوں کو سکھائے گئے، عقل و حکمت، موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن۔ مسلمان متکلموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطق استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں۔ یعنی ایک برہانیات، دوسرے خطابیات، تیسرے جدلیات، قرآن نے پہلے طریقے کا نام حکمت دوسرے کو موعظت اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے۔"(۳)

علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی نے اس میں دعوت کے تین اصول حکمت، موعظت اور جدال بیان کیے ہیں۔ اسلام میں دعوت کے اہم اصول مندرجہ ذیل ہیں:

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۶/ ۱۲۵

(۲) سید سلیمان ندوی: آپ ۲۲ نومبر ۱۸۸۴ء کو دیسنہ (بھارت کی ریاست بہار کے دارالحکومت پٹنہ کا قصبہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ اپنے وقت کے مجدد اور ایک محقق کامل مرشد تھے۔ آپ سیرت نگار، عالم اور مورخ تھے۔ آپ کی مشہور کتاب سیرت النبی ہے۔ آپ ۲۲ نومبر ۱۹۵۵ء کو فوت ہوئے (سید سلیمان ندوی، نور محمد، اردو نامہ فورم، ۲ فروری ۲۰۱۱ء)

(۳) سیرت النبی ﷺ، ۴/ ۲۴۵

ا۔ حکمت

دعوت میں اولین طریقہ کار اور اسلوب حکمت ہے۔ یہ ایسا مؤثر طرز دعوت ہے جس میں مضبوط دلائل کے ساتھ اور حکیمانہ انداز میں مخاطب کی ذہنی استعداد اور موقع و محل دیکھتے ہوئے اسلام کی دعوت پیش کی جاتی ہے جو مخاطب کے دل میں اتر جاتی ہے اور اسے مسحور کر دیتی ہے۔

لغوی طور پر القاموس الجدید میں حکمت کے معنی دانشمندانہ بات، فلسفہ، دانائی، اصابت رائے، طب اور پالیسی کے ہیں۔[۱] القاموس المحیط میں لغوی طور پر حکمت کا لفظ عدل، علم، حکمت، نبوت، قرآن اور انجیل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔[۲]

ابو حیان الاندلسی [۳] نے البحر المحیط میں حکمت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ:

''انہا الکلام الصواب القریب الواقع من النفس أجمل موقع''[۴]

ترجمہ: حکمت اس درست کلام کا نام ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے۔

مودودی حکمت کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں:

> ''حکمت کا مطلب یہ ہے کہ بے وقوفوں کی طرح اندھا دھند تبلیغ نہ کی جائے بلکہ دانائی کے ساتھ مخاطب کی ذہنیت، استعداد اور حالات کو سمجھ کر نیز موقع و محل دیکھ کر بات کی جائے، ہر طرح کے لوگوں کو ایک لکڑی سے نہ ہانکا جائے، جس شخص یا گروہ سے سابقہ پیش آئے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کی جائے، پھر ایسے دلائل سے اس کا علاج کیا جائے جو اس کے دل و دماغ کی گہرائیوں سے اس کے مرض کی جڑ نکال سکتے ہوں۔''[۵]

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت دلائل و براہین کی روشنی میں حکیمانہ انداز ہے جو دوسروں پر اثر کرتا ہے اور دوسرے اسے قبول کرنے میں دیر نہیں کرتے۔

---

(۱) القاموس الجدید، مولانا وحید الزماں القاسمی کیرانوی، ادارہ اسلامیات پبلشرز، لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص:۱۹۶

(۲) القاموس المحیط، محمد بن یعقوب فیروزآبادی، مؤسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ، ۳/۲۱۰

(۳) ابو حیان الاندلسی: آپ کا نام محمد بن یوسف بن علی تھا۔ آپ عربی، تفسیر، حدیث، تراجم اور لغت کے عالم تھے۔ آپ غرناطہ (ہسپانیہ کے جنوب میں واقع ایک تاریخی شہر) میں پیدا ہوئے۔ پھر مالقہ (جنوبی ہسپانیہ میں واقع اندلوسیا کا ایک صوبہ) کی طرف سفر کیا۔ بعد میں قاہرہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں آپ کی وفات ہوگئی (الاعلام، ۷/۱۵۲)

(۴) تفسیر البحر المحیط، محمد بن یوسف الشہیر بابی حیان الاندلسی، (محقق: شیخ عادل احمد عبد الموجود، شیخ علی محمد معوض)، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۲۰۰۱ء، ۵/۵۳۱

(۵) تفہیم القران، ابو الاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۸۲ء، ۲/۵۸۱

اللہ تعالی نے جو دعوت کا طریقہ بتایا ہے اس میں حکمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾(۱)

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے پورا واقف ہے۔

اس آیت قرآنی میں دعوت حق کا حکم اور اس کے اہم آداب کی تعلیم و تلقین کی گئی ہے۔ ابوبرکات النسفی حکمت کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ:

" بالمقالة الصحيحة المحكمة وهو الدليل الموضح للحق المزيل للشبهة "(۲)

ترجمہ: مضبوط اور صحیح بات کے ساتھ اور وہ حق کو واضح کرنے والی اور شبہ کو دور کرنے والی دلیل ہے۔

گویا کہ حکمت ایسی محکم اور پختہ دلیل جو حقیقت کے عین مطابق ہو۔ جو حق کو واضح کرے اور جس میں کوئی غلطی نہ ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا))(۳)

ترجمہ: حکمت مومن کی متاع گم گشتہ ہے جہاں ملے وہ دوسروں کے مقابلے میں اسے لینے کا زیادہ حقدار ہے۔

اس حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حکمت مومن کی کھوئی ہوئی چیز ہے، جہاں بھی ملے وہ اسے لینے کا زیادہ مستحق ہے۔

آپ ﷺ کی حکمت و دانائی کی تعلیم کی وجہ سے عرب قبائل کے جاہل اور بدو علم کی دولت سے سرفراز ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے احکامات کو اتنی حکمت اور دانائی کے ساتھ لوگوں تک پہنچائے کہ سننے والوں کو ان کو قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ اگر کسی نے آپ ﷺ کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو صرف اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے کیا۔

---

(۱) سورۃ النحل: ۱۲۵/۱۶

(۲) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۲/۲۵۳

(۳) الجامع الکبیر، کتاب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقہ، حدیث نمبر: ۲۶۸۷، ۹/۳۴۸

داعی اگر کردار کی پاکیزگی کے ساتھ حکمت کے اسلوب کا بھی حامل ہو تو وہ ضرور کامیاب ہو گا۔ دعوت چاہے کتنی پر کشش کیوں نہ ہو اگر اسے حکیمانہ انداز میں پیش نہ کیا جائے گا وہ معاشرے میں اپنا اثر نہیں دکھا سکتی۔ داعی کو دعوت کے دوران مخاطب کی ہر طرح کی جارحیت کے باوجود صبر سے کام لینا چاہیے اور اس کو جواب دینے سے گریز کرنا چاہیے ۔ حکمت کی وجہ سے دین کو فروغ حاصل ہوتا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام ؑ کو حکمت کی دولت سے نوازا تھا۔

گویا کہ داعی کو حکمت کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے۔ اس طرح کے طرز عمل سے مخاطب داعی کی دعوت کی طرف متوجہ ہو گا اور حق کو قبول کرنے پر آمادہ ہو گا۔

۲۔ موقع و محل

دعوت کے عمل میں موقع و محل کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے اگر داعی مناسب وقت کے بغیر لوگوں کو دعوت دینا شروع کر دے گا تو دعوت ان کے لئے بوجھ بن جائے گی اور وہ اس سے گھبرانے لگیں گے۔ اس لئے داعی کو ہمیشہ مناسب وقت کا انتخاب کرنا چاہیے اور پھر اس سے بھرپور فائدہ اٹھائے۔ امین احسن اصلاحی [۱] موقع و محل کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”ایک داعی کو اپنے گردو پیش کا پوری ہوشیاری اور مستعدی کے ساتھ جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ دعوت کی تخم ریزی کے لئے کب کوئی موزوں موقع ہاتھ آتا ہے۔ جونہی وہ محسوس کرے کہ اس کے مقصد کے لئے کوئی موقع پیدا ہو گیا ہے، بغیر کسی توقف کے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنی چاہیے۔“ [۲]

دعوت میں داعی کو موقع و محل کا خاص خیال رکھنا چاہیے۔ مخاطب جب نکتہ چینی اور اعتراض کرنا شروع کر دے تو داعی بحث کو ختم کر دے اور کسی مناسب وقت کا انتظار کرے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ﴾ [۳]

ترجمہ: اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔

---

(۱) امین احسن اصلاحی: آپ ۱۹۰۴ء میں ہندوستان کے ایک گاؤں ”بمہور“ ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تفسیر تدبر قرآن کے علاوہ مختلف دینی، علمی اور سیاسی موضوعات پر تقریبا بیس کے قریب تصانیف لکھیں۔ آپ کا انتقال ۱۴ دسمبر ۱۹۹۷ء کو لاہور میں ہوا (تفسیر 'تدبر القرآن' ایک تنقیدی جائزہ، حافظ افتخار احمد، بزم اردو لائبریری)

(۲) دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، امین احسن اصلاحی، فاران پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۴۵

(۳) سورۃ انعام: ۶/ ۶۸

اس آیت قرآنی میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کا مذاق اڑایا جارہا ہو۔ ایسی مجالس میں غلط باتوں پر تنقید کرنے اور کلمہ حق بلند کرنے کی نیت سے تو شرکت جائز ہے بصورت دیگر سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔ اس لئے ایسی جگہ سے اٹھ جانا چاہیے۔ دعوت قرآن میں اس آیت کی وضاحت اس طرح بیان ہوتی ہے:

> ''یہ تذکیر و دعوت کے سلسلہ میں ایک اہم ہدایت ہے جو اہلِ ایمان کو دی گئی ہے۔ کسی ایسی مجلس میں جہاں قرآن کا یا اس کے احکام کا مذاق اڑایا جارہا ہو یا لوگ بحث میں الجھ کر کفر بک رہے ہوں وہاں بیٹھنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے۔ کوئی مخلص مسلمان ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہیں کر سکتا جہاں اس کے دین کو مجروح کیا جارہا ہو۔ یہاں اس ہدایت کے ساتھ یہ تاکید بھی کر دی گئی ہے کہ اگر کبھی شیطان کے بھلاوے میں ڈالنے کی وجہ سے یہ ہدایت یاد نہ رہے تو جوں ہی یاد آجائے ایسی مجلس سے اٹھ جاؤ۔''
> (۱)

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ داعی کو موقع و محل دیکھ کر دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دینا چاہیے۔ قرآن مجید میں موقع و محل سے فائدہ اٹھانے کے لئے بہترین اسوہ حضرت یوسف ؑ کا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ (۲)

ترجمہ: اے میرے قید خانے کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا ایک اللہ زبردست طاقتور۔

اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف ؑ سے جب جیل میں دو آدمی اپنے خواب کی تعبیر پوچھنے آتے ہیں تو حضرت یوسف ؑ اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ آپ ؑ انہیں خواب کی تعبیر بتا کر صرف رخصت نہیں کر دیتے ہیں بلکہ ایسا انداز اختیار کرتے ہیں کہ گویا بات سے بات پیدا ہو گئی ہو اور آپ ؑ ارادہ کئے بغیر ہی بات کر رہے ہیں۔ روح القرآن میں اس آیت کی تفسیر بیان ہوتی ہے کہ:

> ''ان آیات کی ترتیب انتہائی حیران کن اور نہایت فطری ہے۔ غور کیجیے کہ دو نوجوان جو حضرت یوسف ؑ کی پاکیزہ زندگی کو دیکھ کر آپ ؑ کی عقیدت سے بہرہ یاب ہوتے ہیں، آپ ؑ کی بصیرت کا تجربہ کر کے آپ ؑ پر اعتماد کا اظہار کرتے ہیں باوجود اس کے کہ آپ ؑ نے کبھی ان سے علم تعبیر کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی، لیکن وہ آپ ؑ کی شخصیت سے اس حد تک متاثر ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایک آپ ؑ ہی ہیں جو انہیں ان کے

---

(۱) دعوت قرآن، شمس پیرزادہ، ادارہ دعوۃ القرآن محمد علی روڈ، بمبئی، ۱۹۸۸ء، ۳/۲۵۰

(۲) سورۃ یوسف: ۱۲/۳۹

خوابوں کی تعبیر بتا سکتے ہیں۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف ؑ نے محض ان کے اظہار عقیدت کو اپنا سرمایہ نہیں بنایا۔ بلکہ آپ ؑ نے اسے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ کے لیے استعمال کرنے کے موقع میں تبدیل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر چونکہ اللہ تعالیٰ کا دین لوگوں تک پہنچانے کے لیے مبعوث کیے جاتے تھے، اس لیے ان کی سب سے بڑی حرص یہ ہوتی ہے کہ جس طرح ممکن ہوسکے اللہ تعالیٰ کے دین کو لوگوں کے دماغوں میں اتارا جائے۔ اس لیے وہ نہایت حکمت سے موقع پیدا کرتے ہیں اور پھر اس سے فائدہ اٹھا کر دین کی تبلیغ کرتے ہیں۔ حضرت یوسف ؑ کی شخصیت نے یہ موقع پیدا کیا اور آپ ؑ نے اس سے فائدہ اٹھا کر پہلی ہی فرصت میں ان کے سامنے دین کی دعوت رکھی"۔(۱)

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف ؑ نے موقع و محل سے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو اللہ تعالی کے دین کی دعوت و تبلیغ کا کام سرانجام دیا۔

جب مخاطب کسی ایسی دلچسپی میں مصروف ہو جس کو چھوڑ کر دعوت کی طرف متوجہ ہونا اس کے لئے مشکل ہو تو ایسے موقع پر داعی کو خاموش رہنا چاہیے۔ آپ ﷺ فرمایا:

((قَالَ حَدِّثْ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ فَمَرَّتَيْنِ فَإِنْ أَكْثَرْتَ فَثَلَاثَ مِرَارٍ وَلَا تُمِلَّ النَّاسَ هَذَا الْقُرْآنَ وَلَا أُلْفِيَنَّكَ تَأْتِي الْقَوْمَ وَهُمْ فِي حَدِيثٍ مِنْ حَدِيثِهِمْ فَتَقُصُّ عَلَيْهِمْ فَتَقْطَعُ عَلَيْهِمْ حَدِيثَهُمْ فَتُمِلُّهُمْ وَلَكِنْ أَنْصِتْ فَإِذَا أَمَرُوكَ فَحَدِّثْهُمْ وَهُمْ يَشْتَهُونَهُ فَانْظُرْ السَّجْعَ مِنْ الدُّعَاءِ فَاجْتَنِبْهُ فَإِنِّي عَهِدْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابَهُ لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ يَعْنِي لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا ذَلِكَ الِاجْتِنَابَ))(۲)

ترجمہ: انہوں نے بیان کیا کہ ہر جمعہ کو ایک بار وعظ کہو اگر اس سے زیادہ چاہو تو دو بار اور اس سے زیادہ چاہو تو تین بار، لیکن لوگوں کو اس قرآن سے تھکا نہ دو اور میں تمہیں ایسا کرتا ہوا نہ پاؤں کہ تم کسی جماعت کے پاس آؤ جو اپنی گفتگو میں مشغول ہوں اور تم ان کی بات کاٹ کر انہیں وعظ کہنے لگو جس سے وہ پریشان ہو جائیں بلکہ خاموش رہو اور جب وہ تم سے وعظ کہنے کو کہیں اور اس کی خواہش ظاہر کریں تو وعظ کہو لیکن دعاء میں قافیہ آرائی سے بچو، اس لئے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو دیکھا ہے کہ اسی طرح کرتے تھے، یعنی اس سے اجتناب ہی کرتے تھے۔

---

(۱) روح القرآن، ڈاکٹر محمد اسلم صدیقی، ادارہ ھدی للناس، لاہور، ۲/ ۳۳۰

(۲) صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب مایکرہ من السجع فی الدعاء، حدیث نمبر: ۶۳۳۷، ۱۶/ ۸۸

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو تلقین فرمائی ہے کہ مخاطب اگر فارغ اور دعوت کے خواہش مند ہوں تو تب دعوت پیش کرنی چاہیے۔ اگر وہ مصروف ہوں تو دعوت کو نہیں پیش کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس طرح وہ اکتا جائیں گے اور صحیح طرح دعوت کے پیغام کو سمجھ نہیں سکیں گے۔ ابن حجر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"وأنه لا ينبغي نشر العلم عند من لا يحرص عليه ويحدث من يشتهي بسماعه لأنه أجدر أن ينتفع به"(۱)

ترجمہ: اور علم کا اس شخص کے نزدیک پھیلانا لائق نہیں ہے جس کو اس کی حرص نہ ہو اور اس کو بیان کرنا چاہیے جو اس کو سننے کی خواہش رکھتا ہے اس وجہ سے کہ وہ اس سے فائدہ پانے کا لائق تر ہے۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ مبلغ و داعی کو اس وقت تبلیغ کرنی چاہیے جب مخاطب فارغ ہو۔ کیونکہ اس طرح وہ داعی کی بات کو سمجھے گا اور ممکن ہے قبول بھی کر لے۔

آپ ﷺ کے اسوہ مبارکہ میں بہت سی مثالیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے دعوت کے کام کے لئے موقع و محل سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ ﷺ نے جب اعلانیہ دعوت کا آغاز کیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو کھانے پر بلایا اور کھانے کے بعد جس انداز سے انہیں دعوت دی وہ موقع و محل کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

" إن الرائد لا يكذب أهله، والله لويكذب اهله والله لوكذبت الناس حميعا ما كذبتم وغررت الناس ما غررتكم والله الذي لا إله إلا هو، إني رسول الله إليكم خاصة وإلى الناس عامة، والله لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملون ولا تجزون بالاحسان احسانا و بالسوء سوء وإنها الجنة أبدًا أو النار أبدًا "(۲)

ترجمہ: قافلے کا پیشرو اپنے قافلے والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، بالفرض و محال اگر میں دوسروں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا، بالفرض و محال اگر میں ساری دنیا کے ساتھ میں دھوکہ کروں تو میں تم سے دھوکہ نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی اور معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں، تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم، بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی، جس طرح نیند آتی ہے اور قبروں سے یوں اٹھائے جاؤ گے، جیسے تم خواب سے بیدار ہوئے ہو، اور جو عمل تم کرتے ہو، ان کا محاسبہ ہو گا، تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے کاموں کی بری جزا دی جائے گی۔ ٹھکانہ یا ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔

---

(۱) فتح الباری، ۱۱/ ۱۳۹

(۲) السیرۃ الحلبیہ، علی بن برہان الدین الحلبی، مطبوعہ مصر، ۱۹۸۳ء، ۱/ ۲۷۲

آپ ﷺ کے اس طرح کے انداز نے کئی لوگوں کے دلوں پر اثر کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ مکہ میں صادق وامین کے طور پر پہچانے جاتے تھے اور وہ آپ ﷺ کو جھوٹا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ایک گاؤں سے واپسی پہ مدینہ کے بازار سے گزر رہے تھے اور وہاں پہ چھوٹے کانوں والا ایک مردہ بکری کا بچہ پڑا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے کان پکڑ کر فرمایا:

((أَتَرَوْنَ هَذِهِ هَانَتْ عَلَى أَهْلِهَا حِينَ أَلْقَوْهَاقَالُوا مِنْ هَوَانِهَا أَلْقَوْهَا))(۱)

ترجمہ: تم لوگ دیکھ رہے ہو کہ کس طرح اس کے مالکوں نے اسے بے قیمت سمجھ کر کیسے پھینک دیا ہے جانتے ہو کیوں اس لئے کہ یہ ان کے نزدیک ذلیل اور حقیر ہو گیا ہے۔

صحابہ کرام ؓ نے بھی کہا کہ یہی وجہ ہو گی۔ آپ ﷺ نے ان کا جواب سن کر فرمایا:

((فَالدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هَذِهِ عَلَى أَهْلِهَا))(۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس سے بھی ذلیل ہے اور حقیر ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے موقع و محل سے فائدہ اٹھا کر صحابہ کرام ؓ کو اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی حیثیت کے بارے میں بیان فرمایا۔ داعی کو ہمیشہ اپنے ارد گرد کے حالات کا جائزہ لینا چاہیے اور جب بھی کوئی موزوں موقع ہاتھ آئے تو اپنی دعوت کو مؤثر بنانے کے لئے اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۳۔ مخاطب کی نفسیات

داعی کو مخاطب کی ذہنی استعداد کے مطابق بات کی جائے۔ اگر کسی عام مخاطب سے منطقی اور فلسفیانہ انداز میں اور دانشور کو بے ڈھنگ انداز میں دعوت دی جائے تو یہ صحیح طریقہ نہیں ہے۔ جس طرح بے موسم کی بارش زمین کے لئے بے اثر ہوتی ہے اور الٹا نقصان دیتی ہے اسی طرح اس طرح کا انداز دعوت کے لئے نقصان دہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا
:

((أُمِرْنا أن نُكلِّمَ الناسَ على قدْر عقولِهم))(۳)

ترجمہ: ہمیں حکم ہے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کریں۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ بیان کر رہے ہیں کہ نفسیات انسانی کے بنیادی پہلوؤں کو جاننا ضروری ہے کیونکہ انسان کے مزاج فہم و شعور کی استعداد، طبیعت اور علم میں ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی حکم دیا ہے کہ دوسرے انسان کے مزاج، عقل اور نفسیات کے مطابق بات کی جائے۔ آپ ﷺ نے اپنی تبلیغی پالیسی اسی اصول پر مرتب فرمائی۔ امین احسن اصلاحی لوگوں کی نفسیات کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) الجامع الکبیر، کتاب الزہد عن رسول اللہ، باب ما جاء فی ہوان الدنیا، حدیث نمبر:۲۳۲۱، ۴/۳۸۳

(۲) ایضا

(۳) مسند فردوس، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ دیلمی، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ، ۱/۳۸۳

"زمینوں کی طرح دلوں اور روحوں کے بھی موسم ہوتے ہیں اور ایک داعی کا فرض ہے کہ ان موسموں سے اسی طرح واقف ہو جس طرح ایک دھقان زمین کی فصل اور موسموں کو پہچانتا ہے۔"(۱)

داعی مخاطب کی کمزوریوں کا لحاظ رکھے اور داعی مخاطب کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرے جو مخاطب کی عصبیت جاہلی کو بھڑکا دے اور وہ داعی سے نفرت کرنا شروع کر دے۔ داعی کو مخاطب کے معتقدات وروایات کے بارے میں محتاط انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: اور گالی مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ جاہلانہ ضد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے ہم نے اسی طرح ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل مرغوب بنا رکھا ہے پھر اپنے رب ہی کے پاس ان کو جانا ہے سو وہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ بھی کیا کرتے تھے۔

اس آیت قرآنی میں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنی دعوت و تبلیغ کے جوش میں وہ اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ معاملہ بحث و تکرار سے بڑھ کر گالی گلوچ تک پہنچ جائے، کیونکہ یہ چیز ان کو حق سے قریب کرنے کے بجائے اور زیادہ دور کر دے گی اور ضد میں وہ بھی تمہارے معبود کی تذلیل کریں گے۔ داعی تبلیغ و نصیحت کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے اب جو کفر و شرک یہ لوگ کریں اس کے ذمہ دار خود ہیں تم پر اس کی کچھ ذمہ داری نہیں۔ امین احسن اصلاحی اپنی کتاب تدبر القرآن میں اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"دعوت کے نقطہ نظر سے بابرکت اور نتیجہ خیز طریقہ یہی ہے کہ بات اصول عقائد ہی تک محدود رہے تاکہ مخاطب کے اندر کسی بیجا عصبیت کا جذبہ جاہلی ابھرنے نہ پائے۔ اگر توحید کا تقاضائے عقل و فطرت ہونا اور شرک کا بالکل بے ثبات و بے بنیاد ہونا ثابت ہو جائے تو ان مزعومہ معبودوں کی خدائی آپ سے آپ ختم ہو جاتی ہے، ان کو سب و شتم کا ہدف بنانے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ برعکس اس کے اگر بحث کے جوش میں ان چیزوں کو لوگ برا بھلا کہنا شروع کر دیتے، جن کی عقیدت پشتہاپشت سے مشرکین کے دلوں میں رچی بسی ہوئی تھی تو اس کا نفسیاتی اثر ان پر یہی

---

(۱) دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص:۵۳

(۲) سورۃ انعام: ۶/ ۱۰۸

پڑ سکتا تھا کہ وہ مشتعل ہو کر نعوذ باللہ خدا کو گالیاں دینے لگتے اور پھر کوئی بات بھی سننے
کے لیے تیار نہ ہوتے۔"(۱)

داعی کو مخاطب کی نفسیات اور عقائد کو ملحوظ خاطر رکھ کر ایسی تمام باتوں کے بارے میں احتیاط کرنی چاہیے جو مخاطب کی عصبیت جاہلیت کو بھڑکانے والی ہو۔ اس طرح وہ داعی کی باتوں کو نہیں مانے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مخاطب کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر ان کے سوالوں کے جوابات دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا ہے اور سب سے افضل عمل کے بارے میں سوال کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے جواب دیتے ہیں کہ جہاد سب سے افضل عمل ہے، دوسرا شخص یہی سوال کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سب سے افضل نماز بتاتے ہیں، تیسرا شخص سوال کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے حسن اخلاق کی تلقین فرماتے ہیں، کسی کو بتاتے ہیں کہ بھوکوں کو کھانا کھلانا اور واقف ناواقف کو سلام کرنا افضل عمل ہے۔(۲) بظاہر ایک ہی طرح کے سوال کے جواب میں مختلف النوع جوابات عجیب طرح سے معلوم ہوتے ہیں، مگر حقیقتاً ان جوابات میں مخاطب کی ذہنیت اور نفسیات کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اس لئے داعی کو ہمیشہ مخاطب کی نفسیات اور ذہنی استعداد کے مطابق بات کرنی چاہیے۔

۴۔ تدریج

دعوت دینے کا ایک اہم طریقہ کار تدریج ہے۔ تدریج کا مطلب یہ ہے کہ داعی ایک ہی بار شریعت کے تمام احکامات کا بوجھ مخاطب کی گردن پر نہ لاد دے بلکہ آہستہ آہستہ اس کے سامنے سارے احکام پیش کرے۔ اس طریقے کے مطابق داعی لوگوں کو رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ دعوت دیتا ہے۔ کسی بھی نئی قوم کو دعوت دینے کے وقت ابتدا میں ہی شریعت کے تمام احکامات کے بارے میں نہیں بتانا چاہیے بلکہ رفتہ رفتہ ان کے سامنے پیش کیے جائیں۔ سب سے پہلے توحید و رسالت اور دیگر عقائد پھر عبادات اور عبادات میں پہلے نماز اور پھر آہستہ آہستہ دوسرے فرائض پیش کیے جائیں۔(۳) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ترتیب کے ساتھ نازل کرنے کا مقصد یہ بتایا:

﴿وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَه عَلَي النَّاسِ عَلٰي مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا﴾(۴)

ترجمہ: قرآن کو ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے اس لئے اتارا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بہ مہلت لوگوں کو سنائیں اور ہم نے خود بھی اسے بتدریج نازل فرمایا۔

اس آیت قرآنی میں قرآن حکیم کا نزول تدریج کے ساتھ اتارے جانے کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے تئیس سال کے طویل عرصے میں حالات و واقعات اور حوادث و نوازل کے مطابق خاص تدریج کے

---

(۱) تدبر القرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، نومبر ۲۰۰۹ء، ۳/۱۳۵

(۲) رسول خدا کا طریق تربیت، سراج الدین ندوی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۵ء، ص:۲۴

(۳) سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ۲/۴۳۴

(۴) سورۃ الاسراء: ۱۷/۱۰۶

ساتھ اتارا ہے۔ تاکہ یہ دلوں میں اترتا اور ذہنوں میں بیٹھتا چلا جائے اور لوگ اس کے معانی و مطالب کو اچھی طرح سمجھ لیں اور اس کے احکام کو صحیح طور اپنا لیں۔ ثناء اللہ قرآن مجید کا تدریج کے ساتھ اتارے جانے کی وضاحت اس طرح بیان کرتے ہیں:

"فانه أيسر للحفظ وأعون للفهم"(۱)

ترجمہ: (قرآن کو وقفہ وقفہ سے تھوڑا تھوڑا اتارنے کی حکمت یہ ہے) کہ لوگوں کو سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

اس طرح داعی کو مخاطب کو تدریج کے ساتھ دعوت دینی چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ دعوت کے کام میں تدریج کے پہلو سے کام لیا۔ جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے انہیں دین کی دعوت اور احکام کو حکمت اور تدریج کے ساتھ لوگوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْيَمَنِ قَالَ إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ أَهْلِ كِتَابٍ فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ عِبَادَةُ اللَّهِ فَإِذَا عَرَفُوا اللَّهَ فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ فَإِذَا فَعَلُوا فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ فَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَتُرَدُّ عَلَى فُقَرَائِهِمْ فَإِذَا أَطَاعُوا بِهَا فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ))(۲)

ترجمہ: کہ رسول اللہ ﷺ نے معاذ ؓ کو جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، انہیں سب سے پہلے اللہ کی عبادت کی طرف بلاؤ، جب وہ اللہ تعالیٰ کو جان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر پانچ نمازیں دن رات میں فرض کی ہیں، جب وہ یہ کر لیں تو انہیں بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے مالوں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں کو دی جائے گی۔ جب وہ یہ مان لیں تو ان سے زکوٰۃ وصول کر لیں لیکن ان کے عمدہ مال لینے سے بچتے رہو۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل ؓ کو دین کی دعوت اور احکام کو حکمت اور تدریج کے ساتھ لوگوں کو پیش کرنے کا حکم دیا۔

دین ایک نظام ہے اور جب تک حکیمانہ ترتیب سے اس نظام کو پیش نہیں کیا جائے گا تو مطلوبہ نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔ اسی حقیقت کو حضرت عائشہ ؓ نے اس طرح بیان کیا:

---

(۱) التفسیر المظہری، ۵/ ۴۹۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا تو خذ کرائم اموال الناس فی الصدقہ، حدیث نمبر: ۱۴۵۸، ۳/ ۴۹۸

((إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ مِنْ الْمُفَصَّلِ فِيهَا ذِكْرُ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ حَتَّى إِذَا ثَابَ النَّاسُ إِلَى الْإِسْلَامِ نَزَلَ الْحَلَالُ وَالْحَرَامُ وَلَوْ نَزَلَ أَوَّلَ شَيْءٍ لَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ لَقَالُوا لَا نَدَعُ الْخَمْرَ أَبَدًا وَلَوْ نَزَلَ لَا تَزْنُوا لَقَالُوا لَا نَدَعُ الزِّنَا أَبَدًا))(۱)

ترجمہ: سورت مفصل میں سب سے پہلے وہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال و حرام کی آیت نازل ہوئی اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہو جاتی کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ داعی کو ہمیشہ رفتہ رفتہ اور درجہ بدرجہ دعوت دینی چاہیے۔ داعی اگر تدریج کے اصول کے بغیر دعوت دینا شروع کر دے گا تو اس کا انجام اس طرح ہوگا جیسے حرف سیکھنے والے مبتدی کو جملے لکھوانا شروع کر دیں یا پاؤں پاؤں چلنے والے بچے کو دوڑ میں شریک کر دیا جائے۔

۵۔ موعظہ حسنہ

داعی کو مخاطب کو ہمیشہ نصیحت اس طریقے سے کرنی چاہیے کہ جس میں خیر خواہی، اخلاص، ہمدردی اور نرم خوئی ٹپکتی ہو اور اس سے مخاطب کا دل نرم پڑ جائے۔ مخاطب یہ سمجھے داعی اس کی بھلائی چاہتا ہے۔ وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتا ہے اور پھر وہ دعوت قبول کر لیں گا۔ عمدہ نصیحت ایک ایسا عمل ہے جو لوگوں کے دلوں کو نرم کر کے اسلام کی طرف مائل کرتا ہے۔ انکے سامنے ایسی چیزوں کا ذکر کیا جائے جن کی وجہ سے وہ آسانی کے ساتھ دعوت کو قبول کر لے۔ مثلا دنیا کے فنا ہونے کا ذکر، موت کا ذکر، آخرت کی ہولناکیوں کا ذکر، اور عذاب جہنم وغیرہ۔ قرآن مجید میں اسی حقیقت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ (۲)

ترجمہ: پرہیز گاروں کے لئے وعظ و نصیحت کا۔

اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ ڈرنے والوں کے لئے نصیحت ہے۔ الجامع لاحکام القرآن میں موعظۃً للمتقین کے بارے میں ماوردی (۳) نے کہا:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب تالیف القرآن، حدیث نمبر: ۴۹۹۳، ۱۲/ ۴۳۴

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/ ۶۶

(۳) ماوردی: آپ ۳۶۴ھ کو بصرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ قاضی، فقیہ اور عالم تھے۔ آپ کی کتاب احکام السلطانیہ بہت مشہور ہے۔ آپ نے ۴۵۰ھ کو بغداد میں وفات پائی (اندیشہ و عمل سیاسی ماوردی، حی بن یقظان، حق (مطالعات حقوقی و قضایی) زمستان، ۱۳۶۵ھ، شمارہ ۸، ص: ۳۸)

''وَخَصَّ الْمُتَّقِينَ وَإِنْ كَانَتْ مَوْعِظَةَ لِلْعَالَمِينَ لِتَفَرُّدِهِمْ بِهَا عَنْ الْكَافِرِينَ الْمُعَانِدِينَ ''(۱)

ترجمہ: المتقین کو نصیحت کے لئے خاص کیا گیا ہے اگرچہ یہ تمام لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کافر معاندین سے متقین نصیحت قبول کرنے میں منفرد ہوتے ہیں۔

زجاج(۲) نے کہا:

''وَمَوْعِظَةَ لِلْمُتَّقِينَ لِأُمَّةِ مُحَمَّد صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْتَهِكُوا مِنْ حُرَم اللَّه جَلَّ وَعَزَّ مَا نَهَاهُمْ عَنْهُ فَيُصِيبهُمْ مَا أَصَابَ أَصْحَاب السَّبْت ; إِذْ اِنْتَهَكُوا حُرَم اللَّه فِي سَبْتهمْ''(۳)

ترجمہ: موعظۃً للمتقین یعنی امت محمدیہ کے لئے نصیحت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے انہیں منع فرمایا ہے وہ ان کے ارتکاب سے بچیں کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں اصحاب السبت جیسا عذاب پہنچے جو انہیں ہفتہ کے دن اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ افعال کے ارتکاب کی وجہ سے پہنچا۔

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ پرہیزگاروں کے لئے وعظ و نصیحت ہے، کیونکہ وہی لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (٤)

ترجمہ: یقیناً نصیحت وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہوں۔

اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ جب نصیحت کی جاتی ہے تو صرف وہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں جو صاف ستھری اور تیز عقل کے مالک ہیں۔ پس یہی لوگ اعلیٰ کو ادنیٰ پر مقدم رکھتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ علم کو جہالت پر اور اللہ کی اطاعت کو اس کی مخالفت پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ ان کی عقل ان کو عواقب میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے۔ اس کے برعکس بے عقل شخص اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنالیتا ہے۔

دعوت میں جب تک دلائل کے ساتھ جذباتی اخلاص نہیں ہوگا تو وہ مخاطب پر اثر نہیں کر سکتی۔ اس لئے نصیحت اتنی عمدہ ہونی چاہیے کیونکہ جذبات انسانی شخصیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر مخاطبین دعوت میں مخالفت کریں تو

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی (المتوفی: ۶۷۱ھ)، (محقق: ہشام سمیر)، دار عالم الکتب، الریاض، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۳م، ۱/۴۴۴

(۲) زجاج: آپ کا نام ابراہیم بن محمد السری بن سہل الزجاج اور کنیت ابو اسحاق تھی۔ آپ ادب اور نحو کے علما میں سے تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۳۱۱ھ کو وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۲۷/۴۰۹)

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۱/۴۴۴

(۴) سورۃ الزمر: ۳۹/۹

ان کی مخالفت پر مشتعل ہونے کے بجائے صبر سے کام لینا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ کو مخالفین کی طرف سے مخالفت اور ایذا کا سامنا ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔

اس آیت قرآنی میں نبی اکرم ﷺ کو مخالفین کی برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ دعوت حق کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے داعی حق کو ان اوصاف سے متصف اور ان مکارم اخلاق سے مسلح اور مزین ہونا چاہیے۔ اس آیت کی تفسیر میں ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ (۲)، ابن ابی حاتمؒ اور بیہقیؒ (۳) اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"أمر الله المؤمنين بالصبر عند الغضب والحلم عند الجهل والعفو عند الإساءة فإذا فعلوا ذلك عصمهم الله من الشيطان وخضع لهم عدوهم كأنه ولي حميم" (۴)

ترجمہ: کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو غصہ کے وقت صبر کا حکم فرمایا اور جہالت کے وقت بردباری کا حکم فرمایا، اور زیادتی کے وقت معافی کا حکم فرمایا، جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو شیطان سے محفوظ کر دے گا، اور اس کے دشمن کو انکے لئے سرنگوں کر دے گا " کانہ ولی حمیم " (گویا کہ وہ گہرا دوست ہے)۔

آپ ﷺ نے بعض دفعہ یہ طریقہ اختیار کیا کہ کسی کی غلطی پر متنبہ فرمانے اور اس کو نصیحت کرنے کے لئے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا۔ مثلاً حضرت عمار بن یاسرؓ (۵) بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ جب وہ سفر سے لوٹے تو ان کے ہاتھ پھٹے ہوئے تھے تو ان کے گھر والوں نے ان کے ہاتھوں پر زعفران لگا دیا۔ صبح جب وہ آپ ﷺ کی خدمت میں

---

(۱) سورۃ فصلت: ۴۱/ ۳۴

(۲) ابن المنذرؒ: آپ کا نام محمد بن ابراہیم اور کنیت ابو بکر تھی۔ آپ ۲۴۲ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ مجتہد اور حافظ تھے۔ آپ نے بہت سی تصانیف لکھیں۔ آپ نے ۳۱۹ھ کو مکہ میں وفات پائی (الاعلام، ۵/ ۲۹۴)

(۳) بیہقیؒ: آپ کا نام احمد بن حسین بن علی اور کنیت ابو بکر تھی۔ آپ خسروجرد نامی بستی میں پیدا ہوئے جو بیہق (نیشاپور) کے نواح میں واقع ہے۔ آپ محدث تھے۔ آپ نے نیشاپور میں وفات پائی (الاعلام، ۱/ ۱۱۶)

(۴) الدر المنثور فی التفسیر بالمأثور، ۷/ ۳۲۷

(۵) حضرت عمار بن یاسرؓ: آپ کی کنیت ابو یقظان تھی۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنہوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ کی والدہ سمیہ پہلی خاتون تھیں جو اللہ کی راہ میں شہید کی گئیں۔ آپ نے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بہت تکلیفیں برداشت کیں۔ آپ جنگ صفین میں شہید ہوئے (اسد الغابۃ، ۲/ ۳۰۸)

حاضر ہوئے تو انہوں نے آپ ﷺ کو سلام دیا تو آپ ﷺ نے ان کے سلام کا جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ جاؤ اور اپنے ہاتھ دھو کر آؤ۔(۱)

داعی مخاطب کے ساتھ ہمیشہ نرمی، شفقت، ہمدردی اور اخلاق حسنہ کے انداز میں بات کرے۔ اس طرح مخاطب یہ محسوس کرے گا کہ داعی حقیقی معنوں میں اس کا خیر خواہ ہے اور وہ اس کی بھلائی چاہتا ہے۔ اس طرح اس کا دل نرم ہو جائے گا اور وہ داعی کی دعوت کو قبول کر لے گا۔ داعی کو مخاطب کے ساتھ ایسا طرز عمل اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ مخاطب کو یہ محسوس ہو کہ داعی اسے جاہل، حقیر اور بے وقوف سمجھتا ہے۔

۶۔ رفق و نرمی

داعی کو دعوت میں نرم انداز اختیار کرنا چاہیے اور مخاطب کے ساتھ نرم لب و لہجہ میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی نے انبیاء کرامؑ کو بھی اپنے بدترین مخالفین کے ساتھ بھی نرمی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ جب اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو پیغام رسانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت فرمائی:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّه طَغٰی ۝ فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّه يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾(۲)

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

ان آیات قرآنی میں حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو اللہ تعالی حکم دے رہے ہیں کہ وہ دونوں فرعون کو دعوت دینے جائیں اور دعوت میں نرمی اختیار کریں۔ دعوت میں رفق و نرمی اختیار کرنے کی اس سے بہتر کوئی مثال نہیں مل سکتی کیونکہ انبیاء کرامؑ سے بہتر کوئی داعی نہیں ہو سکتا اور فرعون سے بڑھ کر کوئی سرکش اور باغی نہیں ہو سکتا۔ کرم شاہ اپنی کتاب ضیاء القرآن میں ان آیات کی وضاحت بیان کرتے ہیں:

> ''ہر مبلغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو اکہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہ رہیں ہیں۔ اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہو گا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔''(۳)

---

(۱) مشکوۃ المصابیح، محمد بن عبد اللہ الخطیب التبریزی (المتوفی: ۷۴۱ھ)، (محقق: محمد ناصر الدین الالبانی)، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء، ص: ۳۸۱

(۲) سورۃ طہ: ۲۰/ ۴۳۔۴۴

(۳) ضیاء القرآن، ۳/ ۱۱۳

اس سے پتا چلتا ہے کہ داعی کو ہمیشہ مخاطب کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کو نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے نرمی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ))(۱)

ترجمہ: اللہ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی کی وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالی کی صفت بیان کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم و مہربان ہے اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خود بھی نرم و مہربان ہے اور ان انسانوں سے راضی ہوتے ہیں۔ جو اپنے تمام امور میں ایک دوسرے سے نرم خوئی اور مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو سہولت و آسانی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نرمی کو پسند کرتا ہے۔ نرمی اختیار کرنے والے کو اللہ تعالی بہت نوازتا ہے۔ محمد سرور(۲) اس حدیث کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اللہ تعالی کی شریعت آسان ہے۔ اس کے احکام نرم ہیں۔ وہ بندوں پر رحیم و شفیق ہے اور اسی عادت کو بندوں میں بھی پسند کرتا ہے۔ اس نے بندوں کو ایک دوسرے سے نرم سلوک کرنے، محبت کرنے، ہمدردی اور خیر خواہی کے احکام دیئے ہیں۔"(۳)

ایک اور جگہ پہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ يُحْرَمْ الرِّفْقَ يُحْرَمْ الْخَيْرَكُلَّهُ))(۴)

ترجمہ: جس کو نرم روی سے محروم کیا گیا اس کو ہر خیر سے محروم کیا گیا۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے نرمی و مہربانی کے وصف کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے اس عظیم وصف کو حاصل کرنے کی ترغیب دلائی ہے اور سختی کی مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بات واضح فرمائی ہے کہ نرمی و مہربانی تمام بھلائیوں کے حاصل ہونے کا سبب ہے اور جس انسان نے نرمی اختیار نہیں کی تو وہ شخص ہر بھلائی سے بھی محروم رہے گا۔

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب الآداب، باب فی الرفق، حدیث نمبر: ۴۸۰۷، ۷/۱۸۵

(۲) محمد سرور: آپ ۷ دسمبر ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ پاکستان کے شیخ الحدیث، مشہور جید عالم دین اور صوفی بزرگ تھے۔ آپ نے ۱۵ مئی ۲۰۱۸ء کو وفات پائی (روزنامہ پاکستان، مجیب الرحمان شامی، ۱۵ مئی ۲۰۱۸ء)

(۳) خیر المعبود شرح سنن ابوداؤد، صوفی محمد سرور، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۸ھ، ص: ۲۱۳

(۴) سنن ابوداؤد، کتاب الآداب، باب فی الرفق، حدیث نمبر: ۴۸۰۹، ۷/۱۸۷

آپ ﷺ نے جب بھی صحابہ کرامؓ کو مبلغ اور داعی بنا کر بھیجا تو انہیں ہمیشہ نرمی اختیار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت طفیل بن عمروؓ (۱) نے جب اسلام قبول کیا۔ تو آپ ﷺ نے اسے اس کی قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا۔ وہ مسلسل اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے لیکن انہوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی۔ بالآخر وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو بتایا کہ انہوں نے دعوت قبول نہیں کی اس لئے آپ ﷺ ان کے لئے بد دعا کریں۔ آپ ﷺ نے قبیلہ دوس والوں کے لئے بد دعا کرنے کے بجائے یہ دعا فرمائی:

"اللّٰهُمّ اهْدِ دَوْسًا ارْجِعْ إِلَى قَوْمِك فَادْعُهُمْ وَارْفُقْ بِهِمْ "(۲)

ترجمہ: اے اللہ دوس کو ہدایت فرما (حضرت طفیل بن عمروؓ سے فرمایا) تم اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ ان کو دعوت دیتے رہو لیکن ان کے ساتھ نرمی اختیار کرو۔

آپ ﷺ کے تعلیم کردہ اسلوب کو اختیار کرنے کا یہ بہترین نتیجہ نکلا کہ حضرت طفیل بن عمروؓ جب سات ہجری کو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے ساتھ قبیلہ دوس کے ستر یا اسی گھرانوں کے لوگ تھے۔ (۳)

آپ ﷺ حضرت عمرو بن مرہ جہنیؓ (۴) کو اپنے قبیلہ کی طرف دعوت کے لئے بھیجا تو آپ ﷺ نے ان کو دعوت و تبلیغ کا یہ اسلوب تعلیم فرمایا:

"عليك بالرفق والقول السديد.ولا تكن فظا.ولا متكبرا ولا حسودا"(۵)

ترجمہ: نرمی سے پیش آنا، صحیح اور سچی بات کرنا، سخت کلامی اور بد خلقی سے پیش نہ آنا، تکبر اور حسد نہ کرنا۔

اس میں آپ ﷺ نے انہیں نرمی کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا ہے اور بری باتوں سے روکا ہے۔ داعی کو ہمیشہ مخالفین کے جاہلانہ رویوں کو برداشت کر کے رفق و نرمی سے دعوت دینی چاہیے کیونکہ نرمی کی وجہ سے پتھر سے بھی سخت دل لوگ اس کی دعوت کی طرف مائل ہو جائیں گے۔

---

(۱) حضرت طفیل بن عمروؓ: آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا۔ آپ کا لقب ذوالنور تھا۔ آپ مکہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے پھر آپ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/۵۲۱)

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۴۸۰

(۳) ایضا

(۴) حضرت عمرو بن مرہ جہنیؓ: آپ کا تعلق بنو غطفان سے تھا۔ آپ کی کنیت ابو مریم تھی۔ آپ اولین اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ شام میں رہتے تھے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں شریک ہوئے (اسد الغابۃ، ۲/۳۶۵)

(۵) البدایہ والنہایہ، ۲/۳۹۱

۷۔ آسانی اور سہولت

انسان فطرتاً سہولت پسند ہے۔ داعی کو دعوت میں آسانی اور سہولت کو مد نظر رکھنا چاہیے اور دین کو مشکل بنا کر نہیں پیش کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ اپنی دعوت میں آسانی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ آپ ﷺ کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ احکام و مسائل میں تنگی نہ ہونے پائے۔ قرآن مجید میں آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾(۱)

ترجمہ: اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں۔

اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی گردنوں سے سخت احکام کے طوق اور مختلف پابندیوں کے وہ بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے وہ نبی اکرم ﷺ اتارتے ہیں جیسے توبہ کے لئے قتل کا حکم، نجاست سے پاکی کے لئے اس جگہ کو کاٹ دینے کا حکم یا قتل کے لئے قصاص کے لازم ہونے کا حکم یا یوم السبت میں کام کرنے والے کے لئے قتل کا حکم وغیرہ۔ تو اس طرح کے تمام بوجھوں سے آزادی کا انحصار آنحضرت ﷺ کی بعثت اور تشریف آوری پر تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے تشریف لا کر ان سے ایسی تمام زنجیریں کاٹ دیں اور ان کے اوپر سے وہ تمام بھاری بھرکم بوجھ اتار دیئے۔ ابوبرکات النسفی اِصر کی تعریف بیان کرتے ہیں کہ:

''هو الثقل الذي يأصر صاحبه أي يحبسه عن الحراك لثقله ، والمراد التكاليف الصعبة كقتل النفس في توبتهم وقطع الأعضاء الخاطئة''(۲)

ترجمہ: اس بوجھ کو کہتے ہیں جو اٹھانے والوں کو بوجھ کی وجہ سے حرکت سے روک دے۔ مراد اس سے شدید تکالیف جو ان پر ڈالی گئیں مثلاً توبہ کے لیے قتل نفس 'خطاء کرنے والے اعضاء کو کاٹ ڈالنا۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کے لئے مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسی اشعریؓ کو یمن میں مبلغ بنا کر بھیجا تو آپ ﷺ نے یہ فرمایا:

((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا))(۳)

ترجمہ: آسانی کرنا سختی نہ کرنا اور خوش خبری سنانا نفرت نہ دلانا۔

انسان طبعاً آسانی کو پسند کرتا ہے اس لئے داعی کا اہم فرض ہے کہ وہ دین کو لوگوں کے لئے مشکل نہ بنا کر پیش کرے بلکہ جہاں تک ممکن ہو دین کو آسان بنا کر لوگوں کے لئے پیش کرے۔ دینی معاملات میں سختی سے پرہیز کرنا چاہیے اور اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو آسان حل کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ نووی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) سورۃ الاعراف: ۷/۱۵۷

(۲) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۲/۷۵

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الامر بالتیسیر، حدیث نمبر: ۱۷۳۳، ۳/۱۳۵۹

"وفي هذا الحديث الأمر بالتبشير بفضل الله وعظيم ثوابه وجزيل عطائه وسعة رحمته والنهي عن التنفير بذكر التخويف وأنواع الوعيد محضة من غير ضمها إلى التبشير وفيه تأليف من قرب إسلامه وترك التشديد عليهم وكذلك من قارب البلوغ من الصبيان ومن بلغ ومن تاب من المعاصي كلهم يتلطف بهما"(۱)

ترجمہ: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقط وعید کو بیان کرنا اور صرف لوگوں کو ڈرانا اور خوف دلانا اچھا نہیں بلکہ اس کے ساتھ اللہ تعالی کی رحمت اور کرم اور بخشش کو بیان کرنا بھی ضروری ہے۔ اسی طرح نابالغ لڑکوں، نومسلموں اور گناہگاروں پر آسانی کرنی چاہیے اور یہ بیان کرنا چاہیے کہ توبہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے اور اسلام تمام گناہوں کو محو کر دیتا ہے۔

آپ ﷺ نے ہمیشہ لوگوں کے لئے آسانی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ آپ ﷺ کے طرز عمل میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے:

((قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ النَّاسُ فَقَالَ لَهُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهُ وَهَرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ أَوْ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ))(۲)

ترجمہ: کہ ایک اعرابی نے مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کر دیا، تو لوگوں نے اسے پکڑ لیا، نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی (کا خواہ کم ہو یا بھرا ہو) ڈال دو، اس لئے کہ تم لوگ نرمی کرنے کے لئے بھیجے گئے ہو، سختی کرنے کیلئے نہیں۔

اس حدیث میں جاہل کے ساتھ نرمی کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور نادان کے قصور پر سختی نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس میں مسجد کی صفائی کا حکم دیا گیا ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کی نرمی کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ ابن حجر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"وفيه رأفة النبي صلى الله عليه وسلم وحسن خلقه"(۳)

ترجمہ: اور اس میں آپ ﷺ کی مہربانی اور حسن خلق کے بارے میں ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے آسانی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اس لئے داعی کو مشکل اور پیچیدہ مسائل لوگوں کے سامنے نہیں پیش کرنے چاہیے۔ کیونکہ اس کو وہ سمجھ ہی نہیں سکیں گے۔ بلکہ ایسی باتیں کرنی چاہیے جن کو وہ آسانی سے سمجھ سکیں۔ داعی کو ہمیشہ دعوت میں آسانی اور سہولت کے پہلو کو مد نظر رکھنا چاہیے۔

---

(۱) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۱۲/ ۴۱

(۲) صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، حدیث نمبر: ۲۲۰، ۱/ ۲۳۰

(۳) فتح الباری، ۱/ ۳۲۵

۸۔ دعوت کا جامع اور مختصر بیان

داعی کو ہمیشہ جامع اور مختصر الفاظ میں دعوت دینی چاہیے۔ اگر داعی طویل خطبہ پیش کرے گا تو طویل خطبہ سامع کی طبیعت کو کند کر دے گا اور اس کی دعوت کو قبول کرنے کی صلاحیتوں کو ختم کر دے گا۔ نبی اکرم ﷺ نے دعوت و تبلیغ میں ہمیشہ اختصار سے کام لیا اور صحابہ کرامؓ کو بھی یہی تلقین کی۔ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں:

((أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِقْصَارِ الْخُطَبِ))(۱)

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ نے ہمیں خطبے میں اختصار کا حکم دیا۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے خطبے میں اختصار سے کام لینے کا حکم دیا۔ یعنی مختصر خطبہ دینا چاہیے تاکہ سننے والے اکتا نہ جائیں۔ محمد عاقل اس کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"آپ ﷺ کا خطبہ دراز نہیں ہوتا تھا کہ جس سے سننے والوں میں سے کوئی اکتائے جیسا کہ اکثر خطباء کی عادت اطالۂ خطبہ کی ہوتی ہے۔"(۲)

اس لئے داعی کو ہمیشہ مختصر الفاظ میں دعوت پیش کرنی چاہیے۔ کیونکہ مختصر اور جامع الفاظ میں دعوت مخاطب پر جادو کی طرح اثر کر جائے گی اور وہ اسے جلدی قبول کر لے گا۔

۹۔ عملی نمونے کے ذریعے دعوت

داعی کے لئے بہت ضروری ہوتا ہے کہ وہ جس چیز کی دعوت لوگوں کو دے رہا ہے اس پر خود بھی عمل پیرا ہو۔ کیونکہ داعی کا اخلاق اور کردار لوگوں کے سامنے ہوتا ہے اور داعی کے بہترین اخلاق اور کردار کے ذریعے بہت ہی کم عرصے میں اس کی دعوت کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اس لئے اس کے قول اور فعل میں مطابقت ہونی چاہیے ۔ قران مجید میں مسلمانوں کو دعوی بلا عمل کے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾(۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اس آیت قرآنی میں قول اور فعل میں تضاد اور بغیر عمل کے دعوی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ عبد الرحمن کیلانی (۴) اپنی کتاب تیسیر القرآن میں اس کے دو مطلب بیان کرتے ہیں:

۱. دوسروں کو وہ نصیحت نہیں کرنی چاہیے جس پر وہ خود عمل نہ کرتا ہو۔

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الصلوة، باب اقصار الخطب، حدیث نمبر:۱۱۰۶، ۲/۳۲۵

(۲) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۲/۴۳۶

(۳) سورة الصف:۶۱/۲

(۴) عبد الرحمن کیلانی: آپ ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء کو ضلع گوجرانوالہ کے علاقہ کیلیانوالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ عالم دین اور مصنف تھے۔ آپ ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء کو فوت ہوئے (عبد الرحمن کیلانی، عاکف سعید، اردو چوپال فورم، ۳ ستمبر ۲۰۱۰ء)

۲. بڑی بڑی باتیں اور شیخیاں نہیں مارنی چاہیے جس پر انسان پورا نہ کر سکتا ہو۔ [۱]

سید سلیمان ندوی نے عملیت کو ایسے بیان کرتے ہیں:

"عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو خود اس کا ذاتی عمل اس کی مثال اور نمونہ ہو اور خود اس کے عمل نے اس کی تعلیم عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔ خوش کن سے خوش کن فلسفہ دلچسپ نظریہ اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا ہے، وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل ،اس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی و فلسفیانہ نظریئے نہیں بلکہ اس کے اعمال اور کارنامے ہیں۔ اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور برے کی تمیز اٹھ جائے اور دنیا صرف بات بنانے والوں کا مسکن رہ جائے۔" [۲]

گویا کہ داعی کے قول و فعل میں مطابقت ہونی چاہیے۔ آپ ﷺ کے دعوت کا اہم پہلو یہ تھا کہ آپ ﷺ کا کردار اور اخلاق لوگوں کے لئے نمونہ تھا اور آپ ﷺ کے قول و فعل میں مکمل مطابقت اور ہم آہنگی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنے پہلے خطبے میں اپنی زندگی ان کے سامنے رکھی اور ان سے سوال کیا:

((أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ ؟)) [۳]

ترجمہ: کیا تم مجھے سچا مانو گے؟

تو سب نے جواب دیا کہ آپ ﷺ ہم سب سے زیادہ صادق و امین ہیں۔ اس کے بعد پھر آپ ﷺ نے انہیں دعوت توحید پیش کی۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہر کام پر پہلے خود عمل کیا پھر دوسروں کو اس کام کو کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے اگر لوگوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیا تو خود اتنی نمازیں پڑھیں کہ آپ ﷺ کے پاؤں سوج گئے۔ آپ ﷺ نے اللہ کی راہ میں پہلے خود خرچ کیا اور پھر لوگوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ میدان جنگ میں خود سب سے آگے بہادری کے ساتھ لڑے تب لوگوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کا حکم دیا۔ اگر آپ ﷺ نے لوگوں کو بے رغبتی کا درس دیا اور بتایا کہ زندگی میں اصل اہمیت آخرت کی ہے تو خود بھی دنیا سے بے رغبتی کا ثبوت پیش کیا۔ غرض آپ ﷺ نے جس چیز کا لوگوں کو حکم دیا اس پر پہلے خود عمل کیا۔ داعی کو بھی اپنے قول و فعل میں مطابقت رکھنی چاہیے۔ اسے اپنے کردار اور عمل سے لوگوں کو متاثر کرنا چاہیے تاکہ وہ اس کی دعوت کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے قبول کریں۔

---

(۱) تیسیر القرآن، عبد الرحمن کیلانی، مکتبہ السلام، لاہور، محرم الحرام ۱۴۳۲ھ، ۴/ ۴۳۴

(۲) خطبات مدراس، سید سلیمان ندوی، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور، ص:۳۵

(۳) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب وانذر عشیر تک، حدیث نمبر: ۴۷۷۰، ۶/ ۱۱۱

۱۰۔عدم اکراہ

داعی کو دعوت میں زبردستی کا راستہ اختیار نہیں کرنا چاہیے اور کسی شخص کو مجبور کر کے اپنی بات نہیں منوانی چاہیے ۔ قرآن مجید میں بھی اس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(۱)

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔

اس آیت قرآنی میں دین میں زبردستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے۔ قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا تھا کہ دین کے معاملہ میں جبر واکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر واکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ ابن کثیر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"لا تكرهوا أحدًا على الدخول في دين الإسلام فإنه بين واضح جلي دلائله وبراهينه لا يحتاج إلى أن يكره أحد على الدخول فيه، بل من هداه الله للإسلام وشرح صدره ونور بصيرته دخل فيه على بينة، ومن أعمى الله قلبه وختم على سمعه وبصره فإنه لا يفيده الدخول في الدين مكرها مقسورًا " (۲)

ترجمہ: کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کر، اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں پھر کسی اور پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والہ وشیدا ہو جائے گا، ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ؟ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کیلئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔

نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے زبردستی کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے امن اور محبت کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کوئی بھی ایسے واقعہ نہیں جس میں آپ ﷺ نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو۔ قبول حق ایک اختیاری معاملہ ہے اور اس کا تعلق انسان کے ضمیر سے ہوتا ہے۔ اسلام اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾(۳)

---

(۱) سورۃ البقرہ:۲/۲۵۶

(۲) تفسیر القرآن العظیم،۱/۶۸۲

(۳) سورۃ الکہف:۱۸/۲۹

ترجمہ: اور اعلان کر دے کہ یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور کفر کے معاملہ میں انسان پر جبر نہیں کیا ہے بلکہ اسے اختیار دیکر اس پر چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ جس راہ کو چاہے اختیار کرے اپنے بھلے برے کا وہ خود ذمہ دار ہے۔ ابن کثیر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"هذا الذي جئتكم به من ربكم هو الحق الذي لا مرية فيه ولا شك فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"(۱)

ترجمہ: جو کچھ میں اپنے رب کے پاس سے لایا ہوں وہی حق صدق اور سچائی ہے شک شبہ سے بالکل خالی۔ اب جس کا جی چاہے مانے نہ چاہے نہ مانے۔

اس سے ثابت ہوا کہ داعی کو دعوت و تبلیغ کے کام میں زبردستی نہیں کرنی چاہیے۔ داعی کو مخاطب کے سامنے اپنی دعوت پیش کر دینی چاہیے۔ پھر اسے اس دعوت کو قبول کرنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔

آپ ﷺ نے اپنے اسلوب دعوت میں اس اصول کو نہ صرف خود اپنایا بلکہ صحابہ کرام ؓ کو بھی اس اصول کو اختیار کرنے کا حکم دیا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزم ؓ (۲) کو بنو حارث بن کعب کی طرف دعوت و تبلیغ اور صدقات کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا۔ تو آپ ﷺ نے ان کو کچھ ہدایات لکھ کر دیں جو مندرجہ ذیل تھیں:

"وَأَنَّهُ مَنْ أَسْلَمَ مِنْ يَهُودِيّ أَوْ نَصْرَانِيّ إِسْلَامًا خَالِصًا مِنْ نَفْسِهِ وَدَانَ بِدِينِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّهُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَهُ مِثْلُ مَا لَهُمْ وَعَلَيْهِ مِثْلُ مَا عَلَيْهِمْ وَمَنْ كَانَ عَلَى نَصْرَانِيَّتِهِ أَوْ يَهُودِيَّتِهِ فَإِنَّهُ لَا يُرَدّ عَنْهَا"(۳)

ترجمہ: اور جو یہودی یا نصرانی اپنی طرف سے مخلصانہ اسلام لے آئے اور دین اسلام کو اپنا دین بنا لے وہ مومنوں میں شمار ہو گا، اس کے وہی حقوق ہوں گے جو مومنوں کے ہوں گے اور جو اپنی یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہے گا اسے اس یہودیت یا نصرانیت سے پھیرا نہ جائے گا۔

آپ ﷺ نے ان ہدایات میں حضرت عمرو بن حزمؓ کو کسی کو زبردستی مسلمان کرنے سے روکا کہ وہ کسی کو مجبور نہیں کریں گے کہ وہ اسلام قبول کرے۔

ایک دفعہ آپ ﷺ عکاظ کے بازار میں تشریف لے گئے اور بنی عامر کے افراد کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت ان الفاظ میں فرمائی:

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ۵/ ۱۵۴

(۲) حضرت عمرو بن حزمؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ کی کنیت ابو ضحاک تھی۔ سب سے پہلے آپ غزوہ خندق میں شریک ہوئے۔ آپ کی وفات مدینہ میں ۵۱ھ یا ۵۲ھ میں ہوئی (اسد الغابۃ، ۲/ ۳۴۵)

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۸۷

''انی رسول اللہ الیکم و اتیتکم لتمنعونی حتی ابلغ رسالہ ربی ولا اکرہ احد منکم علی شئی'' (۱)

ترجمہ: میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اور تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم میرے حمایت کرو تا کہ میں اللہ کا پیغام (لوگوں) تک پہنچاؤں اور میں تم میں سے کسی ایک کو بھی کسی بات پر مجبور نہیں کروں گا۔

غرض کہ آپ ﷺ نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اس لئے دعوت میں کسی شخص کو مجبور اور اس پر زبردستی کرکے اپنی بات نہ منوائی جائے۔ دین کے معاملے میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں کیونکہ دین کی راہ دل کے اعتقاد کی راہ ہے اور اعتقاد جبر سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ دعوت و موعظت سے پیدا ہوتا ہے۔ داعی کو کسی پر زبردستی کر کے اپنی بات نہیں منوانی چاہیے۔

۱۱۔ جدید معاشرتی اور تمدنی وسائل سے استفادہ

داعی کو چاہیے کہ وہ دعوت کے لئے اپنے دور کے تمام معاشرتی اور تمدنی وسائل اور ترقی یافتہ ذرائع و وسائل استعمال کرے۔ ان ذرائع و وسائل کے استعمال سے دعوت کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ امین احسن اصلاحی اس بارے میں کہتے ہیں:

''اس مقصد کے لئے ضرورت ہے کہ سوسائٹی کے اندر آپس میں مل بیٹھنے، باہم تبادلہ خیالات کرنے، اپنے خیالات کو سننے، کسی امر کو اجتماعی طور پر طے کرنے کے جو طریقے رواج پا چکے ہیں۔ اگر ان میں کوئی اخلاقی و شرعی قباحت نہیں ہے تو اہل حق ان کو اپنائیں اور تبلیغ حق میں ان سے کام لیں۔ آنحضرت ﷺ نے دعوت کے کام میں ان تمام طریقوں سے فائدہ اٹھایا جو اس عہد کی معاشرت اور اجتماعی زندگی میں نشوونما پا چکے تھے۔''(۲)

نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے وہ تمام ذرائع و وسائل استعمال کیے جن کا عربوں میں رواج تھا۔ عربوں میں رواج تھا جب کوئی خطرہ یا دشمن کا خوف ہو تو بلند جگہ سے لوگوں کو پکارتے تو سارے لوگ آجاتے۔ آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو اسی طریقے سے دعوت دی۔(۳) آپ ﷺ نے زمانے کے مروج ذرائع و وسائل کے مطابق سلاطین اور بادشاہوں کو خطوط بھیجے۔ آپ ﷺ نے بازاروں، میلوں اور حج کے دنوں میں لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ اسی وجہ سے آپ ﷺ کو بے پناہ کامیابی حاصل ہوئی کہ سارا جزیرۃ العرب آپ ﷺ کے تابع ہو گیا۔

---

(۱) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۲/ ۴۵۵

(۲) دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، ص: ۱۴۲

(۳) الروض الانف، ۳/ ۱۷۵

موجودہ دور میں داعی کو جدید دور کے ذرائع و وسائل کو استعمال کرنا چاہیے اور دعوت کے فروغ کے لئے ان ذرائع و وسائل سے استفادہ کرنا چاہیے۔ موجودہ دور میں داعی دور دراز تک ٹیلی فون، موبائل فون، ٹیلیویژن ، کمپیوٹر، فیکس مشین، اخبارات، رسائل اور میگزین کے ذریعے اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح آڈیو اور ویڈیو کیسٹ کے ذریعے بھی دعوت کا پیغام پہنچایا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ عصری تقاضوں سے ہم آہنگی

ہر دور کے عصری تقاضے جدا ہوتے ہیں۔ داعی کو عصری تقاضوں سے استفادہ حاصل کر کے اپنی دعوت کے دائرہ کار کو پھیلانا چاہیے۔ اگر انبیاء کرام ؑ کے دور کو ہم دیکھیں تو حضرت موسیٰ ؑ کے دور میں جادو گری اور سحر کاری کا رواج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؑ کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ اس دور کے جادو گر بھی حیران رہے گئے اور آپ ؑ کی دعوت پر ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ ؑ کے دور میں طب کا رواج تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ؑ کو ایسے معجزات عطا فرمائے کہ آپ ؑ طب کے لحاظ سے لا علاج مریضوں کے بدن پر اللہ کا نام لے کر پھیرتے تو اللہ کے حکم سے وہ شفا یاب ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو ایسے معجزات اس لئے عطا فرمائے کہ وہ لوگ غور کریں اور ایمان لے آئیں۔ آپ ﷺ نے دعوتی سرگرمیوں کے لئے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ یہود کی عبرانی زبان سیکھ لیں تو انہوں نے وہ زبان سیکھ لی۔ اس واقعہ کو سنن ابو داؤد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ أَمَرَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَعَلَّمْتُ لَهُ كِتَابَ يَهُودَ وَقَالَ إِنِّي وَاللَّهِ مَا آمَنُ يَهُودَ عَلَى كِتَابِي فَتَعَلَّمْتُهُ فَلَمْ يَمُرَّ بِي إِلَّا نِصْفُ شَهْرٍ حَتَّى حَذَقْتُهُ فَكُنْتُ أَكْتُبُ لَهُ إِذَا كَتَبَ وَأَقْرَأُ لَهُ إِذَا كُتِبَ إِلَيْهِ))(۱)

ترجمہ: زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم ﷺ نے حکم فرمایا چنانچہ میں نے آپ ﷺ کے لئے یہودیوں کی تحریر وغیرہ سیکھی۔ اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم مجھے یقین نہیں ہے کہ یہود میری تحریر کو درست لکھتے ہوں گے چنانچہ میں نے اسے سیکھا ابھی آدھا مہینہ بھی نہیں گزارا تھا کہ میں اس میں ماہر ہو گیا چنانچہ میں ہی آپ ﷺ کے لئے لکھا کرتا تھا جب آپ ﷺ لکھواتے اور جب آپ ﷺ کے پاس کہیں سے یہودیوں کی تحریر آتی تو میں ہی اسے پڑھا کرتا تھا۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ ضرورت کے مطابق غیر ملکی زبان سیکھی جا سکتی ہے۔ ابو عمار عمر فاروق سعیدی (۲) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب العلم، باب روایۃ حدیث اہل الکتاب، حدیث نمبر: ۳۶۴۵، ۵/۴۸۹

(۲) ابو عمار عمر فاروق سعیدی : آپ ۱۹۵۱ء میں پنجاب کے قصبہ منکیرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام شیخ عبد العزیز ہے۔ آپ نے بہت سی کتابوں کے ترجمے لکھے (سنن ابو داؤد، (مترجم: ابو عمار عمر فاروق سعیدی)، (محقق: ابو طاہر زبیر علی زئی) ، ۱ / ۴۲)

"غیر مسلموں کی کسی زبان اور تحریر کا علم حاصل کرنا دینی اور دنیاوی غرض سے ناجائز نہیں ہے، مگر اسے ناجائز بنالینا ناجائز ہے اور جب یہ علم دینی اغراض کے لئے ہو تو اس میں اجر بھی ہے۔"(۱)

جس طرح آپ ﷺ کے کہنے پر حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان سیکھ لی۔اسی طرح آج کے دور میں جو چیزیں دعوت کے میدان میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں اور اس سے دعوت کو فروغ حاصل ہو سکتا ہے تو ان کو سیکھنا چاہیے اور عمل میں لانا چاہیے۔زبان و قلم، تحریر و تقریر، رسائل و جرائد اور کتب کے ساتھ ساتھ میڈیا کے ذریعے دعوت کا عمل پھیلایا جائے۔

دعوت کے یہ زیریں اصول ہیں جو ہر دور کے داعیان حق کو رہنمائی فراہم کر سکتے ہیں اور داعی ان اصولوں کے ذریعے اپنی دعوت کے عمل میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

---

(۱) سنن ابوداؤد، (مترجم: ابوعمار عمر فاروق سعیدی)، (محقق: ابوطاہر زبیر علی زئی)، ۸۴۸/۳

مبحث دوم

اسلام میں دعوت کے طریقے

دنیا میں کوئی بھی فکر اور نظریہ ہو اسے لوگوں تک منتقل کرنے کے لیے یا اسے لوگوں تک پہنچانے کے لیے اس کی دعوت ضروری ہے پھر جب آپ کسی کو دعوت دیتے ہیں تو اس وقت کچھ طریقوں کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے۔یعنی آپ اپنی دعوت کیسے آگے پہنچائیں کہ مخاطب قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔اسلام میں دوسروں تک دین کی بات پہنچانے کے دو طریقے ہیں:

۱۔انفرادی طریقہ دعوت

۲۔اجتماعی طریقہ دعوت

۱۔انفرادی دعوت

انفرادی دعوت سے مراد ایک انسان دوسرے انسان کو کسی برائی میں مبتلا دیکھتا ہے اور وہ اس شخص کو اس برائی کو چھوڑنے اور نیکی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔اس کو انفرادی طریقہ دعوت کہتے ہیں۔یہ طریقہ دعوت فرض عین ہے اور ہر مسلمان پر فرض ہے۔[(۱)]

انفرادی طریقہ دعوت ہر طرح کے حالات میں سرانجام دی جاسکتی ہے۔اس طریقہ دعوت میں مخاطب سے تعلق اور رابطہ ہوتا ہے۔حضرت محمد ﷺ اور سب کے سب انبیائے کرامؑ نے دعوت کے کام میں انفرادی کوشش فرمائی ہے۔آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ ﷺ لوگوں کے پاس جاکر انہیں دین کی دعوت دیتے تھے۔ ابتدائی دور میں لوگ اسی طریقہ دعوت سے مسلمان ہوئے مثلاً حضرت خدیجہؓ، حضرت ابو بکرؓ اور زید بن حارثہؓ وغیرہ۔[(۲)] آپ ﷺ نے مدینہ میں بھی انفرادی طریقہ دعوت کو اختیار فرمایا اس کے بارے میں امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری میں بیان کرتے ہیں کہ:

((أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَالَ أَسْلِمْ فَأَسْلَمَ))[(۳)]

ترجمہ: ایک یہودی غلام نبی ﷺ کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو نبی ﷺ اس کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور فرمایا کہ مسلمان ہو جا تو وہ مسلمان ہو گیا۔

---

(۱) اخلاقی خطبات، مفتی تقی عثمانی، میمن اسلامک پبلشر، کراچی، ۱۹۹۸ء، ۳۰/۸

(۲) الروض الانف، ۲۹۰/۲

(۳) صحیح بخاری، کتاب المرضی، باب عیادۃ المشرک، حدیث نمبر: ۵۶۵۷، ۲۶۲/۱۴

اس حدیث مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے یہودی کو انفرادی دعوت دی اور وہ آپ ﷺ کی دعوت کی وجہ سے مسلمان ہو گیا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ انفرادی کوشش کے ذریعے نیکی کی دعوت دیں اور ثواب حاصل کرتے جائیں۔ انفرادی دعوت میں یہ طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے:

۱. داعی کے لیے پہلا قدم مدعو سے تعارف اور دوستی ہے۔ ابتدائی تعارف میں داعی اور مدعو کے درمیان نام ورہائش، تعلیم، پیشہ، گھر اور خاندان سے متعلق موٹی موٹی تفصیلات پر مشتمل معلومات کا تبادلہ خیال آپس میں ہو سکتا ہے۔ داعی ملاقاتوں وروابط کے اس سلسلہ کو جاری رکھے۔

۲. ابتداء میں اگر اسلام پر راست گفتگو نہ ہو سکے تو کوئی حرج نہیں ہے ایسی ملاقاتیں اور روابط بے کار ثابت نہ ہوں گے۔ دراصل مسلمانوں اور برادران وطن کے درمیان جو دوری اور خلیج پائی جاتی ہے اسے دور کرنے کے لیے اس طرح کے روابط ضروری ہیں۔

۳. اس دوران دعوتی گفتگو یا مطالعہ کے لیے مختصر کتابچے وغیرہ دیے جا سکتے ہیں۔

۴. دعوت پہنچانے کے بعد نتیجہ دیکھنے کے لیے داعی کو جلد بازی نہیں کرنی چاہیے۔

۵. مدعو جب اسلام کا کچھ مطالعہ کرلے تو عملی تعلیم و تجربہ کے طور پر دو چار دفعہ اپنے ساتھ مسجد لے کر جائیں، تاکہ عبادات کی عملی شکل و کیفیت اس کے سامنے آئے۔ (۱)

انفرادی دعوت کے طریقے کے مطابق عمل کر کے داعی بہتر طور پر لوگوں میں دعوت کو پھیلا سکتا ہے۔ داعی کو اسلام کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

۲۔ اجتماعی طریقہ دعوت

اجتماعی طریقہ دعوت سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی مجمع کے سامنے دین کی بات کہے، انہیں وعظ و تقریر کرے اور انہیں درس دے۔ اس طریقہ دعوت کو اجتماعی طریقہ دعوت کہتے ہیں۔ یہ طریقہ دعوت فرض کفایہ ہے اور ہر مسلمان پر فرض نہیں ہے کہ وہ ہر شخص کے پاس جا کر وعظ کرے۔ (۲) آپ ﷺ نے اس طریقے کے ذریعے بھی لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آپ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کی ضیافت کی اور انہیں اس الفاظ میں دعوت فرمائی:

"الحمد لله أحمده وأستعينه، وأومن به، وأتوكل عليه . وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له. ثم قال : إن الرائد لا يكذب أهله، والله لويكذب اهله والله لوكذبت الناس جميعا ما كذبتم وغررت الناس ما غررتكم والله الذي لا إله إلا هو، إني رسول الله إليكم خاصة وإلى الناس

---

(۱) دعوت دین - ایک اہم فریضہ، محمد مونس قاسمی، ماہنامہ دارالعلوم، دسمبر ۲۰۰۷ء، شمارہ ۱۲، ص:۹۱

(۲) اخلاقی خطبات، ۲۹/۸

عامة، والله لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملون ولا تجزون بالاحسان احسانا و بالسوء سوء وإنها الجنة أبدًا أو النار أبدًا والله يا عبد المطلب ما اعلم شابا جاء قومه بافضل مما جئتكم به انی قد جئتكم بامر دنیا و الآخرة"(۱)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، پھر فرمایا: قافلے کا پیشرو اپنے قافلے والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، بالفرض و محال اگر میں دوسروں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا، بالفرض و محال اگر میں ساری دنیا کے ساتھ دھوکہ کروں تو میں تم سے دھوکہ نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی اور معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم، بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی، جس طرح نیند آتی ہے اور قبروں سے یوں اٹھائے جاؤ گے، جیسے تم خواب سے بیدار ہوئے ہو، اور جو عمل تم کرتے ہو، ان کا محاسبہ ہو گا، تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے کاموں کی بری جزا دی جائے گی۔ ٹھکانہ یا ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔ بخدا اے فرزندان عبد المطلب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا، جو اس چیز سے بہتر اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح لے کر آیا ہوں۔

اسی طرح آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو فرمایا:

((فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ))(۲)

ترجمہ: پس میں تمہیں اللہ کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانے کے لئے آپ ﷺ نے یہ طریقے اختیار فرمائے۔ موجودہ دور میں اجتماعی دعوت میں یہ طریقہ کار اختیار کرنا چاہیے:

۱. ایک چھوٹا سا وفد بنا کر بنیادی دعوتی کتب وغیرہ کے ساتھ اپنے علاقہ کی منتخب غیر مسلم شخصیتوں سے ملاقاتیں کی جا سکتی ہیں۔ ماہ ڈیڑھ ماہ بعد دوسری بار ان شخصیتوں سے ملنا چاہیے اور کتابوں پر ان کے تاثرات، سوالات اور الجھنوں کو معلوم کرنا چاہیے اور جواب دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲. مظلوم اور پسماندہ طبقات پر آئے دن ظلم و ستم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمانوں کا وفد ان تک پہنچ کر اظہارِ ہمدردی کرے ان کے حالات کو بہتر بنانے کی کوشش اور تعاون کرنے کی سعی کرے۔

---

(۱) السیرۃ الحلبیہ، ۱/ ۲۷۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب وانذر عشیر تک، حدیث نمبر: ۴۷۷۰، ۶/ ۱۱۱

۳.   کسی آبادی یا بڑے شہر کے ایک ایریا میں مسلمان مل جل کر برادرانِ وطن کے لیے عید ملن کا پروگرام منعقد کریں، مختصراً قرآن مجید، رمضان، روزہ اور عید پر اظہار خیال کے بعد شرکاء کی ضیافت کریں اور تعارفی کتابچے وغیرہ انہیں دیں۔

۴.   برادرانِ وطن کے کسی منتخب علاقہ میں اسلامی کتابوں اور رسالوں پر مشتمل لائبریری کا نظم کیا جانا چاہیے۔

۵.   کسی مقام پر منتخب برادرانِ وطن کے لیے اجتماعی محفل منعقد کی جاسکتی ہے۔ پانچ تا دس افراد کے اس پروگرام میں قرآن اور پیغمبر اسلام کا تعارف اور اسلام کی دعوت مختصراً پیش کی جاسکتی ہے۔ سوالات کے جوابات دیے جائیں۔ شرکاء کو دعوتی لٹریچر بھی دیا جاسکتا ہے۔(۱)

ان طریقوں پر عمل کر کے داعی بہتر طور پر دعوت کو پھیلا سکتا ہے۔ داعیان حق کو چاہیے کہ وہ ہر زمانے میں دعوت و تبلیغ کے وہ طریقے اختیار کریں جو ان کے زمانوں میں پیدا ہو چکے ہوں اور جن کو اختیار کر کے وہ اپنی کوششوں اور قابلیتوں کو زیادہ سے زیادہ مفید اور نتیجہ خیز بنا سکتے ہیں۔

---

(۱) دعوت دین- ایک اہم فریضہ، ص:۹۱

مبحث سوم

داعی کے اوصاف

ایک داعی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کی نسبت زیادہ اسلامی اوصاف اور دینی واخلاقی آداب سے متصف ہو کیونکہ اس کا باعمل ہونا دعوت و تبلیغ میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے۔ ذیل میں داعی کے چند اوصاف کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

ا۔ اخلاص

اخلاص دین اسلام کی بنیاد ہے۔ کوئی بھی عمل کتنا بڑا کیوں نہ ہو اگر اس میں اخلاص نہیں ہے تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کا عمل دعوت خالص اللہ کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہو وہ لوگوں سے تعریف اور خوشامد کا طلب گار نہ ہو۔[(۱)] داعی کو اللہ تعالی کے اس فرمان کو اپنایا چاہیے:

﴿ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ ﴾[(۲)]

ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جارہا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو بتادیں کہ ان کی نماز، ان کی عبادت اور ان کا جینا اور مرنا سب اللہ تعالی کے لئے ہے۔

بس داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کے اندر اخلاص کی صفت ہو اور وہ تبلیغ صرف اللہ تعالی کی رضا، خوشنودی اور آخرت میں کامیابی کے لئے سرانجام دے۔

۲۔ علم

داعی کا دوسرا وصف یہ ہے کہ اسے صاحب علم ہونا چاہیے۔ وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اسے اس سے مکمل طور واقفیت حاصل ہو۔ داعی کو کسی چیز سے لاعلمی کی صورت میں دعوت دینے سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اگر کوئی ایسا موضوع چھیڑ دیا جائے جس کے بارے میں داعی کو معلومات حاصل نہیں تو اس طرح فساد برپا ہو سکتا ہے۔[(۳)] قرآن مجید میں علم کے ساتھ دعوت دینے کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ قُلْ هٰذِه سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ﴾[(٤)]

---

(۱) اصول دعوت، عبد الهادی عبد الخالق، داعی احساء اسلامک سنٹر، سعودی عرب، ص:۳۷

(۲) سورۃ الانعام:۶/ ۱۶۲

(۳) دعوۃ الی اللہ اور داعی کے اوصاف، عبد العزیز بن عبد اللہ باز، توحید پبلیکیشنز، بنگلور (انڈیا)، طبع دوم، ۲۰۰۳ء، ص:۵۳

(۴) سورۃ یوسف:۱۲/ ۱۰۸

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور وہ لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کو وضاحت فرمائیں کہ میرا راستہ اور میری دعوت لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ نہایت دانائی اور خداداد بصیرت کے ساتھ یہی میرے پیروی کرنے والوں کا راستہ ہے۔ بصیرت ایک ایسا علم ہے جو شرعی اور عقلی دلائل و براہین پر قائم ہے۔ علم و بصیرت کے ذریعے حق و باطل میں تمیز کی جاسکتی ہے۔ داعی کو تین چیزوں میں بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے:

۱. اپنی دعوت میں بصیرت
۲. مدعو کے حالات میں بصیرت
۳. طریقہ دعوت میں بصیرت [۱]

آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ))[۲]

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اس طرح داعی کو دینی اور دیگر علوم کا علم حاصل کرنا چاہیے۔

۳۔ حلم

داعی کو حلیم الطبع، نرم مزاج اور صابر ہونا چاہیے۔ داعی کو دعوت کے دوران صبر و تحمل اور حلم و بردباری کو اختیار کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو بھی اپنے بد ترین مخالفین کے ساتھ بھی نرمی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو پیغام رسانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت فرمائی:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّه يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾[۳]

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

ان آیات قرآنی میں حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ وہ دونوں فرعون کو دعوت دینے جائیں اور دعوت میں نرمی اختیار کریں۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کو نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے نرمی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) اصول دعوت، ص: ۴۰

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب فی فضائل اصحاب، باب فضل العلماء، حدیث نمبر: ۲۲۴، ۱/۱۵۱

(۳) سورۃ طہٰ: ۲۰/۴۳-۴۴

((اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهِ))(۱)

ترجمہ: اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی کام کا ذمہ دار بنایا جائے اور وہ ان کے ساتھ نرمی کا سلوک کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا سلوک کر، اور جو کوئی میری امت کے کسی کام کا ولی مقرر ہو اور وہ ان پر سختی کرے تو بھی اس کے ساتھ سختی کا برتاؤ کر۔

اس طرح داعی کو دعوت میں حلم ونرمی کا برتاؤ کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کی نرمی اور حلم وطبع کی وجہ سے مدعو اس سے متاثر ہو جائے۔

۴۔ باعمل

داعی کی اہم صفت یہ ہے کہ اسے باعمل ہونا چاہیے اور وہ جن امور کی لوگوں کو دعوت دے رہا ہے پہلے وہ خود اس پر پوری طرح عمل کرے۔ اگر وہ کسی چیز سے لوگوں کو روک رہا ہے اور خود اس کا مرتکب ہو رہا ہے تو یہ دعوت کے لئے نقصان دہ ہے۔(۲) اس کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾(۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

اس آیت قرآنی میں قول اور فعل میں تضاد اور بغیر عمل کے دعوی کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ ایسا شخص جو خود عمل نہیں کرتا ہے اس کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ فَتَنْدَلِقُ أَقْتَابُ بَطْنِهِ فَيَدُورُ بِهَا كَمَا يَدُورُ الْحِمَارُ بِالرَّحَى فَيَجْتَمِعُ إِلَيْهِ أَهْلُ النَّارِ فَيَقُولُونَ يَا فُلَانُ مَا لَكَ أَلَمْ تَكُنْ تَأْمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ فَيَقُولُ بَلَى قَدْ كُنْتُ آمُرُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا آتِيهِ وَأَنْهَى عَنْ الْمُنْكَرِ وَآتِيهِ))(٤)

ترجمہ: کہ ایک شخص لایا جائے گا اور دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اور اس طرح پسے گا جس طرح گدھا پیتا ہے، دوزخ کے تمام لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ اے فلاں شخص کیا تو اچھی باتوں کا حکم نہیں کرتا تھا اور برائی سے نہیں روکتا تھا، تو وہ کہے گا کہ میں اچھی باتوں کا حکم دیتا تھا لیکن خود نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے منع کرتا تھا لیکن میں خود ان کو کرتا تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضیلۃ الامام، حدیث نمبر: ۱۸۲۸ ، ۳/۱۴۵۸

(۲) دعوۃ الی اللہ اور داعی کے اوصاف، ص: ۵۸

(۳) سورۃ الصف: ۶۱/ ۲

(۴) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب عقوبۃ من یامر بالمعروف، حدیث نمبر: ۲۹۸۹ ، ۴/۲۲۹۰

اس طرح داعی کی یہ اہم صفت ہے کہ وہ جس چیز کی دعوت دے رہا ہو پہلے خود اس پر عمل کرے اور جن چیزوں سے روک رہا ہو اس سے خود بھی باز رہے۔

۵۔ صداقت

داعی کی ایک اہم صفت صداقت ہے۔ داعی کو اپنے قول و فعل میں سچا ہونا چاہیے۔ اسے ہمیشہ سچی بات کہنی چاہیے [۱] کیونکہ اس صفت کے ذریعے وہ اپنی دعوت کی صداقت کو منوا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں صادقین کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾[۲]

ترجمہ: سچے لوگوں کی معیت اختیار کرو۔

اس آیت قرآنی میں سچے لوگوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے سچائی کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا:

((إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَصْدُقُ حَتَّى يُكْتَبَ صِدِّيقًا وَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ وَإِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتَّى يُكْتَبَ كَذَّابًا))[۳]

ترجمہ: سچ بولنا نیکی ہے اور نیکی جنت کا راستہ دکھاتی ہے اور بندہ سچ بولنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے ہاں سچا لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ برائی ہے اور یہ برائی دوزخ کا راستہ دکھاتی ہے اور بندہ جھوٹ بولنے میں لگا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔

اس طرح داعی کو ہمیشہ سچ بولنا چاہیے تاکہ لوگوں کا اس پر اعتماد ہو اور وہ اس کی دعوت کو مان لیں۔ داعی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ ان اوصاف سے متصف ہو کر مدعو کو دعوت دینی چاہیے۔

---

(۱) اصول دعوت، ص:۴۱

(۲) سورۃ التوبہ:۹/۱۱۹

(۳) صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ، باب قبح الکذب وحسن الصدق، حدیث نمبر:۲۶۰۷، ۴/۲۰۱۲

فصل سوم: بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی اور عملی ارتقاء

مبحث اول

بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی دعوت کا عملی ارتقاء

مبحث اول

بحیثیت داعی آنحضرت ﷺ کی حکمت عملی

حضرت محمد مصطفی ﷺ دنیا کی سب سے بڑی انقلابی شخصیت ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی سراپا دعوت و تبلیغ ہیں اور دعوت و تبلیغ میں مسلمانوں کے لئے بہترین اسوہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فریضہ دعوت و تبلیغ مشکل حالات میں اس قدر بہترین طریقہ اور حکمت عملی سے ادا کیا کہ آپ ﷺ کے دشمنوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ کی دعوت دین مکمل اور جامع تھی۔ یہ ہر دور، ہر قوم، ہر قبیلہ اور ہر مذہب کے لئے یکساں ہیں۔ آپ ﷺ نے بحیثیت داعی جو حکمت عملیاں اختیار کیں وہ تمام مسلمانوں کے لئے بالعموم اور داعیان اسلام کے لئے بالخصوص مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی دعوت کی حکمت عملیاں کو درجہ ذیل عنوانات کے تحت زیر بحث لایا جائے گا۔

ا۔ رسول اکرم ﷺ کی ابتدائی زندگی میں دعوتی حکمت عملی

ا۔ عملی تصادم سے پرہیز

مکی زندگی میں آپ ﷺ نے دعوت کا کام بہت سوچ سمجھ کر سر انجام دیا۔ مکہ میں آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ پر بہت ظلم و ستم کیا گیا۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے ظلم و ستم کو برداشت کیا کیونکہ آپ ﷺ کی حکمت عملی تھی کہ جوابی کاروائی نہیں کرنا۔ دعوت کا وہی کام فائدہ مند ہو سکتا ہے جو موقع و محل کو دیکھ کر دی جائے۔ سید قطب شہید [1] آپ ﷺ کی مکی زندگی میں اس حکمت عملی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لقد كانت "كفوا ايدكم" هي سر الموقف كله---هذا الوضوح الذى اتاحته لقضية "كفوا ايدكم هو من مستلزمات الدعوة" [2]

ترجمہ: اس دعوت کا راز "کفوا ایدکم" میں مستور ہے اور یہ تمام روشنی جو "کفوا ایدکم" نے تبلیغ کے معاملے کو عطا کیا، یقیناً یہ روشنی دعوت کے لوازم میں سے ہے۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان عملی تصادم سے بچنے کے لئے خفیہ طور پر صحابہ کرامؓ کے ساتھ دار ارقم میں مقیم ہوگئے۔ اس کے بارے میں محمد زاہد اقبال بیان کرتے ہیں:

---

(۱) سید قطب شہید: آپ کی ولادت مصر کے ضلع اسیوط کے قریہ موشا میں ہوئی، آپ مفکر اسلام، داعی اور مفسر قرآن تھے۔ آپ کی مشہور کتاب ظلال القرآن تھی۔ آپ کو ۱۹۶۶ء میں پھانسی دی گئی (سید قطب شہید عالم اسلام کے درخشندہ ستارے، سید اسد عباس، اسلام ٹائمز، ۱۵ مئی ۲۰۱۲ء)

(۲) کیف ندعو الناس، سید محمد قطب المصری، دار الشروق، قاہرۃ، مصر، طبعہ الثالثہ، ۱۴۲۴ھ۔۲۰۰۳م، ص:۱۹

"چونکہ تصادم و لڑائی اور جوابی کاروائی کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اور نہ مسلمانوں کو اس کی اجازت تھی بلکہ انہیں عفوودرگذر اور پہلو تہی کرنے اور ہاتھ نہ اٹھانے کا حکم تھا اس لئے اس جماعت کو خفیہ مقام پر مقیم رکھنا اور تصادم و تشدد سے بچنا ضروری تھا جس پر آپ ﷺ نے عمل درآمد فرمایا۔"(۱)

اس لئے دعوت کے کام کو خوب سوچ سمجھ کر اور ٹھنڈے دل و دماغ سے کرنا چاہیے اور جو بھی قدم اٹھا رہے ہوں وہ جذبات سے مغلوب ہو کر نہیں بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر ہو۔ عملی تصادم اور لڑائی جھگڑے سے پرہیز سے دعوت کے کام میں کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

ب۔ ہجرت کی حکمت عملی

ہجرت بھی آپ ﷺ کی دانشمندانہ حکمت عملی کا نمونہ تھی۔ آپ ﷺ نے ہجرت کا حکم دیا تو اس کی دو حکمتیں تھیں:

۱. کفار کے ظلم وستم سے رستگاری و گلو خلاصی۔
۲. فریضہ دعوت و تبلیغ کی ادائیگی میں وسعت۔(۲)

گویا کہ داعی کو اگر کسی علاقے میں مشکلات کا سامنا ہو اور دعوت کی اشاعت نہیں ہو رہی ہو تو اسے ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر جانی چاہیے جہاں مشکلات کم ہوں اور دعوت کے مواقع موجود ہوں۔ اس کے بارے میں عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار میں بیان ہوا ہے:

"اگر داعی کے لئے ایسے حالات پیدا کر دیے جائیں کہ اس کے لئے اپنے علاقے اور قوم میں رہنا مشکل اور جینا دوبھر ہو جائے تو اسے ایک ایسے علاقے کی طرف چلے جانے کی اجازت ہے جہاں اسے اپنے افکار و نظریات اور اعمال و عبادات پر کاربند رہنے کی آزادی ہو۔"(۳)

ہجرت کا فائدہ یہ ہوا کہ جو شخص اسلام قبول کر کے جہاں جاتا وہاں اسلام کی روشنی خود بخود پھیل جاتی۔ مسلمان جہاں جہاں سے گزرے وہاں اسلام کی آواز پہنچاتے گئے۔ اس طرح یمن اور حبشہ میں اسلام کی تحریک متعارف ہوئی۔

---

(۱) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۱۶۵

(۲) سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۱۶۰

(۳) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۲۵۴

ت۔ اختفاء

نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابتداء میں اسلام کی دعوت کا کام خفیہ طور پر سرانجام دیا کیونکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ مکہ کے رہنے والوں کے سامنے اچانک ہیجان خیز صورت حال نہ آجائے۔ جو لوگ ایمان لاتے انہیں ایمان چھپانے کی تلقین کی جاتی اور دار ارقم میں مسلمان کیا جاتا تاکہ وہ مشرکین مکہ کے ظلم و ستم سے محفوظ رہے سکیں۔ دار ارقم میں ہی انہیں اسلام کی تعلیمات سکھائی جاتیں۔ عبدالکریم زیدان[1] شروع میں خفیہ دعوت کے فوائد بیان کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

> ''آغاز میں دعوت کو خفیہ اور رازداری کے ساتھ دینا، تاکہ کافروں کی چالیں ناکام ہوں اور داعی ان کی اذیتوں سے محفوظ رہے۔''[2]

گویا کہ کفار کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ابتداء میں دعوت کے کام کو خفیہ رکھا۔

ث۔ اعتقاد و ایمان پر زور

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکی زندگی میں عقائد و ایمانیات پر بہت زور دیا کیونکہ لوگ بت پرستی کو چھوڑ رہے تھے۔ مکہ میں عقائد کے بارے میں آیتیں نازل ہوئیں۔ اس کے بارے میں شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی بیان کرتے ہیں:

> ''مکہ معظمہ کے قیام کے دوران جس قدر آیتیں نازل ہوئیں وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھیں، شرک اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت و جلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سماں اور جنت اور دوزخ کا پر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اس کی ضرورت کے دلائل، مکہ میں تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے۔''[3]

ایمانیات میں دو امور سب سے زیادہ اہم تھے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکی زندگی میں ان پر بہت زور دیا گیا:

۱) وحدانیت

۲) بعث بعد الموت[4]

کیونکہ مکی زندگی میں لوگ نیا نیا اسلام قبول کر رہے تھے اس لئے ان کے لئے ان دو بنیادی ایمانیات پر ایمان لانا ضروری تھا۔

---

(۱) عبدالکریم زیدان: آپ ۱۹۱۷ء کو بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت تھے۔ آپ نے درجنوں کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے ۲۷ جنوری ۲۰۱۴ء کو وفات پائی (شیخ عبدالکریم زیدان، خضر حیات، ماہنامہ محدث، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، ۳ فروری ۲۰۱۴ء)

(۲) اصول دعوت، عبدالکریم زیدان، (مترجم: گل زادہ شیرپاؤ)، البدر پبلی کیشنز، لاہور، جنوری ۲۰۱۰ء، ص:۱۹

(۳) سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ۲/۴۳۴

(۴) نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، ص:۸۹

۲۔ اپنے مقام کے علاوہ کار دعوت کی حکمت عملی

نبی اکرم ﷺ نے جب دیکھا کہ موجودہ حالات میں مکہ میں اسلام کی دعوت کا کام نہیں پھیل سکتا تو آپ ﷺ نے دعوتی سرگرمیوں کے لئے نئے میدان کی تلاش شروع کر دی۔ دیگر علاقوں میں آپ ﷺ کی دعوت پہنچانے کی وجہ محمد زاہد اقبال یہ لکھتے ہیں:

> "آپ ﷺ کے گرد ایک ایسی جماعت جمع ہو گئی تھی جو اللہ کے لئے آپ ﷺ کے ہر حکم کو بجالانے اور ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار تھی بلکہ عملا دے رہی تھی، ایسے میں اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ یہ دعوت دوسرے علاقے تک پہنچے اور وہاں بھی اس کے ہمنواء اور حامی پیدا کئے جائیں جو اس کے دست بازو بنیں اور اسے پروان چڑھائیں۔"(۱)

اس حکمت عملی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آپ ﷺ نے طائف کا سفر کیا۔ گو وقتی طور پر آپ ﷺ کو ناروا سلوک کا سامنا ہوا لیکن آپ ﷺ نے ان کے لئے بد دعا کرنے کے بجائے فرمایا:

((بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))(۲)

ترجمہ: بلکہ میں پر امید ہوں کہ اللہ تعالی ان یک پشتوں سے ان افراد کو پیدا فرمائے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

ایسا ہی ہوا کہ حضرت خالد بن ولید ؓ اور دیگر لوگوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے مکہ اور طائف کے درمیان میں بسنے والے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ (۳)

۳۔ تبلیغ کے لئے مبلغین ارسال کرنا

آپ ﷺ نے تبلیغ و دعوت کے کام کے لئے مبلغین وقتا فوقتا مختلف ملکوں، قوموں، قبیلوں اور بادشاہوں کی طرف بھیجے۔ ان کی دعوت کی وجہ سے اسلام عرب اور عرب سے باہر ایران، شام، مصر اور حبش تک پہنچا۔ اسلام کی ابتداء میں حضرت ابو بکر ؓ مبلغ تھے اور انہوں نے اپنی قوم کے قابل اعتماد افراد کو تبلیغ کرنا شروع کی اور ان کو پیغام حق پہنچایا۔ ان کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفان ؓ ، حضرت زبیر بن عوام ؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوف ؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ ؓ نے اسلام قبول کیا۔ (۴) آپ ﷺ نے اصحاب صفہ کی جماعت تیار کی

---

(۱) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۲۸۸

(۲) ایضا

(۳) رحمتہ للعالمین، قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مرکز الحرمین الاسلامی، فیصل آباد، اکتوبر ۲۰۰۷ء، ص:۹۲

(۴) الروض الانف، ۲/ ۲۹۴

ہوئی تھی۔ جو نو مسلموں کو اسلام کی تعلیمات سے روشناس کراتے اور ان کو ملک کے مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے بھیجا جاتا۔ بیر معونہ (۱) میں ان میں سے ستر آدمی اسلام کی اشاعت کے لئے بھیجے گئے۔ (۲) اسی طرح حضرت مصعب بن عمیرؓ کو آنحضرت ﷺ نے مبلغ کی حیثیت سے یثرب (۳) بھیجا (۴) اور ان کی کوششوں سے اگلے سال یثرب کے بہتر افراد حج کے موقع پر ایمان لے آئے۔ (۵)

۴۔ دعوت و تبلیغ کے لئے جماعتیں ارسال کرنا

اسلام کی تبلیغ و دعوت کے کام کو پھیلانے کے لئے آپ ﷺ نے موقع و محل اور ضروریات کے مطابق مختصر اور بڑی جماعتیں بھیجنے کی حکمت عملی کو اختیار کیا۔ غزوہ بدر میں جب قریش کو شکست ہوئی اور ملک بھر میں اسلام ایک قوت شمار ہونے لگا تو آپ ﷺ نے بعض قبیلوں کی درخواست پر مختلف جماعتوں کو تبلیغ و تعلیم کے لئے ادھر ادھر بھیجا ۔ (۶) اس حکمت عملی سے دعوت کے کام میں آپ ﷺ کو کامیابی حاصل ہوئی۔

۵۔ مراسلات اور مکتوبات کے ذریعے دعوت کی حکمت عملی

آپ ﷺ کی دعوتی حکمت عملیوں میں بہترین شاہکار شاہان مملکت کو خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دینا۔ یہ آپ ﷺ کا بہادرانہ کارنامہ تھا اور ان خطوط کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنی دعوت کا پیغام بہت سے بادشاہوں تک پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کے دین کی طرف دعوت دینے کے لئے تجربہ کار صحابہ کرامؓ کو بطور سفیر دعوتی خطوط دے کر مختلف حکمرانوں کی طرف بھیجا۔ (۷) علامہ منصور پوری کے مطابق آپ ﷺ نے ان سفیروں کو بادشاہان عالم کی طرف دعوت اسلام کے خطوط دے کر یکم محرم سات ہجری کو روانہ فرمایا۔ (۸) ان خطوط کے بارے میں زاد المعاد میں بیان ہوا ہے کہ:

---

(۱) بیر معونہ: یہ علاقہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان واقع ہے۔ یہ بنو عامر بن صعصہ کا کنواں تھا۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ابلی پہاڑ کے قریب واقع ہے (معجم البلدان، ۲۰۸/۱)

(۲) سیرت النبی ﷺ، ۱۹/۱

(۳) یثرب: مدینہ کا پرانا نام تھا۔ اسے یثرب اس لئے کہتے ہیں کہ جو پہلا آدمی یہاں آیا اس کا نام یثرب بن قانیہ تھا ۔ جب آپ ﷺ نے مکہ سے یثرب کو ہجرت کی تو اس کا نام مدینۃ النبی پڑ گیا (معجم البلدان، ۳۳۷/۴)

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۵۰/۲

(۵) رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، (مترجم: پروفیسر خالد پرویز)، بیکن بکس اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۲ء ، ص:۷۵

(۶) سیرت النبی ﷺ، ۲۱۹/۴

(۷) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳۸۸/۳

(۸) رحمتہ للعالمین، ص:۱۶۳

"جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو بادشاہوں کو خطوط لکھے اور چھ افراد کو ایک ہی دن مختلف بادشاہوں کی طرف روانہ فرمایا اور اسی غرض سے آپ ﷺ نے مہر بھی بنوائی۔"(۱)

محمد حمید اللہ (۲) ان خطوط کی تعداد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"تاریخ نے ایسے کوئی دو ڈھائی سو خط محفوظ کئے ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف قبائلی شیوخ، صوبہ جاتی افسروں اور ہمسایہ حکمرانوں کے نام تحریر فرمائے تھے۔ جو شخص پورے جزیرہ نمائے عرب کا حکمران ہو چکا ہو، اس کے لئے یہ تعداد کچھ بڑی نہیں"(۳)

آپ ﷺ کے بھیجے گئے ان دعوتی خطوط پر کوئی ایمان لایا اور کسی نے آپ ﷺ کی دعوتی پیغام کو قبول نہیں کیا لیکن اس کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ وہ آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کے نام سے متعارف ہوگئے۔

۶۔ سرداروں کو دعوت

آنحضرت ﷺ نے اسلام کی تبلیغ و دعوت کے کام کو پھیلانے کے لئے سرداروں اور صنادید کو دعوت دی کیونکہ جو طبقہ قوم میں اونچا مقام رکھتا ہے اگر وہ بااثر طبقہ دعوت قبول کرلے تو اس طرح دعوت کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ کمزور لوگوں میں دعوت پھیل بھی جائے تو اس سے دعوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بااثر شخصیات کو دعوت دینے کی فضیلت کو محمد زاہد اقبال بیان کرتے ہیں کہ:

"داعی کو اثر و رسوخ رکھنے والے افراد پر خصوصی توجہ دینی چاہیے، چاہے یہ اثر علمی، قومی، لسانی، علاقائی و ثقافتی ہو یا مالی و اقتصادی، تجارتی اور انتظامی ہو۔ اگر بااثر افراد دعوت قبول کرلیں یا کم از کم ان کی اخلاقی حمایت حاصل کرلی جائے یا اس سے بھی کم درجے میں ان کے دل میں محض دعوت اور ارباب دعوت سے متعلق نرم گوشہ پیدا ہو جائے تو اس کے کافی مثبت نتائج سامنے آتے ہیں خصوصاً ان کے ماتحتوں اور حلقہ اثر میں کام کرنے اور دعوت کی اشاعت و تبلیغ میں آسانی ہو جاتی ہے، جبکہ بصورت دیگر کئی مشکلات اور رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔"(۴)

---

(۱) زادالمعاد فی ہدی خیر العباد، ۶۸۸/۳

(۲) محمد حمید اللہ: آپ ۱۹ فروری ۱۹۰۸ء حیدر آباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ معروف محدث، فقیہ، محقق، قانون دان اور اسلامی دانشور تھے۔ آپ نے ایک سو سے زائد کتب تصنیف کیں۔ آپ کا انتقال دسمبر ۲۰۰۲ء میں ہوا (ڈاکٹر حمید اللہ، خورشید احمد، ماہنامہ محدث، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، فروری ۲۰۰۳ء، ص:۷۶)

(۳) رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، محمد حمید اللہ، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص:۱۱۳

(۴) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۳۱۳

اس سے یہ چیز واضح ہوتی ہے کہ اگر کسی قبیلہ کا صرف سردار مسلمان ہو جائے تو پورا قبیلہ اسلام قبول کرلے گا کیونکہ لوگ اپنے سرداروں کے حکم کے پابند ہوتے ہیں۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم حج کے موسم میں عرب کے نامور اور باثر لوگوں سے جاکر ملاقات فرماتے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور اپنی تعلیمات کی دعوت دیتے۔ امام بیہقی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"كان رسول الله في تلك السنين يعرض نفسه على قبائل العرب في كل موسم ويكلم كل شريف"(۱)

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم ان سالوں میں ہر موسم حج میں قبائل عرب کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے تھے اور ہر قوم کے صاحب عزت وشرف آدمی سے بات کرتے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مختلف اقوام اور گروہوں کے سرکردہ اور باثر افراد سے ملاقات فرماتے تھے اور ان کے سامنے اپنی دعوت پیش کرتے تھے۔ اسی طرح داعی کو بھی دعوت کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے تاکہ داعی ان تک اپنی دعوت پہنچاکر دعوت میں شمولیت اور نصرت اور حمایت پر آمادہ کرنے کی کوشش کریں۔ آنحضرت صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ہمیشہ اس طبقے کے اسلام لانے کی دعا کی کیونکہ یہ طبقہ مادی طور پر برتر ہوتا ہے اور یہ مادی طور پر تعاون کریں تو دعوت میں فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ ان سرکردہ افراد میں ذہنی صلاحیتیں بھی زیادہ ہوتی ہیں، اس لئے وہ اقوام کی قیادت کے اہل قرار پاتے ہیں۔ معاشرہ کی اصلاح اور مضبوط اساس کے لئے اس گروہ کی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۷۔ وفود کو دعوت اور اس کی حکمت عملی

رسول اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے وسیع دعوتی نظام میں وفود کا کردار بے حد اہم ہے کیونکہ ان لوگوں نے اپنی قوموں میں دعوت کا فریضہ سرانجام دیا اور ان کی کوششوں سے اسلام ان کے قبیلوں اور قوموں میں پھیلا۔ کچھ وفود ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ میں آکر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

سیرت کی قدیم کتابوں میں مدینہ میں آنے والے وفود کی تعداد کم سے کم پندرہ(۲) اور زیادہ سے زیادہ ایک سو چار(۳) ملتی ہے۔ یہ وفود دعوت و تبلیغ کو پھیلانے کا بہت بڑا ذریعہ تھے۔ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا قبائل عرب کے وفود کے ساتھ حسن اخلاق اور ان کو حکمت کے ساتھ دعوت دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ اپنے اپنے قبائل میں واپس گئے تو آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا ہر عمل انہیں بتایا اس طرح بہت ہی کم وقت میں پورے عرب میں اسلام پھیل گیا۔ مدینہ میں ہجرت کے بعد پانچ ہجری

---

(۱) دلائل النبوة، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی (۳۸۴ھ-۴۵۸ھ)(محقق: دکتور عبد المعطی قلعجی) دار الکتب العلمیة ودار الریان للتراث، طبع اول، ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء، ۲/۴۱۴

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۲۲

(۳) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۶/ ۲۵۴

میں وفود کے آنے کا سلسلہ شروع ہوا اور فتح مکہ کے بعد بے شمار سفارتیں آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں۔ آپ ﷺ کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ نو ہجری میں اتنے زیادہ وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام عام الوفود پڑ گیا۔[1] ان وفود کی کوششوں سے ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گیا اور دعوت اسلامی کو فروغ حاصل ہوا۔

۸۔ مدارس کا قیام

مدارس علم کے مراجع، معرفت کے منابع اور دعوت و تبلیغ کے کام کو پھیلانے کے لئے موثر انسان تیار کرنے کے مصادر ہیں۔ دعوتی سرگرمیوں کے لئے مساجد و مدارس کو ہی مراکز بنانے چاہیے۔ مساجد و مدارس سے ہٹ کر دیگر مقامات (مثلاً دفاتر) کو مرکز بنانے کی روش کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔

آپ ﷺ نے اعلانیہ دعوت و تبلیغ سے پہلے حضرت ارقمؓ[2] کے گھر کو مدارس کے طور پر استعمال کیا۔ یہ اسلام کا پہلا مرکز تعلیم و تربیت اور اسلامی درس گاہ تھی۔ یہی لوگ آکر اسلام قبول کرتے اور اسلام کی تعلیمات حاصل کرتے۔ اسی درس گاہ کے تعلیم یافتہ عرب بھر میں مبلغین اسلام، دعاۃ اور سفراء کے طور پر بھیجے گئے۔ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے ساتھ تعلیم و تربیت کے انتظام کے لئے صفہ قائم کیا۔ اصحاب صفہ اسلام کی دعوت کے لئے مختلف علاقوں میں بھیجے جاتے اور نو مسلموں کو تعلیم دیتے۔[3] یہ لوگ دن میں آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیثیں سنتے اور رات اسی چبوترہ میں بسر کرتے اور صفہ میں مقیم طلباء کی تعداد کم اور زیادہ بھی ہوتی رہتی تھی اور ان کی تعداد کا ذکر ایک جگہ میں ستر[4] اور دوسری جگہ میں چار سو[5] ملتی ہے۔ مدینہ منورہ میں مخرمہ بن نوفلؓ[6] کے گھر میں دار القراء کے نام سے اقامتی درسگاہ تھی۔[7] ان علمی درس گاہوں کے تعلیم یافتہ مبلغوں، قاصدوں اور داعیوں کی پکار سے اسلام عرب اور عرب سے باہر ایران، مصر، نجد اور حبش تک پہنچا۔

---

(۱) وفود عرب بارگاہ نبوی میں، علامہ طالب ہاشمی، حرا پبلی کیشنز، لاہور، ص:۱۴

(۲) حضرت ارقمؓ: آپ کا تعلق بنو مخزوم سے تھا۔ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ قدیم الاسلام تھے اور بارہویں نمبر پر اسلام قبول کیا۔ آپ کی وفات ۵۳ھ کو ہوئی اور اس وقت آپ کی عمر تیراسی سال تھی (اسد الغابۃ، ۱/۳۷)

(۳) سیرت النبی ﷺ، ۱/۱۹۴

(۴) عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ڈاکٹر نثار احمد، اُردو بازار، لاہور، ص:۴۴۶

(۵) سیرت النبی ﷺ، ۱/۱۹۴

(۶) مخرمہ بن نوفلؓ: آپ مشہور صحابی مسرمہ بن مخرمہ کے والد تھے۔ آپ فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔ آپ علم النسب میں ماہر تھے۔ آپ نے ۵۴ھ یا ۵۵ھ میں وفات پائی اور ایک سو پندرہ سال زندہ رہے (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، ۶/۵۰)

(۷) عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، ص:۴۴۶

۹۔ تبلیغ کے لئے زبانیں سیکھنا

زبان افہام و تفہیم اور تخاطب و تکلم کا بہترین ذریعہ ہے۔ اپنی زبان میں کسی بات کو سمجھانا بہت آسان ہے۔ اللہ تعالی نے جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف بھیجا تو اس کا ہم زبان بھیجا تا کہ احکام الٰہیہ کو مادری زبان میں بتائے اور وہ آسانی سے اللہ تعالی کی تعلیمات کو سمجھ سکیں۔ اگر مخاطب کوئی اور زبان بولنے والا ہو تو داعی کو وہ زبانیں سیکھنی چاہیے کیونکہ اس طرح مخاطب کو کوئی بات بہتر طور پر سمجھائی جاسکتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں اجنبی زبانیں سیکھنے کا رواج چل پڑا تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو اجنبی زبانیں سیکھنے اور سیکھانے کا حکم دیا کیونکہ مخاطب کی زبان میں دعوت دینے سے اپنائیت کا احساس بڑھے گا اور لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانے میں معاون ثابت ہو گا۔ آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان سیکھیں کیونکہ یہودیوں سے خط و کتابت کے لئے یہ زبان سیکھانا ضروری تھی۔[۱] آپ ﷺ کے کہنے پر حضرت زید بن ثابتؓ نے یہود کی زبان سیکھ لی۔ مختلف زبانوں میں دعوت کی اہمیت کے بارے میں عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز[۲] فرماتے ہیں:

> ”حکمرانوں اور صاحب استطاعت لوگوں پر واجب ہے کہ وہ ممکن طریقوں سے اور ان زندہ زبانوں میں فریضہ تبلیغ ادا کریں جن کو لوگ بولتے ہیں۔ واجب ہے کہ لوگوں کو ان کی زبانوں میں تبلیغ کیا جائے تا کہ خدا کا دین ان کی معروف زبانوں میں ان تک پہنچ جائے، عربی اور غیر عربی میں تبلیغ کی جائے۔“[۳]

مخاطب کی زبان میں دعوت دینے سے داعی اپنی بات مخاطب کو بہت اچھی طرح سمجھا سکتا ہے۔ مخاطب جلدی اس دعوت کے پیغام کو سمجھ لے گا اور قبول کرلے گا۔ اس لئے داعی کو اجنبی زبانیں سیکھنی چاہیے۔

یہ وہ حکمت عملیاں ہیں جو آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے کام میں سرانجام دیں اور ان کی بدولت اسلام کا پیغام ہر جگہ پہنچا۔ عصر حاضر میں داعی کو آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل کرنا چاہیے اور ان حکمت عملیوں سے کام لے کر کامیابیاں حاصل کرنی چاہیے۔

---

(۱) سنن ابوداؤد، کتاب العلم، باب روایۃ حدیث اہل الکتاب، حدیث نمبر: ۳۶۴۵، ۵/ ۴۸۹

(۲) عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز: آپ مملکت سعودی عرب کے مفتی اعظم، دار الافتاء کے رئیس اور بے شمار اسلامی اداروں کے سربراہ تھے۔ عصر حاضر میں شیخ ابن باز سے عالم اسلام کو جتنا فائدہ پہنچا ہے شاید ہی کسی اور عالم دین سے پہنچا ہو۔ پوری دنیا میں ان کے مقررہ کردہ داعی، ان کے مبعوث علماء کرام، اور ان کے قائم کردہ مدارس و اسلامی مراکز کام کر رہے ہیں اور اسلام کی شمع کو دنیا بھر میں روشن کئے ہوئے ہیں۔ آپ کا پورا نام عبد العزیز بن عبد الرحمٰن بن محمد بن عبد اللہ آل باز تھا۔ آپ ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۱ء) کو ریاض میں پیدا ہوئے۔ آپ کا انتقال ۱۳ مئی ۱۹۹۹ء بروز جمعرات کو ہوا (شیخ ابن باز مختصر سوانح اور علمی خدمات، محدث میگزین، مجلس التحقیق الاسلامی، جون ۱۹۹۹ء)

(۳) دعوت و تبلیغ کی حکمت عملی تعلیمات نبوی کی روشنی میں، شکیل احمد، قومی سیرت النبی کانفرنس ۲۰۱۰ء، ص: ۳۸۹

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی دعوت کا عملی ارتقاء

رسول اکرم ﷺ کے مبعوث ہونے سے پہلے آپ ﷺ کی تمام توجہ تعمیر شخصیت پر تھی یا آپ ﷺ آس پاس کے حالات کا گہرا مطالعہ کرتے۔ آپ ﷺ اپنی خلوتوں میں تفکر و تدبر کے ذریعے کائنات کے راز کا جائزہ لیتے۔ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی رہنمائی میں دعوت کا کام جاری رکھا۔ آپ ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی کو دو حصے مکی اور مدنی دور میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کی مکی زندگی تقریبا تیرہ سال کے عرصے پر محیط ہے اور مدنی زندگی تقریبا دس سال کے عرصے پر محیط ہے اور آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی میں دعوت کئی مرحلوں پر مشتمل ہے۔ آپ ﷺ کی دعوت کے مراحل کی تفصیلات مندرجہ ذیل ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی خفیہ دعوت اور السابقین الاولین

آپ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ ﷺ نے خاموشی کے ساتھ انفرادی دعوت کا سلسلہ شروع فرمایا اور خاص خاص لوگوں کو نئے دین کی دعوت دی۔ خفیہ دعوت کا عرصہ تقریبا تین سال ہے۔ سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ پھر قریبی رشتہ داروں میں سے حضرت علیؓ اور حلقہ احباب میں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ غلاموں میں سب سے پہلے زید بن حارثہؓ ایمان لائے۔ [۱] پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی دعوت و تبلیغ سے حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے اسلام قبول کیا۔ [۲]

ان افراد کے اسلام لانے کے بعد اسلام قبول کرنے والوں کا لگاتار سلسلہ شروع ہو گیا اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ ابن قیم لوگوں کے اسلام قبول کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

"دخل الناسُ فی الدین واحداً بعد واحد"[۳]

ترجمہ: لوگ یکے بعد دیگرے دین اسلام میں داخل ہونے لگے۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۲۱

(۲) الروض الانف، ۲/ ۲۹۴

(۳) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۲۱

ان اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت بلال ؓ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ، حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسدؓ (۱)، حضرت ارقمؓ، حضرت عثمان بن مظعونؓ (۲) اور ان کے دونوں بھائی حضرت قدامہؓ (۳) اور حضرت عبداللہؓ شامل تھے۔ پھر کچھ مدت کے بعد حضرت ابو ذر غفاریؓ (۴)، حضرت صہیب رومیؓ (۵)، حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ (۶)، سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ (۷) خباب بن ارتؓ (۸) اور عبداللہ بن مسعودؓ (۹) نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (۱۰) وقت کے ساتھ ساتھ بہت سے مردوں اور عورتوں نے بھی اسلام لانے کا شرف حاصل کر لیا۔

---

(۱) حضرت ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسدؓ: آپ کا بنو مخزوم سے تعلق تھا۔ آپ کا نام عبداللہ بن عبد الاسد تھا۔ آپ کا شمار اولین اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا تھا۔ آپ غزوہ احد میں زخمی ہوئے اور جمادی الآخر ۳ھ کو وفات پائی (اسد الغابۃ، ۳/ ۱۹۰)

(۲) حضرت عثمان بن مظعونؓ: آپ نے تیرہ افراد کے بعد اسلام قبول کیا۔ آپ نے حبشہ کی طرف پہلی ہجرت کی۔ آپ نے بدر میں شرکت کے بعد وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہونے والے پہلے شخص آپ تھے (الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/ ۴۶۱)

(۳) حضرت قدامہؓ: حضرت عثمان بن مظعونؓ کے بھائی تھے۔ آپ صحابی تھے۔ آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ آپ شروع میں اسلام لانے والوں میں سے تھے۔ آپ بدر میں شریک ہوئے۔ آپ نے ۳۶ھ کو وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۵/ ۴۲۳)

(۴) حضرت ابو ذر غفاریؓ: آپ کے نام کے بارے میں مختلف رائیں ہیں بعض کے نزدیک جندب بن جنادہ، بعض کے نزدیک اصح اور بعض کے نزدیک بریر بن عبداللہ ہے۔ آپ کبار صحابہ میں سے تھے۔ آپ اسلام لانے والوں میں پانچویں نمبر پر تھے۔ آپ نے ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں ربذہ کے مقام میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۳/ ۱۹۰)

(۵) حضرت صہیب رومیؓ: آپ کو رومی اس لئے کہا جاتا ہے کہ بچپن میں رومیوں نے آپ کو گرفتار کر کے قید کر دیا تھا۔ پھر عبداللہ بن جدعان نے خرید کر آزاد کر دیا۔ آپ بدر اور بعد کے معرکوں میں شریک ہوئے۔ آپ ۳۸ھ یا ۳۹ھ میں فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۴۴۹)

(۶) حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ اسلام لانے والے پہلے لوگوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اس وقت آپ بنی عبد مناف کے سردار تھے۔ آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ بدر میں شریک ہوئے۔ آپ بدر میں زخمی ہوئے اور پھر وفات پا گئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/ ۴۲۴)

(۷) سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ: آپ عشرہ مبشرہ میں سے ایک ہیں۔ آپ احد اور بعد کے معرکوں میں شریک ہوئے۔ آپ حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے۔ آپ ۵۱ھ یا ۵۲ھ کو فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۱۰۳)

(۸) خباب بن ارتؓ: آپ کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ آپ سابقین الاولین میں سے تھے۔ آپ زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں بیچ دیئے گئے۔ پھر بنی زہرہ سے عہد کیا۔ آپ چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔ آپ بدر اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کوفہ چلے گئے اور ۳۷ھ میں فوت ہوئے (اسد الغابۃ، ۱/ ۳۱۶)

(۹) عبداللہ بن مسعودؓ: آپ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ آپ پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ نے دونوں ہجرتیں کیں۔ آپ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہمیشہ رہے اور ان کا لقب صاحب نعل ہو گیا۔ آپ نے ۳۲ھ میں مدینہ میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/ ۲۳۳)

(۱۰) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۲۳

قرابت داروں کو دعوت

رسول اکرم ﷺ کی خفیہ دعوت اسلام مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہوگئی تو تین برس کی خفیہ دعوت اسلام کے بعد آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے حکم دیا کہ اپنے رشتہ داروں کو خبر دار کریں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: اپنے قریبی رشتہ والوں کو ڈرادے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی آپ ﷺ کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں یعنی اس دعوت حق کا آغاز سب سے پہلے اپنے گھرانے سے کریں تاکہ یہ کام دوسروں کے لئے نمونہ اور درس ہو۔

آپ ﷺ نے اللہ کے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کی دعوت کی۔ مگر اس دن ابولہب کی بد زبانی کی وجہ سے آپ ﷺ کو دعوت دینے کا موقع نہیں مل سکا۔ اگلے روز آپ نے دوبارہ لوگوں کو کھانے پر بلایا۔ جب لوگ کھانے سے فارغ ہوگئے تو آپ ﷺ اپنی جگہ سے اٹھے اور تقریر کے دوران فرمایا:

"الحمد لله، أحمده وأستعينه، وأومن به، وأتوكل عليه . وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له. ثم قال : إن الرائد لا يكذب أهله، والله لويكذب اهله والله لوكذبت الناس جميعا ما كذبتم وغررت الناس ما غررتكم والله الذي لا إله إلا هو، إني رسول الله إليكم خاصة وإلى الناس عامة، والله لتموتن كما تنامون، ولتبعثن كما تستيقظون، ولتحاسبن بما تعملون ولا تجزون بالاحسان احسانا و بالسوء سوء وإنها الجنة أبدًا أو النار أبدًا والله يا عبد المطلب ما اعلم شابا جاء قومه بافضل مما جئتكم به انى قد جئتكم بامر دنيا و الآخرة "(۲)

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، میں اس کی حمد بیان کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں اور اس پر ایمان لایا ہوں اور اس پر توکل کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ کے جو یکتا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، پھر فرمایا: قافلے کا پیشرو اپنے قافلے والوں سے جھوٹ نہیں بولتا، بالفرض و محال اگر میں دوسروں سے جھوٹ بولوں تو بخدا میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا، بالفرض و محال اگر میں ساری دنیا کے ساتھ میں دھوکہ کروں تو میں تم سے دھوکہ نہیں کر سکتا۔ اس ذات کی قسم جس کے بغیر کوئی اور معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں، تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم، بخدا تمہیں موت اس طرح آئے گی، جس طرح نیند آتی ہے اور قبروں سے یوں اٹھائے جاؤ گے، جیسے تم خواب سے بیدار

---

(۱) سورۃ الشعراء: ۲۶/ ۲۱۴

(۲) السیرۃ الحلبیہ، ۱/ ۲۷۲

ہوئے ہو، اور جو عمل تم کرتے ہو، ان کا محاسبہ ہو گا، تمہارے اچھے اعمال کی اچھی جزا اور برے کاموں کی بری جزا دی جائے گی۔ ٹھکانہ یا ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم۔ بخدا اے فرزندان عبد المطلب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا، جو اس چیز سے بہتر اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس دنیا اور آخرت کی فوز و فلاح لے کر آیا ہوں۔

ان الفاظ میں آپ ﷺ نے اپنے خاندان کو اسلام کی دعوت پیش کر دی اور اسلام سے متعارف کروادیا۔ رشتہ داروں سے دعوت کی ابتداء کی وجہ یہ تھی کہ داعی سے اس کے رشتہ دار واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اس کی دعوت کو جلدی قبول کر سکتے ہیں۔

کوہ صفا پر اہل مکہ کو عام تبلیغ

آپ ﷺ چھپ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت و تبلیغ فرماتے تھے تو اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ کو تبلیغ عامہ کا حکم دیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾(۱)

ترجمہ: پس آپ ﷺ اس حکم کو جو آپ ﷺ کو کیا جارہا ہے کھول کر سنادیجئے۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالی نے جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ ﷺ اسے لوگوں تک پہنچادیں، اسے نافذ کر دیں اور لوگوں کو کھلم کھلا حق سنا دیں۔ آپ ﷺ کھل کر لوگوں کے سامنے آئیں اور اسلام کی دعوت پیش کریں۔ اس آیت قرآنی کی وضاحت ابن جوزی(۲) اس آیت کی وضاحت اس طرح لکھتے ہیں:

"ما زال رسول الله صلى الله عليه و سلم مستخفيا حتى نزلت هذه الآية فخرج هو وأصحابه "(۳)

ترجمہ: کہ رسول اللہ ﷺ مخفی (دعوت دیتے) رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم باہر نکلے (اور اعلانیہ دعوت دینے لگے)۔

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کھلم کھلا دعوت کے اظہار کا حکم دیا گیا۔ کیونکہ اس آیت کے نزول سے قبل آپ ﷺ چھپ کر تبلیغ فرماتے تھے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے کھلم کھلا تبلیغ شروع کر دی اور آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو بلایا۔ آپ ﷺ کی آواز پر بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور ان میں ابو لہب بھی

---

(۱) سورۃ الحجر:۱۵/ ۹۴

(۲) ابن جوزی: آپ کا نام عبد الرحمن تھا، لقب جمال الدین، کنیت ابو الفرج اور ابن الجوزی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ ۵۱۱ھ یا ۵۱۲ھ میں بغداد میں درب حبیب میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ مورخ اور محدث تھے۔ آپ ۵۹۷ھ میں بغداد میں فوت ہوئے (تاریخ دعوت و عزیمت، ابوالحسن علی ندوی، مکتبۃ الحسن، اردو بازار لاہور، ۱/ ۲۲۵)

(۳) زاد المسیر فی علم التفسیر، عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزی، المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم، ۱۴۰۴ھ، ۴/ ۴۲۰

شامل تھا۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ کو اسلام کی دعوت سے پہلے اپنی صداقت کی گواہی چاہی کہ وہ آپ ﷺ کی بات پر کس حد تک یقین کرتے ہیں۔ سب نے آپ ﷺ کی صداقت کی گواہی دی اور اس چیز کا اعتراف کیا کہ آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

((فَإِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ))(۱)

ترجمہ: پس میں تمہیں اللہ کے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔

ان الفاظ میں آپ ﷺ نے انہیں اللہ تعالی کے عذاب سے خبر دار کیا۔ یہ سن کر آپ ﷺ کے چچا بہت برہم ہوئے۔ اس طرح آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لئے قریش کو مخاطب کر دیا اور ان پر واضح کر دیا کہ اب ان کے ساتھ تعلقات اس وقت قائم ہو سکتے ہیں جب وہ آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کریں گے۔ اس طرح آپ ﷺ کی دعوت پھیل گئی۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے کھلے عام دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔

حق کا واشگاف اعلان اور مشرکین کا ردِ عمل

نبی اکرم ﷺ مشرکین مکہ کی بھرپور مخالفت کے باوجود اسلام کی دعوت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا اللہ تعالی کی طرف سے حکم نازل ہوا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ﴾(۲)

ترجمہ: اے رسول ﷺ جو کچھ بھی آپ ﷺ کی طرف آپ ﷺ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے پہنچا دیجئے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو پورے دین کی تبلیغ کا حکم دیا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جوں کا توں اور بلا کم و کاست پہنچا دیں۔ الجامع لاحکام القرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان ہوئی ہے:

"معناه أظهر التبليغ ؛ لأنه كان في أول الإسلام يخفيه خوفا من المشركين ، ثم أمر بإظهاره في هذه الآية ، وأعلمه الله أنه يعصمه من الناس"(۳)

ترجمہ: اس کا معنی ہے تبلیغ کو ظاہر کرو، کیونکہ اسلام کے آغاز میں مشرکین کے خوف سے آپ ﷺ تبلیغ مخفی طریقہ سے کرتے تھے پھر اس آیت میں تبلیغ کے اظہار کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ کیا کہ وہ آپ ﷺ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب وانذر عشیر تک، حدیث نمبر: ۴۷۷۰، ۶/۱۱۱

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/۶۷

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۶/ ۲۴۲

اللہ تعالیٰ کے تبلیغ کے اظہار کے حکم کے بعد آپ ﷺ علی الاعلان شرک وبت پرستی کی مذمت اور دعوت توحید کا وعظ فرماتے رہے۔ جب مشرکین مکہ نے اپنے نظریات اور رسم ورواج کے خلاف آپ ﷺ سے باتیں سنیں تو آپ ﷺ کے خلاف ہو گئے اور آپ ﷺ کو تکلیفیں اور ایذارسانیاں دینی شروع کر دیں۔ آپ ﷺ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے۔ آپ ﷺ کو کاہن، ساحر، شاعر اور دیوانہ کہا گیا اور آپ ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا۔ کفار مکہ کبھی آپ ﷺ کے اوپر پتھر پھینکتے تو کبھی آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ کبھی آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے اور کبھی آپ ﷺ کی گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔(۱) آپ ﷺ نے یہ تمام تکالیف اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے برداشت کیں۔ اس کے بارے میں سہیلی بیان کرتے ہیں:

''فکان مطلوبه رضا ربه وبه کانت تهون علیه الشدائد''(۲)

ترجمہ: آپ ﷺ کا مطلوب و مقصود اپنے رب کی رضا کا حصول تھا چنانچہ اسی سبب سے تمام مصائب و تکالیف کو جھیلنا آپ ﷺ کے لئے سہل ہو جاتا تھا۔

ان تمام تکالیف و مشکلات کے باوجود آپ ﷺ دعوت و تبلیغ کے کام میں سرگرم رہے۔ آپ ﷺ مجنہ، عکاظ اور ذی مجاز(۳) کے میلوں میں جاتے اور وہاں میں دور دراز سے جو لوگ آتے ان کو اسلام کی دعوت دیتے۔(۴) موسم حج میں مشرکین نے پچیس سرداروں(۵) پر مشتمل ابو لہب کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی۔ یہ لوگ مکہ میں داخل ہونے والے راستوں پر کھڑے ہوتے اور لوگوں کو آپ ﷺ پر الزامات لگا کر آپ ﷺ سے متنفر کرتے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ نے دعوت کا کام جاری رکھا۔(۶)

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱/ ۵۴۸

(۲) الروض الانف، ۳/ ۵۵

(۳) مجنہ، عکاظ اور ذی مجاز: یہ عرب کے بڑے بازاروں کے نام ہیں (المحبر، محمد بن حبیب البغدادی (۲۴۵ھ-۸۵۹م)، موقع یعسوب، ۱/ ۲۲۷)

(۴) الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۱۶

(۵) ابو جہل بن ہشام، ابو لہب بن عبد المطلب، ابو سفیان بن حرب، ولید بن مغیرہ، عبید بن عبد یغوث، حارث بن قیس، امیہ بن خلف، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف، ابو قیس بن الفاکہ، عتبہ، شیبہ، نصر بن حارث، اخنس بن شریق، منبہ بن الحجاج، عاص بن وائل، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی الہذلی، حکم بن العاص، عدی بن الحمراء (الطبقات الکبریٰ، ۱/ ۲۰۱)

(۶) الرحیق المختوم، ص: ۸۵

جب ان کے اوچھے ہتھکنڈے ناکام ہو گئے تو انہوں نے دوسرا راستہ اختیار کیا اور کچھ دو اور کچھ لو کی بنیاد پر مصالحت کی پیشکش کی۔ لیکن آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کا کام جاری رکھا اور ان کی پیشکش ٹھکرا دی اور آپ ﷺ نے اپنے چچا کو فرمایا:

"يَا عَمّ،وَاَللّهِ لَوْ وَضَعُوا الشّمْسَ فِي يَمِينِي ، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتّى يُظْهِرَهُ اللّهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ"(۱)

ترجمہ: چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آؤں گا یا تو خدا اس کام کو پورا فرما دے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اپنے چچا جان کو فرمایا کہ اگر یہ سورج اور چاند بھی مجھے لا کر دیں تو پھر بھی میں اس کام سے باز نہیں آؤں گا۔ آپ ﷺ نے سورج اور چاند کا جو ذکر کیا اس کے بارے میں سہیلی بیان کرتے ہیں کہ:

"وخص رسول الله – صلى الله عليه وسلم – النيرين حين ضرب المثل بهما ; لأن نورهما محسوس والنور الذي جاء به من عند الله – وهو الذي أرادوه على تركه – هو لا محالة أشرف من النور المخلوق قال الله سبحانه {يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ} [التوبة ٣٣]. فاقتضت بلاغة النبوة – لما أرادوه على ترك النور الأعلى – أن يقابله بالنور الأدنى"(۲)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بطور مثال دو روشن سیاروں کا نام لیا، اس لئے کہ ان دونوں کا نور محسوس ہے اور وہ نور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور جس کے ترک کر دینے کا وہ (مشرکین) ارادہ رکھتے ہیں، یہ نور لا محالہ مخلوق نور (سورج و چاند) سے زیادہ شرف و مرتبت رکھتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ان کا ارادہ یہ ہے کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں لیکن اللہ تو اسے مکمل کرنا چاہتے ہیں" منصب نبوت کی بلاغت کا تقاضا ہے کہ جب وہ لوگ نور اعلیٰ کے ترک کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس کا نور ادنیٰ سے اس کا تقابل کیا جائے۔

یعنی قریش مکہ آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے ہوئے نور اعلیٰ کو ترک کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے دو ادنیٰ نور یعنی سورج اور چاند کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے یہ دونوں نور دیے جائیں تب بھی میں

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۳۲

(۲) الروض الانف، ۳/ ۱۰

نور اعلیٰ ترک کرنے پر تیار نہیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے قریش کی پیشکشوں کو ٹھکرا دیا اور دعوت کے کام کو جاری رکھا۔ آپ ﷺ کا دعوت کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے بارے میں علی مقریزی[1] بیان کرتے ہیں:

"ورسول الله صلّى الله عليه وسلّم يدعو إلى الله ليلا ونهارا وسرا وجهارا ، لا يصده عن ذلك صادّ ، ولا يرده عنه رادّ ، ولا يأخذه في الله لومة لائم"[2]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے دن رات، خفیہ اور اعلانیہ دعوت کا سلسلہ جاری رکھا، نہ تو کوئی رکاوٹ ڈالنے والا اس میں رکاوٹ ڈال سکا، نہ کوئی روکنے والا روک سکا اور نہ آپ ﷺ نے کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی پرواہ کی۔

گویا کہ بے شمار آزمائش کے باوجود آپ ﷺ نے دن رات دعوت کا سلسلہ جاری رکھا اور بغیر کسی ڈر اور خوف کے اسلام کا پیغام پھیلایا۔

بیرون مکہ دعوت و تبلیغ اسلام

ا۔ طائف کا تبلیغی سفر

آپ ﷺ کے چچا حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد کافروں کو مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچانے اور اسلام سے روکنے کا موقع ملا اور آپ ﷺ ان لوگوں کے ایمان لانے سے مایوس ہوئے تو آپ ﷺ نے نبوت کے دسویں سال اسلام کی دعوت کے کام کو پھیلانے کے لئے مکہ کے قرب و جوار کی بستیوں کا رخ کیا اور آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے۔ وہاں قبیلہ بنو ثقیف کی بڑی جماعت آباد تھی۔ اگر وہ لوگ اسلام قبول کر لیتے تو مسلمانوں کو تکلیفوں سے نجات مل جاتی اور اسلام پھیلنے کی بنیاد پڑ جاتی۔[3]

آپ ﷺ نے طائف پہنچ کر قبیلے کے تین سرداروں[4] کو اسلام کی دعوت دی۔ لیکن ان لوگوں نے دعوت کو قبول کرنے کے بجائے آپ ﷺ سے بے رخی اور بد اخلاقی کے ساتھ پیش آئے اور انتہائی بیہودہ اور گستاخانہ جواب دیئے۔ جب آپ ﷺ ان سے مایوس ہو کر واپس لوٹنے لگے تو انہوں نے آپ ﷺ کے پیچھے طائف کے لفنگے لڑکوں کو لگا دیا۔ ان لڑکوں نے آپ ﷺ کا تعاقب شروع کر دیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسانے لگے یہاں تک کہ آپ ﷺ

---

(۱) علی مقریزی: آپ کا نام احمد بن علی بن عبد القادر تھا۔ آپ ۱۳۶۵ء کو قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ آپ مصری تاریخ دان تھے۔ آپ ۱۴۴۱ء میں فوت ہوئے (الاعلام، ۱/۱۷۷)

(۲) امتاع الاسماع بما للنبی من الاحوال والاموال والحفدة والمتاع، تقی الدین احمد بن علی المقریزی (۸۴۵ھ)، (محقق: محمد عبد الحمید النمیسی)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹م، ۱/ ۳۵

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۳۳

(۴) عبد یالیل، مسعود اور حبیب

کے مقدس پاؤں زخموں سے لہولہان ہو گئے اور آپ ﷺ کے موزے اور جوتے مبارک خون سے بھر گئے۔ آپ ﷺ کے سر میں بھی بہت زخم آئے۔[1] طائف والوں کا آپ ﷺ پر تشدد کے بارے میں بیہقی بیان کرتے ہیں:

"وقعدوا له صفين على طريقه فلما مر رسول الله بين صفيهم جعلوا لا يرفع رجليه ولا يضعهما إلا رضخوهما بالحجارة وكانوا أعدوها حتى أدموا رجليه"[2]

ترجمہ: اور وہ آپ ﷺ کے راستے میں دو صفوں میں بیٹھ گئے جب آپ ﷺ ان صفوں کے درمیان سے گزرنے لگے تو انہوں نے آپ ﷺ کو پتھر مارنا شروع کر دیے، ایک قدم بھی آگے بڑھاتے تو پتھر مارتے وہ آپ ﷺ کو پتھر مارتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے پاؤں خون آلود کر دیے۔

اسی وقت حضرت جبرائیلؑ پہاڑوں کے فرشتے کے ہمراہ آئے اور پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ سے کہا:

((ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ[3]))[4]

ترجمہ: آپ ﷺ کی مرضی پر منحصر ہے، اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں کوہ اخشبین کو اٹھا کر ان لوگوں کے اوپر رکھ دوں۔

طائف والوں نے آپ ﷺ کے ساتھ برا سلوک کیا تو پہاڑوں کے فرشتے نے انہیں تباہ کرنے کے لئے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی۔ لیکن آپ ﷺ نے انہیں سزا دینے کے بجائے فرمایا:

((بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللَّهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللَّهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا))[5]

ترجمہ: بلکہ میں پر امید ہوں کہ اللہ تعالی ان یک پشتوں سے ان افراد کو پیدا فرمائے گا جو خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔

آپ ﷺ کے ساتھ انہوں نے اتنا برا سلوک کیا لیکن آپ ﷺ نے انہیں سزا دینے کے بجائے ان کے لئے دعا فرمائی کیونکہ آپ ﷺ کو امید تھی کہ ان کی اولاد اسلام قبول کرے گی۔

---

(۱) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۱/ ۹۸

(۲) دلائل النبوۃ، ۲/ ۴۱۵

(۳) الاخشبین: مکہ کے دو پہاڑوں کے نام جو جبل قیقعان اور جبل ابو قبیس کے نام سے مشہور ہیں (معجم البلدان، ۱/ ۴۵)

(۴) صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ، حدیث نمبر: ۳۲۳۱، ۴/ ۱۱۵

(۵) ایضا

ب۔ مختلف قبائل کو دعوت اسلام

نبی کریم ﷺ نے دعوت کا ایک اہم طریقہ اختیار کیا کہ حج کے دنوں میں جب کہ دور دراز کے عربی قبائل مکہ میں جمع ہوتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاکر ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ ابن سعد کے مطابق آپ ﷺ نے گیارہ قبائل[1] کو اسلام کی دعوت دی۔[2] آپ ﷺ کا مختلف قبائل کو دعوت دینے کے بارے میں مقریزی لکھتے ہیں:

"إنه صلّى الله عليه وسلّم بدأ بكندة فدعاهم إلى الإسلام ، ثم أتى كلبا ، ثم بني حنيفة، ثم بني عامر، وجعل يقول : من رجل يحملني إلى قومه فيمنعني حتى أبلغ رسالة ربي ، فإن قريشا قد منعوني أن أبلغ رسالة ربي"[3]

ترجمہ: آپ ﷺ نے کندہ قبیلہ سے اپنی دعوت کا آغاز کیا، پھر قبیلہ کلب کے پاس آئے، پھر بنی حنیفہ کے پاس، پھر بنی عامر کے پاس آئے۔ آپ ﷺ دعوت دیتے ہوئے فرماتے تھے "کون ہے جو مجھے اپنی قوم کے پاس لے جائے تاکہ وہ مجھے تحفظ دے، یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں، اس لئے کہ قریش نے مجھے اپنے رب کا پیغام پہنچانے سے روک دیا ہے۔

آپ ﷺ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاکر اس طرح دعوت پیش فرماتے:

"لاَ إِلهَ إِلا الله تُفْلِحُوا، وَتَمْلِكُوا بِهَا العَرَبَ، وتَذِلَّ لَكُم بِهَا العَجَمُ ، فَإِذَا آمَنْتُم، كُنْتُم مُلُوكاً فِى الجَنَّةِ "[4]

ترجمہ: اے لوگو! لا الہ الا اللہ کہو تو فلاح پاؤ گے، اس کے بدولت عرب کے مالک بن جاؤ گے اور عجمی تمہارے فرماں بردار ہو جائیں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بادشاہ ہو جاؤ گے۔

ان الفاظ میں آپ ﷺ انہیں ایمان لانے کے فوائد بتاتے۔ آپ ﷺ کا چچا ابو لہب ہر جگہ آپ ﷺ کے پیچھے جاتا اور ان لوگوں کو آپ ﷺ کی اطاعت نہ کرنے کا کہتا۔

---

(۱) بنی عامر بن صعصعہ، محارب بن خصفہ، فزارہ، غسان، مرہ حنیفہ، سلیم، عبس بن نضر بن البکا، کندہ ،کلب، حارث بن کعب، عذرہ حضارمہ (الطبقات الکبری، ۱/ ۲۱۶)

(۲) الطبقات الکبری، ۱/ ۲۱۶

(۳) امتاع الاسماع بماللنبی من الاحوال والاموال والحفدۃ والمتاع، ۱/ ۴۹

(۴) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۴۳

یثرب میں اشاعت اسلام

یثرب کا پہلا آدمی جس نے سب سے پہلے آپ ﷺ سے ملاقات کی اور آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی وہ سوید بن صامت [1] تھے۔ وہ بہت ہی ذہین آدمی تھے۔ ان کی قوم ان کی بہت عزت اور ان پر بہت ہی اعتماد کرتی تھی۔ ان کی قوم انہیں کامل کے نام سے پکارتی تھی۔ جس کی وجہ ان کی قوت جسمانی، ان کی شاعری اور ان کا ذی نسب ہونا تھا۔[2] مکہ اور طائف کے مشرکوں نے رسول اللہ ﷺ کو دل برداشتہ کر دیا تو اللہ نے تبلیغ اسلام کا ایک نیا باب کھول دیا۔ یثرب سے ہر سال لوگ حج کرنے مکہ آیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ منیٰ [3] میں عقبہ [4] کی گھاٹی کے پاس تھے کہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ ﷺ سے ملے۔ حضور اکرم ﷺ نے ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور قرآن کی آیات سنائیں۔ وہ یہودیوں سے ایک نئے نبی کے آنے کی پیشن گوئیاں سنتے رہتے تھے۔ اس لئے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ وہی رسول ہیں اور وہ چھ آدمی مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے واپس جا کر اسلام کا پیغام دوسرے لوگوں تک پہنچایا۔[5] اگلے سال حج کے موقعے پر یثرب کے بارہ آدمیوں نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر منی کی اسی گھاٹی میں چھپ کر بیعت کی۔ یہ بارہ نبوی کا واقعہ ہے اور اسے بیعت عقبہ اولی کہتے ہیں۔[6] اس کے بعد آپ ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کو مسلمانوں کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے مدینہ روانہ کیا۔ اس کے بارے میں سہیلی لکھتے ہیں:

”بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معهم مصعب بن عمير بن هاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصي،وأمره أن يقرئهم القرآن ويعلمهم الإسلام ويفقههم في الدين“[7]

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں کے ہمراہ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو بھیجا، اور انہیں حکم دیا کہ وہ انہیں قرآن مجید پڑھائیں اور انہیں اسلام سکھائیں اور انہیں دین کے درو بست سکھائے۔

---

(۱) سوید بن صامت: ان کے اسلام لانے کے بارے میں شک ہے۔ بعض کے نزدیک یہ عمرہ کرنے مکہ آئے تو آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے اسلام اختیار نہیں کیا اور جب وہ واپس گئے تو فوت ہو گئے۔ ان کی قوم کے لوگ انہیں مسلمان سمجھتی تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۳۰۵)

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۴۱

(۳) منی: مکہ کا معروف پہاڑ ہے (معجم ما استعجم، ۱/ ۳۴۲)

(۴) عقبہ: پہاڑ کی گھاٹی یعنی تنگ پہاڑی گزر گاہ کو کہتے ہیں۔ مکہ اور منی کے درمیان ہے اور اس کے پاس مسجد ہے۔ یہی آپ ﷺ نے بیعت لی تھی (معجم ما استعجم، ۳/ ۲۳۷)

(۵) الروض الانف، ۴/ ۴۵

(۶) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۴۹

(۷) الروض الانف، ۴/ ۵۳

حضرت مصعب بن عمیر ؓ نے انصار کے ایک ایک گھر میں جا جا کر اسلام کی تبلیغ کرنے لگے اور روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ مدینہ سے قباء تک گھر گھر اسلام پھیل گیا۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ ؓ (۱) کو مصعب بن عمیر ؓ نے جب اسلام کی دعوت پیش کی تو انہوں نے پہلے تو اسلام سے بیزاری ظاہر کی مگر جب مصعب بن عمیر ؓ نے ان کے سامنے قرآنِ مجید کی آیات پڑھیں تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ مسلمان ہوگئے۔ ان کے مسلمان ہوتے ہی ان کا قبیلہ اوس بھی اسلام میں داخل ہوگیا۔ (۲) مصعب بن عمیر ؓ کی محنت سے اگلے سال حج کے موقع پر مدینہ سے تہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل قافلہ آیا اور انہوں نے منی کی اسی گھاٹی عقبہ کے مقام پر آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔ (۳) مدینے کے مسلمانوں نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو مدینہ تشریف لے آنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر حضور ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب ؓ بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے مدینہ والوں سے کہا:

"فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الْخَزْرَجِ – قَالَ وَكَانَتْ الْعَرَبُ إنّمَا يُسَمّونَ هَذَا الْحَيّ مِنْ الْأَنْصَارِ : الْخَزْرَجَ ، خَزْرَجَهَا وَأَوْسَهَا – : إنّ مُحَمّدًا مِنّا حَيْثُ قَدْ عَلِمْتُمْ وَقَدْ مَنَعْنَاهُ مِنْ قَوْمِنَا ، مِمّنْ هُوَ عَلَى مِثْلِ رَأْيِنَا فِيهِ فَهُوَ فِي عِزّ مِنْ قَوْمِهِ وَمَنَعَةٍ فِي بَلَدِهِ وَإِنّهُ قَدْ أَبَى إلّا الِانْحِيَازَ إلَيْكُمْ وَاللّحُوقَ بِكُمْ فَإِنْ كُنْتُمْ تَرَوْنَ أَنّكُمْ وَافُونَ لَهُ بِمَا دَعَوْتُمُوهُ إلَيْهِ وَمَانِعُوهُ مِمّنْ خَالَفَهُ فَأَنْتُمْ وَمَا تَحَمّلْتُمْ مِنْ ذَلِكَ" (۴)

ترجمہ: اے گروہ خزرج! تمام اہل عرب انصار کے دونوں ہی قبیلوں یعنی خزرج اور اوس کو خزرج ہی کہتے تھے۔ محمد ہمارے اندر جو وقعت اور عزت رکھتے ہیں تم اس کو خوب جانتے ہو اور ہم ان کے مخالفین سے ان کے محافظ اور ان کو بچانے والے ہیں۔ مگر ان کا خود یہ ارادہ ہے کہ یہ اس شہر کو چھوڑ کر تمہارے شہر میں چلے چلیں اور تم سے مل جائیں اگر تم اس بات کو دیکھتے ہو کہ تم جس بات کی طرف ان کو بلاتے ہو اس کو پورا کر سکو گے اور ان کے دشمنوں سے ان کو محفوظ رکھو گے تو تم اس کام کو کرو۔ اور اگر تم سے یہ بات نہ ہو سکے تو بہتر ہے تم اسی وقت جواب دے دو کیونکہ محمد اس وقت ہماری حفاظت میں ہیں ایسا نہ ہو تم یہاں سے ان کو لے جا کر پھر ان کے دشمنوں کے سپرد کر دو۔

---

(۱) سعد بن معاذ ؓ: آپ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔ آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ آپ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوہ خندق میں آپ کو ایک تیر لگا جس کی وجہ سے ایک مہینہ بعد آپ کا انتقال ہوگیا (الاصابة فی تمییز الصحابة، ۳/ ۸۴)

(۲) الروض الانف، ۴/ ۶۳

(۳) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۴۵

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۵۹

حضرت عباس ؓ نے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوچ سمجھ کر نصرت کی بیعت کی جائے۔ حضرت عباس ؓ نے مدینہ والوں سے آپ ﷺ کی حفاظت کے بارے میں اس لئے کہا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کی حمایت اور دفاع بہت اچھی طرح کر سکیں۔ حضرت عباس ؓ کی اس گفتگو کے بارے میں محمد زاہد اقبال بیان کرتے ہیں:

> "نصرت کرنے کا عزم رکھنے والے افراد کو نصرت کا مطلب و مفہوم، اہمیت، اس کے دورس نتائج اور ممکنہ مشکلات و مصائب کا بخوبی ادراک ہونا چاہیے تاکہ وہ ذہنی، نفسیاتی اور جسمانی طور پر پہلے سے ہی تیار ہوں۔ ان امور کے پیش نظر ہی حضرت عباس ؓ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے مذکورہ بالا گفتگو کی۔"[1]

مدینہ والوں نے حضرت عباس ؓ کی بات کے جواب میں آپ ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ خدا کے احکام کے متعلق یا اپنی ذات کے متعلق کوئی عہد ہم سے لینا چاہتے ہیں تو لے لیں۔[2] بیعت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا۔ ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے۔[3] بیعت العقبہ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے نئی راہیں کھول دیں اور مدینے میں بے خوف و خطر اسلام کے فروغ پانے کا موقع ملا۔

مدینہ منورہ دعوت کا مثالی مرکز

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کے ذریعے مسلمانوں کی ایک جماعت مدینہ میں وجود میں آچکی تھی۔ آپ ﷺ کو اللہ کے دین کو آزادی اور وسعت سے پھیلانے کے لئے کسی پر امن مقام کی ضرورت تھی تو آپ ﷺ نے مدینہ والوں کی دعوت پر اسلام کا مرکز مدینہ منتقل کرنے کا حکم دیا۔ مدینہ میں مسلمانوں کی آمد سے اشاعت اسلام کی راہیں کھل گئیں۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں دعوت و تبلیغ کا دائرہ وسیع کر دیا۔ یہاں آپ ﷺ کو دین اسلام کو پھیلانے میں سہولت تھی تو آپ ﷺ نے اس کام کی طرف زیادہ توجہ دی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں دعوت اسلام کے لئے مسجد نبوی تعمیر کروائی[4] اور آپ ﷺ مسجد نبوی میں خطبے دیتے اور دین کی باتیں سکھاتے۔ مدینہ میں آپ ﷺ کے پاس آس پاس کے قبائل آزادانہ طور پر دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے تھے۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں نومسلموں کی تربیت کے لئے ایک جماعت تیار کی۔ جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ مبلغ اور داعی بنا کر اسلام کی دعوت کے لئے

(۱) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۳۲۸

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۵۹

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱/ ۵۶۲

(۴) ایضا، ۲/ ۸

بھیجے جاتے۔[1] مکہ میں آپ ﷺ کی ان تھک کوشش کے باوجود صرف چند خوش نصیب لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن ہجرت کے بعد نہ صرف عرب بلکہ روم وایران میں بھی اسلام پھیلنے لگا۔

میثاق مدینہ کا اثر اور دعوت و تبلیغ

نبی اکرم ﷺ نے تحریک اسلام کے فروغ کے لئے دعوتی و تبلیغی، عسکری و جہادی، آئینی و دستوری اور سیاسی ومعاہداتی مناہج کو اپنایا۔ آپ ﷺ نے دعوت اسلام کے فروغ کے لئے ہر وہ اقدامات کیے جس سے دعوت اسلام کو فروغ حاصل ہو۔ میثاق مدینہ سے آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا کام نئے مرحلے میں داخل ہو گیا۔ اس سے اسلام کو عالمی منظر نامے میں بے مثال مقام حاصل ہو گیا۔ میثاق اسلامی کائنات انسانی کا پہلا دستور ہے۔ میثاق مدینہ سے ایک اسلامی مملکت وجود میں آئی جو دین حق کا غلبہ حاصل کرنے کے لئے خشت اول تھی۔

صلح حدیبیہ کا اثر اور دعوت و تبلیغ

صلح حدیبیہ اسلامی دعوت میں وہ اہم موڑ ہے جس سے اسلام کی وسعت واشاعت اور فتح و غلبے میں اضافہ ہوا۔ یہ معاہدہ مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان چھ ہجری میں ہوا۔ حضرت محمد ﷺ کی دانشمندی کی وجہ سے صلح کا یہ معاہدہ ہوا۔ صلح حدیبیہ کی شرائط یہ تھیں:

۱. فریقین دس سال تک آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔
۲. قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے آپ ﷺ واپس بھیج دیں گے۔
۳. اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو وہ آپ ﷺ کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
۴. عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہیں کر لیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔
۵. آپ ﷺ اس سال بغیر عمرہ کئے مدینہ واپس چلے جائیں۔ آئندہ سال وہ عمرہ ادا کرنے آئیں اور صرف تین دن مکہ میں رہ کر واپس چلے جائیں۔ یہ لوگ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلواریں ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہوں۔[2]

دعوت نبوی ﷺ میں یہ معاہدہ ایک سنہری موڑ تھا۔ اس معاہدہ کے بعد کثرت سے لوگ اسلام قبول کرنے لگے ۔اس فتح کے بعد دعوت و تبلیغ کا نیا دور شروع ہوا۔ مسلمانوں کو امن وسکون کے ساتھ اسلام کی دعوت پھیلانے کا

---

(۱) سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۱۹۴

(۲) فقہ السیرۃ، ۱/ ۲۸۰

موقع ملا۔ صفی الرحمن مبارکفوری صلح حدیبیہ کی وجہ سے دعوت و تبلیغ کے میدان میں مسلمانوں کی کامیابی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"قد كسب المسلمون لأجل هذه الحرية نجاحاً كبيراً في الدعوة "(۱)

ترجمہ: اس آزادی کی وجہ سے مسلمانوں نے دعوت و تبلیغ کے میدان میں نہایت زبردست کامیابی حاصل کی۔

اس معاہدہ کے بعد وقت آ گیا تھا کہ اسلام کے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچا دیا جائے۔ اس لئے آپ ﷺ اسلام کی اشاعت کے لئے دعوتی سرگرمیوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس صلح کے بعد آپ ﷺ کی دعوتی سرگرمیاں دو حصوں میں بٹ چکی تھیں ایک عرب کے اندر اور دوسرا عرب سے باہر۔

مختلف مذاہب اور مختلف ممالک کے بادشاہوں کے پاس دعوت اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد آپ ﷺ کو قریش مکہ کی طرف سے اطمینان ہونے کے بعد دوسرے ملکوں میں اسلام پہنچانے کا موقع ملا کیونکہ اسلام کا پیغام صرف عرب والوں کے لئے نہیں تھا بلکہ پوری دنیا کے لوگوں کے لئے تھا۔ آپ ﷺ ذی الحجہ چھ ہجری میں مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس دعوتی خطوط بھیجے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔(۲) یہ خطوط دعوت کی تاریخ میں اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے مثال حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے دعوتی خطوط جن بادشاہوں کے پاس بھیجے اور جو قاصد لے کر گئے ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

۱. حضرت دحیہ کلبیؓ (۳) ہرقل قیصر روم کے پاس۔
۲. حضرت عبداللہ بن حذافہؓ (۴) خسرو پرویز شاہ ایران کے پاس۔
۳. حضرت حاطبؓ مقوقس عزیز مصر کے پاس۔
۴. حضرت عمرو بن امیہؓ (۵) نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس۔

---

(۱) الرحیق المختوم، ص:۳۴۵

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/ ۶۸۸

(۳) دحیہ کلبیؓ: آپ مشہور صحابی تھے۔ آپ سب سے پہلے خندق میں شریک ہوئے۔ آپ بہت خوبصورت تھے۔ حضرت جبرائیلؑ انہی کی شکل میں اترتے تھے۔ آپ دمشق چلے گئے اور مزہ میں رہائش رکھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲/ ۳۸۴)

(۴) حضرت عبداللہ بن حذافہؓ: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ قدیم الاسلام تھے۔ آپ نے دوسری دفعہ اپنے بھائی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کو رومیوں نے مقام قیساریہ کی کسی لڑائی میں قید کر لیا تھا۔ آپ کا انتقال مصر میں حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ہوا (اسد الغابۃ، ۲/۹۶)

(۵) حضرت عمرو بن امیہؓ: آپ مشہور صحابی تھے جن کی کئی احادیث ہیں۔ آپ نے اس وقت اسلام قبول کیا جب مشرکین میدان احد سے واپس جا رہے تھے۔ آپ بہت بہادر تھے۔ آپ مدینہ میں ساٹھ ہجری سے پہلے فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/ ۶۰۲)

۵.   حضرت سلیط بن عمروؓ [1] ہوذہ بادشاہ یمامہ کے پاس۔

٦.   حضرت شجاع بن وہبؓ [2] حارث غسانی والی غسان کے پاس۔ [3]

۷.   حضرت علاؤ بن الحضرمیؓ [4] منذر بن ساوی شاہ بحرین کے پاس۔

۸.   حضرت عمرو بن العاصؓ جیفر و عبد شاہ عمان کے پاس۔ [5]

ان خطوط کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنی دعوت اس دور کے بہت سے شہنشاہان مملکت تک پہنچا دی۔ ان خطوط کے جواب میں کسی نے اسلام قبول کیا اور کسی نے انکار کیا۔ لیکن یہ ضرور ہوا کہ وہ آپ ﷺ کے دین سے واقف ہو گئے۔ یہ آپ ﷺ کی عالمی دعوت و تبلیغ کا آغاز تھا اور آپ ﷺ نے انہیں خطوط کے علاوہ اپنی وفات تک مختلف مواقع پر دنیا کے دوسرے علاقوں میں بھی اپنے سفیر اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے بھیجے۔

فتح مکہ اور دعوت و تبلیغ

فتح مکہ کے واقعہ کے بعد قریش اور عرب کے دیگر قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ اس واقعہ سے اسلام عرب اور دیگر کئی علاقوں میں پھیل گیا۔ محمد زاہد اقبال اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”یہ وہ فتح ہے جس سے فتوحات کا دروازہ کھلا اور اس کے بعد اسلام پورے جزیرہ عرب پر چھا گیا بلکہ جزیرہ عرب کی حدود سے نکل کر دنیا کے دیگر علاقوں اور ممالک میں پھیلتا گیا“ [6]

اس عظیم الشان فتح کے بعد اہل مکہ اسلام کی طرف مائل ہوئے اور گروہوں کی صورت میں اللہ تعالی کے دین میں داخل ہونے لگے۔

---

(۱) حضرت سلیط بن عمروؓ: آپ سہل بن عمرو کے بھائی تھے۔ آپ ان اولین مہاجرین میں سے ہیں جنہوں نے دونوں ہجرتیں کیں۔ آپ بارہ ہجری میں یمامہ میں قتل ہوئے (اسد الغابۃ، ۱/ ۴۷۲)

(۲) حضرت شجاع بن وہبؓ: آپ کی کنیت ابو وہب تھی۔ آپ اولین مہاجرین میں سے تھے۔ آپ بدر میں شریک ہوئے۔ آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/ ۳۱٦)

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۲۸

(۴) حضرت علاؤ بن الحضرمیؓ: آپ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ آپ کو مستجاب الدعاء کہا جاتا تھا۔ آپ کو نبی اکرم ﷺ نے بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ آپ ۱۴ھ یا ۲۱ھ کو فوت ہوئے (اسد الغابۃ، ۲/ ۲۸۳)

(۵) الرحیق المختوم، ص: ۳۵۰

(٦) عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص: ۴۴۱

وفود کی آمد اور قبول اسلام

حضور اکرم ﷺ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے اپنے ارد گرد کے علاقوں میں مبلغین اسلام اور عاملین و مجاہدین کو بھیجا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض قبائل تو مبلغین کے سامنے ہی دعوتِ اسلام قبول کر لیتے مگر بعض قبائل اس چیز کو پسند کرتے کہ وہ خود حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ نو ہجری میں اتنے زیادہ وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اس سال کا نام عام الوفود پڑ گیا۔[1] آپ ﷺ کی خدمت میں وفود کی آمد سے اسلام کی اشاعت میں اضافہ ہوا۔ یہ لوگ آپ ﷺ کے اخلاق، کردار اور اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے۔ ان وفود کی آمد سے اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوا کیونکہ یہ وفود راستے میں مختلف قوموں اور قبیلوں سے ملتے تھے اور اسلام کی آواز کو ان لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ فتح مکہ کے بعد سب لوگ اسلام کی طرف مائل ہونے لگے اور بہت زیادہ وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن قبائل کے وفود آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

دوس، صداء، ثقیف، عبد القیس، بنو حنیفہ، طے، اشعریین، ازد، فردہ، جذامی، ہمدان،
بنو سعد ندیم، بنو اسد، بہراء، عذرا، خولان، محارب، غسان، بنو الحارث، بنو عیش، غامد،
بنو فزارہ، طارق بن عبد اللہ، سلامان، نحیران، نخع[2]

وفود کے بارے میں محمد سلیمان منصور نے لکھا:

> ”وفود کا آنا، واپس جانا۔ ہر منزل اور راہ پر مختلف قوموں اور قبیلوں سے ملنا اور اسلام کی آواز کو سب لوگوں کے کانوں تک پہنچانا کیسی خوبی سے انجام پاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی مدافعانہ لڑائیاں جن میں بہ مجبوری شامل ہونا پڑا، ملک کے ایک محدود دائرہ ہی میں تھیں۔ لیکن ان ڈیپوٹیشنوں کو دیکھو کہ ملک کے ہر گوشہ اور ہر حصہ سے چلے آتے تھے۔ ہدایت اسلام ہی کے وہ چشمے تھے جو نبی ﷺ نے چٹیل میدان میں بہا دیئے تھے جن کی طرف تمام پیاسے چلے آتے تھے۔ دعوت اسلام کی دوسری زبردست دلیل ان وفود کا حاضر ہونا۔“[3]

آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر دعوت و تبلیغ کے عمل کو جاری رکھنے کے لئے عالمی ابدی پیغام دیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) وفود عرب بارگاہ نبوی میں، ص:۱۴

(۲) رحمتہ للعالمین، ص:۱۷۳

(۳) ایضا

((أَلَا لِيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))[1]

ترجمہ: جو لوگ یہاں حاضر ہیں وہ اس کو دوسروں تک پہنچادیں۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر موجود مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو لوگ یہاں پر موجود نہیں ہیں وہ آپ ﷺ کا پیغام ان تک پہنچادیں تاکہ دعوت و تبلیغ کا کام جاری رہے۔

آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے جس کام کا آغاز اپنے خاندان سے کیا تھا اسے اپنی زندگی ہی میں عالمی سطح پر متعارف کرادیا اور آپ ﷺ نے ایسے دعوتی و تبلیغی نظام کی بنیاد رکھی جو ہر دور میں مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ہو گا۔ آپ ﷺ کی پراثر دعوت اور پر حکمت طریقہ دعوت نے بہت ہی کم عرصہ میں بے مثال کامیابی حاصل کی۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجتہ الوداع، حدیث نمبر: ۴۴۰۶، ۱۰/۴۹۰

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی کردار

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی کردار

حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں مسلمانوں کو جو عظیم اور فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی وہ مکہ کی فتح تھی۔ اس عظیم الشان فتح نے لوگوں کے سامنے سے اس رکاوٹ کو ہٹا دیا جس کی وجہ سے وہ اسلام قبول نہیں کر رہے تھے۔ فتح مکہ آپ ﷺ کے دعوت اسلام اور پیغام الٰہی پہنچانے کا آخری مرحلہ تھا۔ مکہ کو فتح کرنے سے آپ ﷺ نے صرف ایک شہر کو فتح نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے قریش کے دلوں کو فتح کر لیا۔ آپ ﷺ کا قریش کے ساتھ بہترین طرز عمل ہی کی وجہ سے آپ ﷺ کے مکہ میں قیام کے دوران ہی تقریباً تمام اہل مکہ دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ فتح مکہ کے بعد دعوت نبوی کا غلبہ اپنے مکمل ہونے کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ فتح مکہ سے اسلام کی ترویج و اشاعت کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اس واقعہ نے اسلام کے پھیلاؤ کی راہیں کھول دیں۔ یہاں تک کہ جزیرہ نمائے عرب میں سوائے اسلام کے کچھ باقی نہیں رہا، کفر کے اندھیرے ختم ہوئے اور اسلام گھر گھر پہنچ گیا۔ فتح مکہ کے واقعہ سے دعوت نبوی ﷺ کو قبول کرنے والے مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا تھا۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی[۱] یہاں تک کہ حجۃ الوداع میں ایک لاکھ تیس ہزار لوگ آپ ﷺ کے ساتھ حج میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے دعوتی کردار کو مندرجہ ذیل نکات میں بیان کیا جائے گا:

- فتح مکہ کے سفر کے دوران بہت سے لوگوں نے آپ ﷺ کے اچھے اخلاق اور انہیں معافی دینے کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کیا مثلاً آپ ﷺ کے چچا کے بیٹے ابوسفیان بن حارث بن عبد المطلبؓ اور پھوپھی کے بیٹے عبد اللہ بن امیہ بن مغیرہؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کی طرف سے منہ پھیر لیا کیونکہ آپ ﷺ کے قریبی رشتہ دار ہونے کی باوجود انہوں نے آپ ﷺ کو سخت تکلیفیں پہنچائی تھیں اور انہوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی۔ حضرت ام سلمہؓ نے ان دونوں کی آپ ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا۔[۲]

- آپ ﷺ نے مر الظہران کے مقام پر پہنچ کر یہ تدبیر اختیار کی کہ آپ ﷺ نے اپنی فوج کے ہر سپاہی کو کہا کہ وہ الگ الگ آگ روشن کریں[۳] اور آگ سے تمام صحرا روشن ہو گیا۔ اس منظر کا کافروں کے دلوں پر یہ اثر ہوا کہ انہوں نے جنگ کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دیا اور سب سے پہلے اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابوسفیان حضرت عباسؓ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث نمبر :۴۲۷۶، ۵/۱۴۶

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳/۴۰۰

(۳) ایضا، ۳/ ۴۰۱

کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ابوسفیان کو اسلام میں داخل ہونے کی دعوت دی، تو انہوں نے حق کی شہادت کا اعتراف ان الفاظ میں کر لیا:

"أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنّ مُحَمّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ"(۱)

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہے۔

ان الفاظ میں حضرت ابوسفیانؓ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ ﷺ کی نبوت کی گواہی دی۔

- مکہ میں داخلے کے وقت آپ ﷺ نے اپنے سپہ سالاروں کو خون ریزی اور قتل وغارت سے منع کیا اور پہلے اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کے سپہ سالار حضرت خالد بن الولیدؓ جب مکہ میں داخل ہوئے تو کچھ لوگوں سے ان کی جھڑپ ہوئی۔ انہوں نے لڑائی سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت پیش کی (۲) تو انہوں نے آپ کی بات نہیں مانی اور لڑائی شروع کر دی۔ تب حضرت خالد بن الولیدؓ نے ان سے لڑائی کی۔
- فتح مکہ میں آپ ﷺ کا اصل مقصد دلوں کا تسخیر تھا۔ آپ ﷺ نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے وجہ سے اسلام کی نشر و اشاعت ہوئی۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کی جان کے بڑے بڑے دشمن بیت اللہ شریف میں جمع ہوئے۔ آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا اور ان سے آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۳)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

ان الفاظ میں آپ ﷺ نے عام معافی کا اعلان کر دیا اور آپ ﷺ کے عام معافی کے اس طرز عمل نے سارے عرب کو حیران کر دیا اور انہیں اطمینان دلا دیا کہ مدینہ میں ابھرنے والی نئی قوت کوئی خون خوار فاتح قوت نہیں بلکہ ایک رحم اور کرم کرنے والی قوت ہے۔ آپ ﷺ کے رحم دلانہ طرز عمل سے سارے عرب کے دل اسلام کے لئے کھل گئے اور آپ ﷺ کے غیر معمولی برتاؤ سے بڑے بڑے سرکش متاثر ہو گئے۔ انہوں نے اعلان کر دیا کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں وہی حق ہے۔ مکہ کے ہزاروں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے سنگین جرم بھلا کر انہیں معاف کر دیا اور ان کے دلوں کو تبدیل کر دیا۔ نعیم صدیقی (۴) اپنی کتاب محسن انسانیت ﷺ میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۳۵

(۲) غزوات النبی ﷺ مع جہاد، ص:۵۷۱

(۳) السنن الکبری، ۶/ ۳۸۳

(۴) نعیم صدیقی: آپ کا نام فضل الرحمن تھا۔ آپ ۴ جون ۱۹۱۴ء کو ضلع جہلم کے علاقہ خانپور میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بیس سے زائد کتابیں لکھیں لیکن آپ کی مشہور کتاب محسن انسانیت ہے۔ آپ شاعر، ادیب، مصنف اور صحافی تھے۔ آپ نے ۲۵ ستمبر ۲۰۰۲ء کو وفات پائی (کیا مسافر تھے جو اس راہ گزر سے گزرے (نعیم صدیقی مرحوم)، ابن اسد، ماہنامہ رفیق منزل، ۹ نومبر ۲۰۱۴ء)

”حضور ﷺ نے تحریک کے کٹر دشمنوں اور خود اپنی ذات پر اور اپنے محبوب ساتھیوں پر کئی سال تک مظالم ڈھانے والوں، تمسخر کرنے والوں، راستے میں کانٹے ڈالنے والوں، قید کرنے والوں، قتل کرنے والوں، وطن سے نکالنے والوں، پھر تلوار لے کر میدان جنگ میں اتارنے والوں کے گندے اور سنگین جرم بالکل بھلا دیئے اور عام معافی کا اعلان کر دیا۔ سختی کے بجائے نرم پالیسی کا مدعا ظاہر تھا۔ حضور ﷺ ایک دنیوی فاتح نہ تھے کہ جبر و قوت سے کچھ لوگوں کو محکوم بنالینا اور ڈنڈے کے زور سے ڈرا دھمکا کر ان کو اپنے احکام کا پابند بنالینا کافی ہوتا۔ آپ ﷺ ایک دعوت، ایک مشن، ایک اخلاقی تحریک اور ایک پاکیزہ نظام کے علمبردار تھے۔ آپ ﷺ کے مقصد کے لئے ایسے مفتوحین بیکار تھے جنہیں مارے باندھے اطاعت میں لیا گیا ہو۔ آپ ﷺ کو دلوں کی تبدیلی درکار تھی“(۱)

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے اچھا سلوک کر کے آپ ﷺ نے اپنے اصل مقصد یعنی کفار کے دلوں کا تسخیر کر لیا۔ اس طرح انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

- جب اللہ تعالی نے نبی اکرم ﷺ اور مسلمانوں کو فتح عطا کی اور مکہ والوں پر حق واضح ہو گیا۔ وہ اس حقیقت کو جان گئے کہ اسلام کے سوا کوئی کامیابی کی راہ نہیں۔ اس لئے وہ اسلام لانے کے لئے آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کوہ صفا پر چڑھ کر بیعت لی۔ حضرت عمرؓ آپ سے ایک درجہ نیچے بیٹھے ہوئے تھے وہ لوگوں سے عہد لے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس بات پر بیعت لی جہاں تک ممکن ہو سکا آپ ﷺ کی بات سنیں گے اور مانیں گے۔ جب آپ ﷺ مردوں کی بیعت سے فارغ ہو گئے تو عورتوں سے بیعت لی۔ اس طرح مکہ کے بہت سے لوگوں تحریک اسلام میں داخل ہو گئے۔
- حضور اکرم ﷺ کی رسالتی ذمہ داری تھی کہ دین اسلام کو عالمگیر بنایا جائے اور تحریک اسلام عرب سے نکل کر بیرونی دنیا میں پھیل جائے۔ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے قریش بہت مدد و معاون ثابت ہو سکتے تھے۔ مکہ کو فتح کرنے سے قریش مکہ اور عرب کے دیگر قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔ محمد سلیمان منصور پوری نے اہل عرب کے اسلام قبول نہ کرنے کے مندرجہ ذیل اسباب ذکر کئے ہیں:

اَ. بہت سے قبائل کے قریش مکہ کے ساتھ معاہدے تھے اگر وہ اسلام قبول کرتے تو ان کے معاہدے ٹوٹ جاتے۔

---

(۱) محسن انسانیت ﷺ، نعیم صدیقی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ص:۴۰۸

ب. کچھ قبائل معاشی طور پر کمزور تھے اور قریش مکہ کے مقروض تھے۔ان کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اسلام قبول کیاتو قریش مکہ ہم پر ظلم کریں گے اور قریش ان سے اپنے پیسے واپس مانگے گے۔

ت. کچھ قبائل کا خیال تھا کہ مکہ میں اس شخص کو حکومت حاصل ہو گی جسے خدا کی مدد ہو گی۔حضرت عمرو بن سلمہ ؓ سے روایت بیان ہوئی ہے:

((وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمْ الْفَتْحَ فَيَقُولُونَ اتْرُكُوهُ وَقَوْمَهُ فَإِنَّهُ إِنْ ظَهَرَ عَلَيْهِمْ فَهُوَ نَبِيٌّ صَادِقٌ فَلَمَّا كَانَتْ وَقْعَةُ أَهْلِ الْفَتْحِ بَادَرَ كُلُّ قَوْمٍ بِإِسْلَامِهِمْ وَبَدَرَ أَبِي قَوْمِي بِإِسْلَامِهِمْ))(۱)

ترجمہ:اور سارے عرب والے فتح مکہ پر اپنے اسلام کو موقوف کیے ہوئے تھے ان کا کہنا تھا اس نبی کو اور ان کی قوم (قریش) کو نمٹنے دو اگر وہ ان پر غالب آ گئے تو واقعی وہ سچے نبی ہیں۔چنانچہ جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم نے اسلام لانے میں پہل کی۔میرے والد نے میرے قوم کے اسلام لانے میں جلدی کی۔

ث. مختلف قبائل میں ایسے بوڑھے موجود تھے جنہوں نے ابرہہ کے لشکر کا مکہ پر حملہ اور اسکی فوج کی تباہی کو دیکھا تھا۔(۲)

اس طرح مکہ کو فتح کرنے سے قریش مکہ اور عرب کے دیگر قبائل اسلام میں داخل ہو گئے۔

- فتح مکہ کے بعد تقریبادو ہزار کے قریب لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔مکہ کی فتح کے بعد اسلام کو فروغ حاصل ہوا کیونکہ عرب کے بہت سے قبائل نے اسلام قبول کرنے کو مکہ کی فتح کے ساتھ مشروط کیا ہوا تھا۔مسعودی (۳) اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

"فلما فتح رسول الله صلّى الله عليه وآله مكة ودانت له قريش، انقادت له العرب الى الإسلام "(۴)

ترجمہ:جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا اور قریش آپ ﷺ کے پیرو ہوئے،تو عربوں نے سر تسلیم خم کیا۔

فتح مکہ سے بہت پہلے نبی اکرم ﷺ نے ذوالجوشن ضبابی (کلابی) کو اسلام کی دعوت دی تو اس نے آپ ﷺ کو کہا:

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب: المغازی، باب (بغیر عنوان) رقم الحدیث: ۴۳۰۲، ۱۰/۳۶۶

(۲) رحمۃ للعالمین، ۱/۱۴۱

(۳) مسعودی: آپ کا نام علی بن حسین بن علی اور کنیت ابوالحسن تھی۔آپ مورخ، جغرافیہ دان اور سیاح تھے۔آپ کی مشہور کتاب مروج الذہب ہے۔آپ ۳۴۵ھ کو فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۳۰/۶۹)

(۴) التنبیہ والاشراف، علی بن حسین بن علی مسعودی، افیست دار صادر، بیروت۔لبنان، ۱۸۹۴ء، ص: ۲۷۵

" اگر آپ نے کعبہ پر غلبہ پایا تو میں آپ پر ایمان لاؤں گا"[1]

ابن ابی شیبہ[2] اس کے بارے میں لکھتے ہے:

((لا تذلُّ العرب حتی یذل اهل مکة))[3]

ترجمہ: عرب اس وقت تک سر تسلیم خم نہیں کریں گے جب تک کہ مکہ پر زیر تسلط نہ آیا ہو۔

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرنے کو مکہ کی فتح کے ساتھ مشروط کیا ہوا تھا۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو عرب والوں نے اسلام قبول کر لیا۔

- فتح مکہ قریش مکہ کی معنوی اور اخلاقی شکست کا ثبوت تھا۔ یہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ مکہ کو فتح کرنے سے پہلے ہی مکہ کے گھر گھر اسلام پہنچ چکا تھا۔ قریش مکہ کی معنوی اور اخلاقی شکست کا اندازہ اس چیز سے لگایا جا سکتا ہے کہ حماس بن قیس جب محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں سے جنگ کے لئے ہتھیاروں کو تیز کر رہا تھا۔ تو اس کی بیوی اسے کہا:

" وَاللهِ مَا أَرَاهُ يَقُومُ لِمُحَمّدِ وَأَصْحَابِهِ شَيْءٌ "[4]

ترجمہ: خدا کی قسم! میں نہیں سمجھتی کہ محمد ﷺ اور انکے ساتھیوں کے سامنے کوئی چیز ٹھہر سکتی ہے۔

ان الفاظ میں حماس بن قیس کی بیوی اس کا مذاق اڑاتی ہے۔ کیونکہ حماس بن قیس کی بیوی کو یقین تھا کہ کتنا بھی اسلحہ یہ تیار کر لیں، اسلامی فوج سے یہ لوگ جیت نہیں کر سکتے۔ یہ سب آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ اور حسن تدبر کی وجہ سے ہوا جو نبوت کی برکت سے اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو عطا کیا تھا۔ فتح مکہ نے قریش مکہ کو شکست سے دوچار کیا۔

- فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ نے دعوت کے انفرادی اور اجتماعی طریقوں کو اختیار کی۔ مثلا انفرادی طور پر آپ ﷺ نے ابوسفیان سے اللہ تعالی کی وحدانیت کے بارے میں سوال ان الفاظ میں کیا:

((يَا أَبَا سُفْيَانَ أَلَمْ يَأْنِ لَكَ أَنْ تَعْلَمَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ؟))[5]

ترجمہ: اے ابوسفیان! کیا اب بھی تمہیں یقین نہ آیا کہ خدا ایک ہے؟۔

---

(۱) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی، دار الکتب العلمیہ بیروت-لبنان، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء، ۲/ ۱۶۲

(۲) ابن ابی شیبہ: آپ کا نام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ اور کنیت ابو بکر تھی۔ آپ ۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق کوفہ سے تھا۔ آپ محدث تھے ۔ آپ نے ۲۳۵ھ میں وفات پائی (الاعلام، ۴/۱۱۷)

(۳) المصنف لابن ابی شیبہ، ۱۳/ ۱۵۹

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۸

(۵) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

اس طرح آپ ﷺ کی ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دینے کی وجہ سے ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ اجتماعی طور پر آپ ﷺ نے قریش کے مجمع کے سامنے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، بہت سے شرعی احکام، اخلاقی نصیحتیں، امور جاہلیت کا خاتمہ اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کی زندگی میں فرق کو بیان ان الفاظ میں فرمایا:

"لَا إِلَهَ إِلّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدّعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيّ هَاتَيْنِ إلّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجّ أَلَا وَقَتِيلُ الْخَطَأِ شِبْهِ الْعَمْدِ بِالسّوْطِ وَالْعَصَا ، فَفِيهِ الدّيَةُ مُغَلّظَةً مِئَةٌ مِنْ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا . يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ، إنّ اللهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيّةِ وَتَعَظّمَهَا بِالْآبَاءِ النّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ"(۱)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دی۔ خبردار! ہر قسم کا فخر، مالی اور نسبی امتیاز جن کے دعوے کیے جاتے ہیں، آج میرے پاؤں تلے ہیں سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے۔ خبردار! اگر کسی کو کوڑے یا لاٹھی کے ساتھ غلطی سے مار دیا جائے تو قاتل پر سخت دیت لاگو ہو گی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ بھی ہوں گی۔ اے قریش! اللہ تعالیٰ نے تمھارا جاہلی تکبر اور آبائی فخر ختم کر دیا۔ سب لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور سیدنا آدمؑ مٹی سے بنے تھے۔

اس طرح آپ ﷺ نے فتح مکہ میں دعوت کے ان دو طریقوں پر عمل کر کے اسلام کو پھیلایا۔

- آپ ﷺ نے فتح مکہ کی مہم کے دوران بہت سے اسلام کے دعوتی اصولوں کو اختیار فرمایا:

۱. عدم اکراہ

آپ ﷺ نے فتح مکہ کی مہم کے دوران اسلام کی دعوت میں زبردستی کا راستہ اختیار نہیں کیا اور نہ آپ ﷺ نے کسی شخص کو مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ قرآن مجید میں بھی اس چیز سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾(۲)

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔

---

(۱) الروض الانف، ۷/ ۲۳۲

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۵۶

اس آیت قرآنی میں دین میں زبردستی کرنے سے روکا گیا ہے۔ دین کے معاملہ میں جبر واکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر واکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ ابن کثیر اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"لا تكرهوا أحدًا على الدخول في دين الإسلام فإنه بين واضح جلي دلائله وبراهينه لا يحتاج إلى أن يكره أحد على الدخول فيه، بل من هداه الله للإسلام وشرح صدره ونور بصيرته دخل فيه على بينة، ومن أعمى الله قلبه وختم على سمعه وبصره فإنه لا يفيده الدخول في الدين مكرها مقسورًا " (۱)

ترجمہ: کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کر، اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی اس کے دلائل و براہین بیان ہو چکے ہیں پھر کسی اور پر جبر اور زبردستی کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ جسے اللہ رب العزت ہدایت دے گا، جس کا سینہ کھلا ہوا دل روشن اور آنکھیں بینا ہوں گی وہ تو خود بخود اس کا والہ وشیدا ہو جائے گا، ہاں اندھے دل والے بہرے کانوں والے پھوٹی آنکھوں والے اس سے دور رہیں گے پھر انہیں اگر جبراً اسلام میں داخل بھی کیا تو کیا فائدہ؟ کسی پر اسلام کے قبول کرانے کیلئے جبر اور زبردستی نہ کرو۔

فتح مکہ کی مہم میں نبی اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے زبردستی کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے امن اور محبت کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ نے دین کو اختیار کے معاملے میں قریش مکہ کی آزادی برقرار رکھی اور جبر کر کے کسی کو مسلمان نہیں کیا۔ کیونکہ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کفار آزادی کے ساتھ بغیر کسی دباؤ کے اسلام قبول کریں۔ تاکہ ان کا قبول اسلام فکر صحیح کا نتیجہ اور اخلاص پر مبنی ہو۔ اس لئے قریش نے آزاد ارادے سے اخلاص کے ساتھ اسلام قبول کیا۔

۲. ذہنی انقلاب

فتح مکہ کی مہم میں نبی اکرم ﷺ ذہنی انقلاب لائے تھے۔ کیونکہ انسانی ذہن غور و فکر کی بنیاد ہوتا ہے۔ عقل ہی علم و معرفت کا ذریعہ ہوتی ہے۔ عقل کے ذریعہ ہی خیر و باطل کو پہچانا جاتا ہے۔ عقل اگر کسی چیز کو مسترد کر دے تو اس کو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ (۲) آپ ﷺ چاہتے تھے کہ کفار کے ذہن تبدیل ہوں اور وہ خود اسلام کے بارے میں سوچے سمجھیں اور پھر اس کو قبول کریں۔ اس طرح مکہ فتح ہونے کے ساتھ ہی انہوں نے خود ہی اسلام قبول کر لیا۔

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم، ۱/ ۶۸۲

(۲) انسان کامل، خالد علوی، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۱۷۲

۳. دشمن کے ساتھ اخلاق حسنہ

اچھا اخلاق دعوت کے عمل میں طاقت کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کے اچھے اثرات معاشرے میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اچھے اخلاق سے ایک سرکش آدمی سے اس کی سرکشی ختم کی جاسکتی ہے۔ حسن اخلاق سے دشمن کو دوست بنایا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ﴾ (۱)

ترجمہ: نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔

اس آیت قرآنی میں نبی اکرم ﷺ کو مخالفین کی برائی کا جواب اچھائی سے دینے کی تلقین کی گئی ہے کیونکہ دعوت حق کی راہ میں مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے داعی حق کو ان اوصاف سے متصف اور ان مکارم اخلاق سے مسلح اور مزین ہونا چاہیے۔ اس طرح ان کے دشمن بھی دوست بن جائیں گے۔

آپ ﷺ نے فتح مکہ کی مہم میں اپنے دشمنوں سے بہت ہی اچھا اخلاق کا برتاؤ کیا۔ آپ ﷺ نے اپنی فوج کو قتل وغارت سے منع کر دیا۔ آپ ﷺ امن کے ساتھ بغیر خون بہائے مکہ میں داخل ہونا چاہتے تھے۔ ایک جگہ پر خالد بن ولید کے دستے سے کفار کی معمولی مزاحمت پر چند جانوں کے نقصان پر آپ ﷺ نے انتہائی افسوس کا اظہار کیا اور اسے تقدیر کا فیصلہ قرار دیا۔ (۲) فتح مکہ میں آپ ﷺ کے بڑے بڑے دشمن مفتوح ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے انہیں معاف فرما دیا اور فرمایا:

((لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۳)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

آپ ﷺ کے اس اخلاق حسنہ اور رحم دلانا طرز عمل کی وجہ سے سارے عرب کے دل اسلام کے لئے کھل گئے اور انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۴. رفق و نرمی

داعی کو دعوت میں نرم انداز اختیار کرنا چاہیے اور مخاطب کے ساتھ نرم لب ولہجہ میں گفتگو کرنی چاہیے۔ اللہ تعالی نے انبیاء کرام ؑ کو بھی اپنے بدترین مخالفین کے ساتھ بھی نرمی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے۔ جب اللہ تعالی نے حضرت موسی وہارون ؑ کو پیغام رسانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت فرمائی:

---

(۱) سورۃ فصلت: ۴۱/ ۳۴

(۲) السنن الکبری وفی ذیلہ الجوہر النقی، کتاب السیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۱۸۷۴۴، ۹/ ۱۲۰

(۳) السنن الکبری، ۶/ ۳۸۳

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّه يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾(۱)

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔ اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

اس آیت قرآنی میں حضرت موسیٰ و ہارونؑ کو اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ وہ دونوں فرعون کو دعوت دینے جائیں اور دعوت میں نرمی اختیار کریں۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ داعی کو ہمیشہ مخاطب کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ صحابہ کرامؓ کو نرم رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے نرمی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ))(۲)

ترجمہ: اللہ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی کی وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی صفت بیان کی جارہی ہے۔ اس کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم و مہربان ہے اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خود بھی نرم و مہربان ہے اور ان انسانوں سے راضی ہوتے ہیں۔ جو اپنے تمام امور میں ایک دوسرے سے نرم خوئی اور مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو سہولت و آسانی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنے دشمن کے ساتھ انتہائی نرم رویہ رکھا اور ان کے ساتھ سختی نہیں کی۔ فتح مکہ کے روز جب آپ ﷺ اپنی فوج کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو ایک شخص آپ ﷺ کو ملا۔ جو آپ ﷺ کا دشمن تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن فوجی دستوں کی ہیبت سے اور اس ڈر سے کہ آپ ﷺ اس سے اس کی زیادتیوں کا بدلہ لیں گے، اس پر کپکپی طاری تھی تو آپ ﷺ نے اس کا خوف دور کرنے کے لئے نرمی سے اسے کہا:

((أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ)) (۳)

ترجمہ: میں اس خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔

اس واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے نرمی ورفق کا برتاؤ کیا۔

---

(۱) سورۃ طہ: ۲۰/ ۴۳-۴۴

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الآداب، باب فی الرفق، حدیث نمبر: ۴۸۰۷، ۷/ ۱۸۵

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب القدید، حدیث نمبر: ۳۳۱۲، ۴/ ۴۳۰

۵. عفو و در گزر

عفو و در گزر اور حلم و بردباری تبلیغ دین میں ایک موثر طرز عمل ہے۔ عفو و در گزر اور صبر و تحمل سے ہی معاشرے کے اندر تناؤ اور کھچاؤ کا ماحول پیدا نہیں ہوتا ہے۔ اس سے دعوت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عفو و در گزر اور تحمل و بردباری کا ثبوت دیا اور اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا جو مکمل طور پر آپ ﷺ کے قابو میں تھے اور انہیں فرمایا:

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۱)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

آپ ﷺ کے عفو و در گزر کی وجہ سے جوق در جوق لوگ اسلام میں داخل ہوگئے۔

- آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے بعد مردوں کے بعد عورتوں سے بیعت لی۔ اس طرح عورت پر یہ لازم ہے کہ دین کے احکام سے واقف ہو اور پھر وہ مردوں کے شانہ بشانہ دین کا پیغام لوگوں تک پہنچائے۔ محمد سعید رمضان البوطی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

" ومن هنا كان على المرأة المسلمة أن تتعلم شؤون دينها، كما يتعلّم الرجل، وأن تسلك كل السّبل المشروعة الممكنة إلى التسلح بسلاح العلوم والوعي والتنبه إلى مكامن الكيد وأساليبه لدى أعداء الإسلام الذين يتربصون به، حتى تستطيع أن تنهض بالعهد الذي قطعته على نفسها وتنفذ عقد البيعة الذي في عنقها"(۲)

ترجمہ: اور اس لئے مسلمان عورت پر فرض ہے کہ مرد کی طرح وہ بھی اپنے دین کے مسائل جاننے کی کوشش کرے، علوم وفنون اور شعور و آگہی کے اسلحوں سے لیس ہونے کے لئے تمام جائز اور ممکن ذرائع اختیار کرے اور اسلام کے دشمن اس کے خلاف جو سازشیں کرتے ہیں ان کے اسالیب اور کمین گاہوں سے واقف ہو۔ تاکہ اپنی ذات کے بارے میں جو عہد کیا ہے اسے پورا کر سکے اور بیعت کا جو قلادہ اس نے اپنی گردن میں ڈالا ہے اس کا حق ادا کر سکے۔

- داعی کو باطل سے سازگاری اور کچھ لو اور کچھ دو کا معاملہ نہیں کرنا چاہیئے۔ دونوں گروہوں کا ایک ساتھ بیٹھنا غیر فطری ہے اور اس طرح حق پر اثر پڑتا ہے۔ محمود احمد اختر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسی طرح جب حق والے باطل کے ساتھ مل بیٹھنے کو تیار ہو جائیں تو اس کا مطلب ہے کہ وہ حق کے لئے قربانی دینے سے گریزاں ہیں اور باطل والے حق والوں کی اس کمزوری کو فوراً بھانپ لیتے ہیں کہ حق پر ضرب لگانے کا یہ بہترین موقع ہے کہ حق والے

---

(۱) السنن الکبری، ۶/ ۳۸۳

(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۸۳

باطل سے صلح کرنے کے بعد گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوتے ہیں چنانچہ باطل اس پر کاری ضرب لگانے میں دیر نہیں کرتا۔ حق والوں کا باطل کے مل بیٹھنا درحقیقت حق اور باطل کو ملا جلا کر ایک ملغوبہ تیار کرنا ہوتا ہے اس صورت میں حق کی اثر پذیری متاثر ہوتی ہے جو ایک بڑا جرم ہے "۔[۱]

کفار سے کئی مرتبہ آپ ﷺ کے ساتھ سودے بازی کی جسارت کی لیکن آپ ﷺ نے ہمیشہ انکار کیا۔ فتح مکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اہل حق ثابت قدمی کا مظاہرہ کریں تو غالب حق آئے گا اور باطل مٹ جائے گا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ بیت اللہ کے اردگرد اور چھت پر رکھے بتوں کو لکڑی سے ٹھوکر مارتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ اس آیت قرآنی کی تلاوت فرماتے رہے[۲]:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾[۳]

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔

اس آیت قرآنی میں حق یعنی اسلام کا غلبہ اور باطل کے مٹنے کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ کہ باطل مٹنے کے لئے ہی تھا۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر ابن کثیر بیان کرتے ہیں کہ:

" قدجاءهم من الله الحق الذي لا مرية فيه ولا قبل لهم به، وهو ما بعثه الله به من القرآن والإيمان والعلم النافع. وزَهَقَ باطلهم، أي اضمحل وهلك، فإن الباطل لا ثبات له مع الحق ولا بقاء "[۴]

ترجمہ: کہ اللہ کی جانب سے حق آگیا سچائی اتر آئی، جس میں کوئی شک شبہ نہیں، قرآن ایمان نفع دینے والا سچا علم منجانب اللہ آگیا، کفر برباد و غارت اور بے نام و نشان ہو گیا، وہ حق کے مقابلے میں بے دست و پا ثابت ہوا، حق نے باطل کا دماغ پاش پاش کر دیا اور نابود اور بے وجود ہو گیا۔

- تمام انبیاء کرامؑ کا کام ہے کہ وہ توحید کی دعوت دیں۔ اس لئے اللہ تعالی نے انہیں لوگوں کے پاس بھیجا کہ وہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں۔ قرآن مجید میں بار بار آپ ﷺ کو لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے کا حکم دیا ہے:

﴿وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ﴾[۵]

ترجمہ: خیال رکھئے کہ یہ کفار آپ ﷺ کو اللہ تعالی کی آیتوں کی تبلیغ سے روک نہ دیں اس کے بعد کہ یہ آپ ﷺ کی جانب اتاری گئیں، تو اپنے رب کی طرف بلاتے رہیں۔

---

(۱) تبلیغ دین میں نبی ﷺ کا طریقہ کار، محمود احمد اختر، ماہنامہ محدث، لاہور، مئی ۱۹۹۵ء، ۲۶/۱۰۰

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب ازالۃ الاصنام من حول الکعبہ، حدیث نمبر: ۸۷، ۳/۱۴۰۸

(۳) سورۃ الاسراء: ۱۷/ ۸۱

(۴) تفسیر القرآن العظیم، ۵/ ۱۱۲

(۵) سورۃ القصص: ۲۸/ ۸۷

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو کہا کہ آپ ﷺ کو کافروں کی باتیں، انکی ایذاءرسانی اور انکی طرف سے تبلیغ و دعوت کی راہ میں رکاوٹیں قرآن کی تلاوت اور اس کی تبلیغ سے نہ روک دیں۔ بلکہ آپ ﷺ پوری یکسوئی سے رب کی طرف بلانے کا کام سرانجام دیتے رہیں اور اس میں کوئی کمی یا کوتاہی نہ کریں۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے قریش مکہ سے پہلے خطاب میں ہی اللہ تعالی کی وحدانیت بیان فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ "(۱)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔

وہ لوگ جو کل تک مشرک تھے، آپ ﷺ کے تشریف لاتے ہوئے ہی مکہ کے ہر گھر اور گوشے میں توحید کا دور دورہ ہو گیا۔

- پہلے دن سے آخری دن تک ساری انسانیت کے لئے اللہ تعالی کا منتخب مذہب اسلام ہی ہے۔ اگرچہ زمانوں اور امتوں کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے شرائع و احکام بدلتے رہے لیکن مذہب سب کا اسلام ہی تھا، عقائد سب کے ایک ہی تھے، بنیادی احکامات سب کے ایک ہی تھے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ﴾(۲)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

آپ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو اہل مکہ نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ محمد سعید رمضان البوطی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

" ألا إنها لحقيقة واحدة لا ثانية لها: هي الإسلام، فما أحمق الإنسان وما أجهله، حينما يكافح أو يناضل أو يجاهد في غير سبيل الإسلام، إنما يكافح حينئذ عن وهم لا حقيقة له ولا طائل "(۳)

ترجمہ: جان لو کہ حقیقت صرف ایک ہے اور وہ اسلام ہے۔ وہ انسان کتنا احمق اور نادان ہے جو اسلام کے علاوہ کسی دوسری راہ میں جدوجہد اور معرکہ آرائی کرتا ہے۔ فی الواقع وہ سراب کے پیچھے بھاگتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

- فتح مکہ کے بعد دعوتی کام کے لئے میدان صاف تھا۔ اب مسلمانوں کو رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں تھا اور مسلمانوں کو موقع مل گیا کہ وہ اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اس لئے نبی اکرم ﷺ نے مختلف قبیلوں کی طرف داعی بھیجے۔ ان کی تبلیغ سے بہت سے عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ اس طرح آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد

---

(۱) الروض الانف، ۷/ ۲۳۲

(۲) سورۃ آل عمران: ۳/ ۱۹

(۳) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۷۰

دعوت نبوی کی توسیع اور دین حق کی اشاعت کے لئے مختلف قبائل اور علاقوں میں سرایا بھیجے مثلا سریہ خالد الی بنی جذیمہ [1]، سریہ عیینہ بن حفص الی بنی تمیم [2]، سریہ قطبہ بن عامر الی خثعم [3]، سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی الی بنی کلاب [4] وغیرہ۔[5] آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فتح مکہ کے بعد عرب کے اطراف میں لوگوں کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے جو داعی اور مبلغین بھیجے تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کو مقرر کرنے کے لئے ان میں مندرجہ ذیل خوبیاں دیکھتے تھے:

١. آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان لوگوں کو بھیجتے جن میں زہد، تقدس اور پاکیزگی کی صفات موجود ہوتیں تاکہ ان دعاۃ اور مبلغین کے کردار کی وجہ سے اسلام کی طرف لوگ جلدی مائل ہوں۔

٢. آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس شخص کو امیر مقرر کرتے جو سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ان کی حفاظت کے لئے انکے ساتھ فوج کے دستے بھیجتے تاکہ کوئی شخص ان کو نقصان نہ پہنچا سکے اور وہ آزادی سے اسلام کی تبلیغ کا کام سرانجام دے سکیں۔[6]

- فتح مکہ کے بعد آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں آس پاس کے عرب قبائل وفود کی شکل میں آتے۔ وہ اسلام کے بارے میں آگاہی حاصل کرتے اور پھر اسلام قبول کر لیتے۔ وہ پہلے قریش کے دباؤ اور اہل مکہ کے ڈر کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کر رہے تھے۔ فتح مکہ نے اس رکاوٹ کو بھی دور کر دیا اور اب دعوت اسلام نے گھر گھر پہنچ کر اپنی حقانیت اور اعجازی تصرفات سب پہ واضح کر دی۔ لوگ جوق در جوق حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں دور دراز کے سفر طے کرتے ہوئے وفود کی شکل میں آنے لگے اور اپنی رضا سے اسلام قبول کرنے لگے۔ اس قسم کے وفود اکثر و بیشتر فتح مکہ کے بعد نو ہجری میں مدینہ منورہ آئے اس لئے نو ہجری کو لوگ "سنۃ الوفود" (نمائندہ کا سال) کہنے لگے۔[7] وہ وفود جو نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا ان میں دوس، صداء، ثقیف، عبد القیس، بنی حنیفہ، طے، اشعریین

---

(١) بنی جذیمہ: بنو کنانہ میں سے تھے۔ یہ علاقہ مکہ سے نیچے یلملم کے نواح میں ایک شب کے راستے پر تھے (الطبقات الکبری، ٢/١٤٧)

(٢) بنی تمیم: عرب کا عدنانی قبیلہ تھا۔ اس قبیلے کے لوگ نجد کے علاوہ بصرہ، یمامہ اور کوفہ تک پھیلے ہوئے تھے (نہایۃ الارب فی معرفۃ الانساب العرب، القلقشندی، نشرۃ الابیاری، قاہرۃ، ١٩٦٣ء، ١/٦٦)

(٣) بنی خثعم: اس قبیلے کا تعلق عرب کے قحطانی قبیلے سے تھا۔ اس قبیلے کے لوگ ہر سال حج کرنے مکہ آتے تھے (نہایۃ الارب فی معرفۃ الانساب العرب، ١/٨٤)

(٤) بنی کلاب: اس قبیلے کے لوگ پہلے مدینہ اور فدک کے نواح میں رہتے تھے۔ بعد میں یہ لوگ شام کی طرف چلے گئے (نہایۃ الارب فی معرفۃ الانساب العرب، ١/١٣٣)

(٥) الطبقات الکبری، ٢/١٤٧-١٦٢

(٦) سیرت النبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ٢/٣٧٦

(٧) وفود عرب بارگاہ نبوی میں، ص: ١٤

،ازد، فردہ، جذامی، ہمدان طارق بن عبد اللہ، بنی سعد ندیم، بنو اسد، بہراء، عذرا، خولان، محارب، غسان، بنی الحارث، بنی عیش، غامد، بنی فزارہ، سلامان، نحیران، نخع وغیرہ شامل تھے۔[1]

- وفود عرب دعوت نبوی ﷺ میں توسیع کا ذریعہ تھے۔ وفود عرب کے ساتھ آپ ﷺ نے بہترین دعوتی طریقہ کار اختیار کیا، بعض وفود معاہدہ صلح و امن کے لئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے لیکن آپ ﷺ کے حسن اخلاق سے اس قدر متاثر ہوتے کہ اسلام قبول کر لیتے جیسے وفد اشجع[2] پہلے صلح کر کے بعد میں اسلام قبول کر لیا۔[3] آپ ﷺ انہیں قرآن کے دعوتی اصولوں کے مطابق دعوت حق پیش کرتے۔ آپ ﷺ ان کے قبائلی اور علاقائی نفسیات کا لحاظ فرماتے اور وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہو جاتے۔ آپ ﷺ وفد کے پہنچتے ہی انہیں دعوت دینا شروع نہیں کر دیتے تھے بلکہ دعوت کا ماحول پیدا کرتے اور مدعو کی مہمان داری اور عزت و تکریم کا مکمل اہتمام فرماتے۔ اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱. جب نبی اکرم ﷺ کو وفود کی آمد کی اطلاع دی جاتی تو آپ ﷺ خوب صورت لباس زیب تن کرتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی اس کا حکم دیتے۔[4]

۲. آپ ﷺ وفود کے استقبال کے لئے بعض دفعہ مکان سے باہر تشریف لے جاتے اور اگر سردار اور قبیلہ کا قائد ہوتا تو اس کی آپ ﷺ بہت تعظیم کرتے جیسے عدی بن حاتم کے لئے آپ ﷺ نے ایک گدا بچھایا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔[5]

---

(۱) رحمۃ للعالمین، ص:۱۷۳

(۲) وفد اشجع: غزوہ خندق والے سال اس قبیلہ کے رئیس مسعود بن رخیلہ اپنے قبیلے کے سو آدمیوں کے ساتھ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان سے صلح کر لی اور بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا (الطبقات الکبری، ۱/ ۳۰۶)

(۳) الطبقات الکبری، ۱/ ۳۰۶

(۴) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۶/ ۲۵۹

(۵) الطبقات الکبری، ۱/ ۳۲۲

۳. ان وفود کی رہائش کا اہتمام ایک صحابیہ رملہ بنت الحارثؓ (۱) کے گھر (۲) اور کبھی حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۳) کے گھر کیا جاتا اور بعض کو آپ ﷺ مسجد میں ٹھہراتے۔

۴. حضرت بلالؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ (۴) کو آپ ﷺ نے وفود کی خاطر و تواضع کے لئے مقرر کیا ہوا تھا۔ بعض اوقات آپ ﷺ خود ان دعوتی وفود کی خاطر و تواضع کرتے اور ان کو حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرمادیتے۔ (۵)

۵. آپ ﷺ ہر وفد کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا برتاؤ کرتے اور ان کی نازیبا اور نا قابل برداشت حرکتوں کو صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کرتے۔

۶. آپ ﷺ وفود کو واپسی پر تحائف کے ساتھ رخصت کرتے۔ وفد کے قائد اور سردار کو دیگر اراکین سے زائد دیتے اور تمام وفود کے لئے یہ حکم دیا کہ:

"اجزاهم کما تجیز الوفود" (۶)

ترجمہ: جس طرح سے میں وفود کو تحائف دیا کرتا ہوں اس طرح تم بھی دیا کرو۔

آپ ﷺ کی خدمت میں ان وفود کی آمد سے اسلام کو بہت فروغ حاصل ہوا کیونکہ یہ وفود راستے میں مختلف قوموں اور قبیلوں سے ملتے تھے اور اسلام کی آواز کو ان لوگوں تک پہنچاتے تھے۔

فتح مکہ آپ ﷺ کی دعوت حق کے کام کو پہنچانے میں ان بہترین نتائج کی نمائندگی کرتا ہے جو آپ ﷺ نے کئی سالوں کی طویل جدوجہد اور مشکلات کے بعد حاصل کیے تھے۔ فتح مکہ سے اسلام کی حقانیت قریش مکہ اور اطراف کے قبائل پر واضح ہوگئی۔ دعوت نبوی ﷺ میں وسعت اور فروغ سے آپ ﷺ کی اسلام کو عالم گیر بنانے کی ذمہ

---

(۱) رملہ بنت الحارثؓ: آپ کا نسب رملہ بنت الحارث بن ثعلبہ بن الحارث بن زید الانصاریہ النجاریہ ہے۔ جب سعد بن معاذ نے بنو قریظہ کے بارے میں فیصلہ سنایا تو وہ لوگ بھاگ کر ان کے گھر چھپ گئے۔ ابن حبیب نے انہیں ان لوگوں میں شمار کیا جنہوں نے آپ ﷺ سے بیعت کی (اسد الغابۃ، ۳/ ۳۵۲)

(۲) الطبقات الکبری، ۱/ ۲۹۹۔۳۰۰

(۳) مغیرہ بن شعبہؓ: آپ کا نسب مغیرۃ بن شعبہ بن ابی عامر بن مسعود بن معقب بن مالک بن کعب بن عمرو بن سعد بن عوف بن قیس الثقفی تھا۔ آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو محمد اور بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ تھی۔ آپ عمرۃ الحدیبیہ سے پہلے اسلام لائے اور بیعت رضوان میں شرکت کی۔ آپ نے ۵۰ ھ میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۶/ ۱۹۷)

(۴) خالد بن سعیدؓ: آپ کا نسب خالد بن سعید بن العاص بن امیہ بن عبد شمس الاموی ہے۔ آپ سابقین اولین میں سے ہیں۔ آپ عمرۃ القضیہ اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ مرج الصفر کے روز شہید ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲/ ۲۳۶)

(۵) الطبقات الکبری، ۱/ ۲۹۸

(۶) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۶/ ۲۹۵

داری پایہ تکمیل تک پہنچی۔ وہی لوگ جو اسلام کے سخت دشمن تھے اور اسلام کا نام سننا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرتے رہے۔

نتائج

آپ ﷺ کی جو حیثیت تمام حیثیتوں سے نمایاں اور ممتاز ہے وہ داعی الی الحق کی حیثیت ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ کا اصل مشن خدا کی ہدایت لوگوں تک پہنچانی تھی۔ آپ ﷺ نے دعوت اسلامی کے کام کو باقی تمام کاموں پر مقدم رکھا۔ آپ ﷺ نے بعثت سے لے کر آخری سانس تک دین کی دعوت پھیلانے کی کوشش کی کہ اس کی مثال پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے ہر مرحلے اور ہر دور کے حالات کے مطابق دعوت دین کی راہیں نکالیں اور ہر زمانے میں نہایت حکمت و دانش مندی کے ساتھ کلمہ حق کا اظہار کیا اور بالآخر دین حق کو قائم کیا۔ آپ ﷺ نے دعوت اسلامی پھیلانے میں حکمت تبلیغ کو ہمیشہ مد نظر رکھا۔ آپ ﷺ مخاطب کی نفسیات، ذہنیت، سمجھ بوجھ اور حالات کو نگاہ میں رکھ کر اور مخاطب کے موڈ اور موقع و محل کے مطابق بات کرتے۔

فتح مکہ آپ ﷺ کے دعوت اسلام اور پیغام الہی پہنچانے کا آخری مرحلہ تھا۔ فتح مکہ کے بعد غلبہ و تمکن دعوت نبوی ﷺ اتمام و اکمال کی جانب رواں دواں ہو گیا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کا اپنے دشمنوں تک کو معاف کر کے ان پر احسان عظیم فرمایا۔ آپ ﷺ کے اس طرز عمل کی وجہ سے وہ اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ مکہ کو فتح کرنے کے بعد امن و امان کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ لوگ کھل کر ایک دوسرے سے باتیں کرتے تھے۔ اسلام کے متعلق تبادلہ خیال اور بحثیں ہوتی تھیں۔ قریش مکہ نے جب اسلام قبول کر لیا تو آس پاس کے قبائل نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

باب سوم

آنحضرت ﷺ بحیثیت ماہر سیاست دان

فصل اول: سیاست کی تعریف اور سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے

فصل دوم: سیاست کے اسلامی اصول و مبادی

فصل سوم: آنحضرت ﷺ بحیثیت سیاسی لیڈر: اصول اور حکمت عملی

فصل چہارم: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار

فصل اول: سیاست کی تعریف اور سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے

مبحث اول

سیاست کی تعریف

مبحث دوم

سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے

مبحث اول

سیاست کی تعریف

سیاست اسلامی معاشرے کے لئے ایک اہم عنصر ہے۔ جس کے ذریعہ اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کام کیا جاتا ہے۔ سیاست ہمارے لئے بہت ضروری ہے اور زندگی کے ہر مرحلہ میں اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ سیاست کے عمل کی وجہ سے لوگ اصلاح سے قریب اور فساد سے دور ہو جاتے ہیں۔

ا۔ سیاست کی لغوی تعریف

سیاست عربی زبان کا لفظ ہے جو سوس سے ماخوذ ہے اور سیاست بروزن امارت سائس یسوس بروزن قال یقول سے مصدر کا صیغہ ہے۔ اس باب کا مصدر سوس بروزن قول بھی آتا ہے۔ جس کے معنی اصلاح کرنا اور سنوارنا کے ہیں۔ یہ دونوں لغوی معنی ریاست و حکومت اور تدبیر مملکت کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں اس لئے کہ حکومت اور ریاست کا مقصد بھی عوام کی حالت سنوارنا اور اصلاح کرنا ہوتا ہے۔[۱] موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیہ میں لغت میں سیاست کے دو معانی بیان ہوئے ہیں:

اول: چرواہے کا عمل۔ چرواہا جو جانوروں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور انہیں سدھاتا ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے:

"سَاسَ الدَّابَّةَ يَسُوسُهَا سِيَاسَةً "[۲]

ترجمہ: جانور کی دیکھ بھال کی اور اس کو سدھایا۔

دوم: کسی شے کی اصلاح کے لئے اس پر مقرر ہونا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے:

" سَاسَ الْوَالِي الرَّعِيَّةَ :أَمَرَهُمْ وَنَهَاهُمْ وَتَوَلَّى قِيَادَتَهُمْ "[۳]

ترجمہ: حکمران اپنی رعیت کی اصلاح کے لئے ان کو حکم دیا اور ان کو منع کیا اور ان کی قیادت کی ذمہ داری سونپی۔

ان تعریفوں سے معلوم ہوتا ہے کہ لغت میں سیاست سے مراد تدبیر، اصلاح اور تربیت ہے۔ قاموس میں سیاست کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں:

"ساس الوالی الرعیة امرهم و نهاهم"[۴]

ترجمہ: حکمران اپنی رعیت کو (اچھے کاموں کا) حکم دیتا ہے اور (برے کاموں سے) روکتا ہے۔

---

(۱) اسلامی سیاست، گوہر رحمان، المنار بک سنٹر، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص: ۱۶

(۲) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۲۵/ ۲۹۴

(۳) ایضا

(۴) القاموس المحیط، محمد بن یعقوب فیروز آبادی، دار الجیل، بیروت، لبنان، ۲/ ۸۹

اس تعریف کے مطابق سیاست سے مراد حکمران کا اپنی رعیت کو اچھے کاموں کا حکم دینا اور برے کاموں سے روکنا ہے۔ ابن منظور[۱] سیاست کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والسِّیاسةُ القیامُ علی الشيء بما یُصْلِحه والسیاسةُ فعل السائس"[۲]

ترجمہ: سیاست کسی چیز کی اصلاح کے لئے کمربستہ اور کھڑے ہو جانے کو کہا جاتا ہے اور سیاست ایک مدبر اور قائد کا کام ہے۔

القاموس الجدید میں لغوی طور پر سیاست کے معنی ڈپلومیسی، اصول جہاں بانی، پالیسی اور حکمت عملی بیان ہوئے ہیں۔[۳]

ان تعریفات کی روشنی میں لغوی طور پر سیاست سے مراد حسن تدبیر، اصلاح، تربیت اور حکمت عملی ہے۔ اس میں حکمران اچھی طرح ریاست کے فرائض چلائے اور لوگوں کو اچھائی اور برائی کے بارے میں بتائے۔

---

(۱) ابن منظور: آپ کا نام محمد بن مکرم بن علی اور کنیت ابو الفضل تھی۔ آپ مصر میں ۶۳۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ عربی زبان میں سب سے جامع مستند لغت لسان العرب کے مولف تھے۔ آپ ۷۱۱ھ میں فوت ہوئے (الاعلام، ۷/ ۱۰۸)

(۲) لسان العرب، محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المصری، دار صادر، بیروت، ۶/ ۱۰۷

(۳) القاموس الجدید، وحید الزماں القاسمی کیرانوی، ادارہ اسلامیات پبلشرز، لاہور، جون ۱۹۹۰ء، ص: ۱۶۴

ب۔سیاست کی اصطلاحی تعریف

اسلام کی نظر میں سیاست حسن تدبیر، انتظام امور مملکت اور مناسب موقع پر مناسب حکمت عملی کو کہتے ہیں ۔فرد، معاشرہ اور مملکت کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے حاکم یا ذمہ دار جس حکمت عملی کا انتخاب کرتا ہے اور معاشرے کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے جن تدبیروں کو بروئے کار لاتا ہے اسے ہی اسلام کی نظر میں سیاست کہا جاتا ہے۔اصطلاحی مفہوم کے لحاظ سے سیاست کی بہت سی تعریفات کی گئی ہیں۔ان میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

المنجد میں سیاست کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے:

" فن الحكم وادارة اعمال الدولة الداخلية والخارجية و منها السياسة داخلية والسياسة الخارجية "[1]

ترجمہ:سیاست حکومت کرنے کا ایک فن ہے اور حکومت کا وہ ادارہ ہے جو داخلی اور خارجی سیاست کہا جاتا ہے۔

غزالی سیاست کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"استصلاح الخلق و ارشادهم الى الطريق المستقيم المنجى فى الدنيا و الآخرة " [2]

ترجمہ:سیاست مخلوق کی اصلاح کرنا ہے اور رہنمائی کرنا ہے اس سیدھے راستے کی جانب جو دنیا اور آخرت کی نجات کا ذریعہ ہو۔

ایک اور جگہ پر غزالی سیاست کی تعریف یہ بیان کرتے ہیں:

"وهي التاليف و التعاون و الاجتماع على اسباب المعيشة و ضبطها"[3]

ترجمہ:سیاست وہ تدبیر ہے جو زندگی کے مسائل اور ان کے دائرے میں افراد معاشرہ کے درمیان باہمی محبت اور اتحاد و تعاون پیدا کرتی ہے۔

ان تعریفات کی مطابق سیاست سے مراد ایسی حکمت عملی جو لوگوں کی اصلاح اوران کے درمیان محبت اور اتحاد و تعاون پیدا کرے اور مخلوق کو سیدھے راستے پہ چلائے۔جس سے انہیں دنیا و آخرت میں نجات حاصل ہو۔موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں سیاست کی اصطلاحی تعریف دو معانی میں استعمال ہوئی ہے:

اول:سیاست حکومت اور اقتدار سے تعلق کا نام ہے،اس لئے کہا جاتا ہے:

---

(۱)المنجد،لوئیس معلوف،دار الاشاعت،کراچی،۱۹۹۴ء،ص:۳۶۲

(۲)احیاء علوم الدین،غزالی،مصطفی البابی،مصر،۱۹۳۹ء،۱/۹

(۳)ایضا،۱/۸

"اسْتِصْلاَحُ الخَلْقِ بِإِرْشَادِهِمْ إِلَى الطَّرِيقِ الْمُنَجِّي فِي الْعَاجِلِ وَالْآجِلِ ، وَتَدْبِيرُ أُمُورِهِمْ" (۱)

ترجمہ: انسان کی بہتری کے لئے ایک ایسا راستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لئے ضمانت کر سکے، اور ان کے کاموں کا انتظام کر سکے۔

دوم: سیاست حکومت کے ذمہ داران کے اعمال اور سلطنت کے متعلق افعال کا نام ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے:

"هُوَ الْعِلْمُ الَّذِي يُعْرَفُ مِنْهُ أَنْوَاعُ الرِّيَاسَاتِ وَالسِّيَاسَاتِ الاِجْتِمَاعِيَّةِ وَالْمَدَنِيَّةِ،وَأَحْوَالُهَا: مِنْ أَحْوَالِ السَّلاَطِينِ وَالْمُلُوكِ وَالأُمَرَاءِ وَأَهْلِ الاِحْتِسَابِ وَالْقُضَاءِ وَالْعُلَمَاءِ وَزُعَمَاءِ الأَمْوَالِ وَوُكَلاَءِ بَيْتِ الْمَالِ ، وَمَنْ يَجْرِي مَجْرَاهُمْ " (۲)

ترجمہ: وہ علم جس کے ذریعہ حکومت اور تمدنی و معاشرتی سیاسیات کی انواع اور ان کے حالات کا علم ہو ، یعنی سلاطین، ملوک، امراء، اہل احتساب، قضاۃ، علماء، اموال کے ذمہ داران، بیت المال کے نمائندگان اور ان کے قائم مقام لوگوں کے حالات معلوم ہوں۔

موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ کی ان تعریفات کی روشنی میں سیاست سے مراد ایسا عمل جس کا تعلق حکومت اور اقتدار سے ہو اور اس میں حکومت چلانے والوں کے کاموں کے بارے میں علم ہو۔

بجیرمی (۳) کے نزدیک سیاست سے مراد ہے:

"إِصْلاَحُ أُمُورِ الرَّعِيَّةِ ، وَتَدْبِيرُ أُمُورِهِمْ" (٤)

ترجمہ: رعایا کے امور کی اصلاح اور ان کے معاملات کا نظم و انتظام کرنا ہے۔

اس تعریف کی روشنی میں سیاست سے مراد ایسا علم ہے جس میں عوام کی اصلاح کے لئے کام کیا جائے۔ سیاست ایسی حکمت عملی جو لوگوں کی اصلاح اور ان کے درمیان محبت، اتحاد و تعاون اور نظم و ضبط پیدا کرے۔

انگریزی زبان میں عربی کے لفظ سیاست کے مقابلے میں لفظ politics استعمال ہوتا ہے۔ یہ اصطلاح یونانی زبان کے polis سے ماخوذ کی گئی ہے۔ جو قدیم یونان میں شہری ریاست کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے ارسطو نے بھی اسے اپنی مشہور کتاب کے نام کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد سے politics کا لفظ تدبیر ریاست اور فن حاکمیت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ (۵)

---

(۱) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۲۵/ ۲۹۵

(۲) ایضا

(۳) بجیرمی: آپ کا نام سلیمان بن محمد بن عمر البجیرمی تھا۔ آپ مصر کے فقیہ تھے۔ آپ ۱۱۳۱ھ میں بجیرم میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی (الاعلام، ۳/ ۱۳۳)

(۴) التجرید لنفع العبید حاشیہ البجیرمی، سلیمان بن محمد بن عمر البجیرمی المصری الشافعی (المتوفی: ۱۲۲۱ھ) المکتبۃ الاسلامیہ، ترکی، ۲/ ۱۷۸

(۵) جدید سیاسی افکار کا تجزیہ قرآن حکیم کی روشنی میں، ڈاکٹر مستفیض احمد علوی، پورب اکادمی، اسلام آباد، مئی ۲۰۱۰ء، ص: ۱۰

تیرہویں صدی کے شروع میں پالیٹکس کا لفظ شہری حکومت کے لئے استعمال ہونا شروع ہوا تھا۔ اس وقت سیاست کی تعریف کی جاتی تھی کہ:

"سیاست کے معنے ہیں شہری حکومت کا علم و فن۔ علم سیاست اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے ان تمام فنون پر مشتمل ہوتا ہے جو انسانی معاشرے کے لئے اہمیت رکھتے ہیں"(۱)

اس کے بعد یہ لفظ فن حکومت کے لئے استعمال ہونے لگا اور اس کی تعریف بیان کی گئی:

"فن حكم الدولة او دراسة المبادی التی تقوم عليها الحكومات و التی تحدد علاقاتها بالمواطنين و بالدول الاخری" (۲)

ترجمہ: سیاست ریاست پر حکومت کرنے کا ایک فن ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ان بنیادی اصول کا علم ہے جن پر حکومتیں قائم ہوتی ہیں۔ اور ان قواعد و ضوابط کا علم ہے جن سے حکومت اور شہریوں کے تعلقات اور بیرونی ریاستوں کے ساتھ روابط کی حدود مقرر کی جاتی ہیں۔

۱۸۷۰ء میں ریاست پر حکومت کے لئے استعمال ہونے لگا جیسے کہ کہا جاتا ہے:

"السياسة علم حكم الدول" (۳)

ترجمہ: سیاست ریاستوں پر حکومت کرنے کا علم ہے۔

۱۹۶۲ء میں انسانی معاشروں پر حکومت کے لئے استعمال ہونے لگا اور اس کی تعریف بیان کی گئی:

"السياسة فن حكم المجتمعات الانسانية" (٤)

ترجمہ: سیاست انسانی معاشروں پر حکومت کرنے کا فن ہے۔

عصر حاضر میں سیاست سے مراد حکومت کے متعلقہ امور مراد لئے جاتے ہیں۔ عصر حاضر میں سیاست کی تعریف اس طرح بیان کی جاتی ہے:

"سیاست وہ علم ہے جس کا موضوع بحث سلطنت ہے" (۵)

جدید علماء سیاست کی ان تعریفات کی روشنی میں سیاست سے مراد ریاست پر حکومت اور اس متعلقہ امور ہیں۔ جو تعریفیں یہ آج بیان کر رہے ہیں۔ وہ وہی ہیں جو کئی صدیوں پہلے علماء اسلام نے اپنی کتابوں میں استعمال کی تھیں۔

---

(۱) اسلامی سیاست، ص: ۲۵

(۲) علم السیاسۃ، ڈاکٹر حسن صعب، طبع بیروت، ۱۹۷۰ء، ص: ۲۰

(۳) اسلامی سیاست، ص: ۲۵

(۴) مدخل الی علم السیاسۃ، ڈاکٹر جمال الاتاشی، طبع دمشق، ص: ۷

(۵) ایضا

قرآن مجید میں سیاست کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ زمینی اقتدار اور حاکمیت کو قرآن مجید میں تمکن فی الارض، استخلاف فی الارض اور تحکم بین الناس کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل آیات قرآنی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾(۱)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم زمین میں ان کے پاؤں جما دیں تو یہ پوری پابندی سے نمازیں قائم کریں اور زکوٰتیں دیں اور اچھے کاموں کا حکم کریں اور برے کاموں سے منع کریں۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (۲)

ترجمہ: تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا جو ان سے پہلے تھے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے فیصلہ کرو۔

ان آیات قرآنی میں انسانی معاشرے کی اجتماعی تنظیم، اس کی اصلاح، حکومت کے نظام اور عدل کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔ آج کے معاشرے میں ان اصولوں کو سیاست سے تعبیر کیا جاتا ہے اور قرآن مجید زمینی اقتدار کو شریعت الٰہی، ایمان، عمل صالح اور عدل بین الناس کے ساتھ منسلک کرتا ہے۔ گویا اسلام میں سیاست اس تدبر اور حکمت عملی کو کہتے ہیں جو انسانی معاشرے کو منظم کرنے، اس کی اصلاح کرنے اور نیابت الٰہی کے تحت ریاست کا نظم و نسق چلانے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

---

(۱) سورۃ الحج: ۴۱/۲۲

(۲) سورۃ النور: ۵۵/۲۴

(۳) سورۃ النساء: ۵۸/۴

مبحث دوم

سیاست کے بارے میں مسلم آئمہ کی رائے

سیاست سے مراد ریاست پر حکومت اور اس متعلقہ امور مراد لیے جاتے ہیں۔ مسلم آئمہ نے اپنے خیال اور اپنی فکری رسائی کے اعتبار سے سیاست کی تعریفیں بیان کی ہیں۔ مسلم آئمہ نے سیاست کی جو تعریفیں بیان کی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ابن خلدون سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں:

" فالسياسة والملك هي كفالة للخلق، وخلافة لله في العباد لتنفيذ أحكامه فيهم " (١)

ترجمہ: سیاست اور حکومت مخلوق کی نگہداشت اور ان کے مفاد کی کفالت و ضمانت کا نام ہے۔ یہ سیاست خدا کی نیابت ہے اس کے بندوں پر اسی کے احکام نافذ کرنے کے کام ہیں۔

راغب اصفہانی نے سیاست کی تعریف میں تین ارکان سیاست کا ذکر کیا ہے:

١. عمارۃ الارض: زمین کو آباد کرنا اور عمرانی تمدن قائم کرنا۔

٢. تنفیذ احکام اللہ: خدا کے احکام کو نافذ کرنا۔

٣. مکارم الشریعہ: اخلاق فاضلہ اختیار کرنا۔ (٢)

ابو الوفا ابن عقیل (٣) بغدادی سیاست کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"السياسة ما كان من الافعال بحيث يكون الناس معه اقرب الى الصلاح و ابعد من الفساد" (٤)

ترجمہ: سیاست ان تدابیر کا نام ہے جن کی وجہ سے لوگ صلاح و مصلحت عامہ کے قریب ہو جائیں اور فساد و بگاڑ سے دور ہو جائیں۔

ابو البقاء (٥) سیاست کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

---

(١) مقدمہ ابن خلدون، ص: ١١٣

(٢) الذریعہ الی مکارم الشریعہ، ٨/١٨

(٣) ابو وفا ابن عقیل بغدادی: آپ کا نام علی بن عقیل بن محمد اور کنیت ابو الوفاء تھی۔ آپ ٤٣١ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ عراق کے عالم تھے۔ آپ کی مشہور کتاب کتاب الفنون ہے۔ آپ نے ٥١٣ھ میں وفات پائی (الاعلام، ٤/٣١٣)

(٤) الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشریعہ، ابن قیم، مصر، ١٩٦١ء، ص: ١٥

(٥) ابو البقاء: آپ کا نام ایوب بن موسی الحسینی اور کنیت ابو البقاء تھی۔ آپ کی مشہور کتاب کلیات تھی۔ آپ استنبول میں فوت ہوئے (الاعلام، ٢/٣٨)

"هِيَ استصلاح الْخلق بإرشادهم إِلَى الطَّرِيق المنجي فِي العاجل والآجل، وَهِي من الْأَنْبِيَاء على الْخَاصَّة والعامة فِي ظَاهِرهمْ وَبَاطِنهمْ، وَمن السلاطين والملوك على كل مِنْهُم فِي ظَاهِرهمْ " [1]

ترجمہ: یہ وہ کام جس کا مقصد انسان کی بہتری کے لئے ایک ایساراستہ پیدا کرنا ہے جو حال اور مستقبل کی رہنمائی کے لئے ضمانت کر سکے، اور یہ (سیاست) انبیاءؑ کی ذمہ داری ہے جو اپنے عام اور خاص، ظاہری اور باطنی دائرہ میں اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح حکمران صرف ظاہری حلقہ اثر میں اس ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی[2] سیاست کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهي الحكمة الباحثة عن كيفية ربط الواقع بين اهل المدنية"[3]

ترجمہ: سیاست وہ حکمت (فن و علم) ہے جو ان تدابیر سے بحث کرتی ہے جن کے ذریعے سے شہریوں کے باہمی ربط و تعلق کی حفاظت کی جاتی ہے۔

ان تعریفات کی روشنی میں سیاست سے مراد فن، علم اور حکمت ہے۔ جس کا موضوع حکومت کے فرائض اور ریاست کا نظم و نسق ہوتا ہے۔ جس کا مقصد مصالح کی حفاظت کرنا اور شہریوں کے باہمی تعلق، قاعدے اور قانون کے ذریعے کنٹرول کرنا۔

---

(۱) کلیات ابو البقاء ، ابو البقاء ایوب بن موسی الحسینی الکفوی، موسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، طبع دوم، ۱۹۹۸ء، ص: ۳۷۴

(۲) شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ: آپ ۴ شوال المکرم ۱۷۰۳ء کو یوپی میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور تصوف پر بہت سی تصانیف لکھیں۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ ہے۔ آپ کی مشہور کتاب حجتہ البالغہ ہے۔ آپ نے تجدید و اصلاح امت، علوم نبوت کی نشر و اشاعت، اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی ڈالی۔ آپ ۱۷۶۳ء میں فوت ہوئے (حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ شخصیت و حکمت کا تعارف، محمد یسین مظہر صدیقی، ادارہ علوم اسلامیہ ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۱ء، ص: ۳)

(۳) حجتہ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، (مترجم: خلیل احمد) کتب خانہ شان اسلام، لاہور، ص: ۵۲۳

فصل دوم

سیاست کے اسلامی اصول و مبادی

فصل دوم

سیاست کے اسلامی اصول ومبادی

اسلامی سیاست کا مقصد معاشرے کے افراد کی فلاح اور بہتری ہے اورانسانی معاشرے کو قانون الہی کا پابند بنایا جاتا ہے۔ اسلامی سیاست قرآن وسنت کے قوانین کے مطابق چلائی جاتی ہے۔اقتدار، حکومت اور منصب کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ ایک امانت ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اھلھا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ﴾ (۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے فیصلہ کرو یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ تعالیٰ کر رہا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ سنتا ہے دیکھتا ہے۔

اس آیت قرآنی کی روشنی میں امانتوں کو ان لوگوں کے سپرد کرنی چاہیے جو اس کا اہل اور حق دار ہو۔ محض سیاسی، نسلی و وطنی یا قرابت و خاندان کی بنیاد پر عہدہ دینا جائز نہیں ہے۔اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول نکالے جاسکتے ہیں:

۱. حکام اور صاحب اقتدار طبقہ کو حکم دیا گیا کہ حقداروں کو ان کے حقوق دلوائیں۔
۲. حکام باہمی نزاعات اور جھگڑے عدل و انصاف سے طے کریں۔
۳. اختلافات کا فیصلہ قرآن وسنت کی بنیاد پر ہوگا۔ (۲)

اسلام کے بنیادی سیاسی اصول ومبادی جن کے بغیر اسلامی حکومت چل نہیں سکتی وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔حاکمیت الہی

اللہ کی سیاسی حاکمیت کا تصور اسلام کا اولین اور بنیادی اصول ہے۔اسلامی حکومت کا پہلا سیاسی اصول حاکمیت الہی ہے کہ سیاسی دائرہ میں مکمل طور پر ایک خدائی تنظیم ہے۔ساری حکومت کا مدار کائنات کے ایک خدا کی بالادستی پر ہے۔پوری کائنات کا حاکم صرف اللہ ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ﴾ (۳)

ترجمہ: حکم صرف اللہ ہی کا چلتا ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

(۲) تفسیر جواھر القرآن، غلام اللہ خان، کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی، ۲/ ۲۲۶

(۳) سورۃ یوسف: ۱۲/ ۶۷

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلَا لَهُ الْحُكْمُ﴾(۱)

ترجمہ: خوب سن لو فیصلہ اللہ ہی کا ہو گا۔

ان آیات قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ بھروسہ صرف اللہ تعالی کی ذات پر رکھنا چاہیے اور پوری کائنات میں حکم صرف اللہ تعالی کا ہی چلتا ہے۔ سب چیزوں کا اختیار اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ہر فیصلے کا اختیار اسی کو حاصل ہیں۔

آمدی(۲) اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام میں اس بارے میں لکھتے ہیں:

"اعلم أنه لا حاكم سوى الله تعالى ولا حكم إلا ما حكم به"(۳)

ترجمہ: جان لو حاکم اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں ہے اور حکم بس وہ ہے جو اللہ نے دیا۔

تقی عثمانی(۴) حاکمیت الٰہی کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"اس کائنات پر اصل حاکمیت اللہ تبارک و تعالی کو حاصل ہے اور دنیا کے حکمران اس کے تابع ہی حکومت کر سکتے ہیں۔ یہ وہ اصولی بنیاد ہے جس میں نہ تو اختلاف کی گنجائش ہے، نہ اجتہاد کی، نہ اس کو کسی مرحلے پر فراموش کیا جاسکتا ہے، اور نہ اس پر کسی قسم کی مفاہمت ہو سکتی ہے"(۵)

سید ابو الاعلی مودودی حاکمیت الٰہی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خدا اس کائنات کا خالق ہے اور وہی اس کا حاکم اعلی بھی۔ اقتدار اعلی صرف اسی کا حصہ ہے۔ انسان کی حیثیت حاکم اعلی کے خلیفہ اور نمائندہ کی ہے اور سیاسی نظام کو اسی حاکم

---

(۱) سورۃ الانعام: ۶/ ۶۲

(۲) علامہ آمدی: آپ کا نام علی بن محمد بن سالم اور کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ ۵۵۱ھ میں پیدا ہوئے، آپ کا تعلق آمد سے تھا۔ آپ نے تقریباً بیس کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۶۳۱ھ میں دمشق میں وفات پائی (الاعلام، ۴/ ۳۳۲)

(۳) الاحکام فی اصول الاحکام، علی بن محمد الآمدی ابو الحسن (۵۵۱ھ۔ ۶۳۱ھ)، (محقق: سید الجمیلی)، دار الکتاب العربی، بیروت۔ لبنان، سنہ ۱۴۰۴ء، ۱/ ۱۱۹

(۴) تقی عثمانی: آپ ۱۹۴۳ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے پہلے اپنے والد مفتی محمد شفیعؒ کے علم سے فیض اٹھایا پھر آپ نے دار العلوم کراچی سے علم حاصل کیا۔ آپ نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم میں تدریسی خدمات سرانجام دی۔ آپ تصوف، دعوت وارشاد، علم الفقہ، علم الحدیث اور علم معاشیات میں ماہر ہیں۔ آپ نے ہزاروں کی تعداد میں فتاوی لکھے (فتاوی عثمانی، مفتی محمد تقی عثمانی، (ترتیب و تخریج: محمد زبیر) مکتبہ معارف القرآن، کراچی، اپریل ۲۰۱۰ء، ۱/ ۳۷)

(۵) اسلام اور سیاسی نظریات، محمد تقی عثمانی، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، نومبر ۲۰۱۰ء، ص: ۱۷۳

اعلی کے قانون کے تابع ہونا چاہیے۔ خلیفہ کا کام حاکم اعلی کے قانون کو اس کے اصل منشاء کے مطابق نافذ کرنا ہے اور نظام سیاسی کو اس کی ہدایات کے مطابق چلانا ہے۔"(۱)

ان تعریفات سے واضح ہوا کہ اس کائنات میں اصل اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ہر چیز میں حکم صرف اسی کا چلتا ہے۔ اللہ تعالی ہی اس کائنات کا حاکم اور قانون ساز ہے۔ اللہ تعالی کی حاکمیت اور قانون سازی کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ﴾(۲)

ترجمہ: کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یقین رکھنے والے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ سب سے بہترین حکم اور فیصلہ اللہ ہی کا ہے اور انسان کے وضع کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کرنا جاہلیت ہے۔ ابو برکات النسفی ان لوگوں کی وضاحت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"فإنهم هم الذين يتبينون أن لا أعدل من الله ولا أحسن حكماً منه"(۳)

ترجمہ: یعنی یہ خطاب اور استفہام یقین کرنے والی قوم کے لئے ہے۔ اس لئے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کہ واضح کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی عدل والا نہیں اور نہ اس سے بہتر کوئی حکم دینے والا ہے۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق کیے ہوئے فیصلے کو چھوڑ کر کفر و جاہلیت کے زمانے کا فیصلہ پسند کرنا برا عمل ہے۔ سب سے بہترین حکم اور فیصلہ اللہ ہی کا ہے اور اللہ تعالی کے حکم اور فیصلہ سے بڑھ کر اچھا حکم اور فیصلہ کسی کا بھی نہیں ہو سکتا۔ اللہ تمام کائنات کا مالک ہے اور اللہ کی بادشاہی میں کوئی اللہ تعالی کے ساتھ شریک نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّه شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾(۴)

ترجمہ: نہ اپنی بادشاہت میں کسی کو شریک ساجھی رکھتا ہے۔

اس آیت قرآنی میں اقتدار و اختیار کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالی کی بادشاہی میں اللہ تعالی کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ اس آیت کی تفسیر الجامع لاحکام القرآن میں اس طرح بیان ہوتی ہے:

---

(۱) اسلامی ریاست فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، سید ابو الاعلی مودودی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۲ جنوری ۱۹۶۷ء، ص: ۱۷۹

(۲) سورۃ المائدہ: ۵/ ۵۰

(۳) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/ ۲۷۰

(۴) سورۃ الاسراء: ۱۷/ ۱۱۱

”لأنه واحد لا شريك له في ملكه ولا في عبادته“[1]

ترجمہ: چونکہ وہ واحد اور یکتا ہے لہٰذا اس کی حکومت اور اس کی عبادت میں کوئی شریک نہیں۔

اس آیت قرآنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک و مختار اور مالک الملک ہے۔ اس کے علاوہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

اللہ کی حاکمیت صرف اس دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت اور قیامت کے دن کا وہی حاکم اعلیٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾[2]

ترجمہ: بدلے کے دن (یعنی قیامت کا) مالک ہے۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر ابن کثیر اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

”يوم الدين يوم الحساب للخلائق، وهو يوم القيامة يدينهم بأعمالهم إن خيرًا فخير وإن شرًا فشر، إلا من عفا عنه“[3]

ترجمہ: یوم الدین سے مراد مخلوق کے حساب کا یعنی قیامت کا دن ہے جس دن تمام بھلے برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا ہاں اگر رب کسی برائی سے درگزر کرلے یا اس کا اختیاری امر ہے۔

گویا کہ اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف اس دنیا کا حاکم نہیں بلکہ آخرت کے دن کا بھی حاکم ہے۔ تمام کائنات کی حکومت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ﴾[4]

ترجمہ: پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے۔

اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس کے قبضہ قدرت میں ہر شے کا اختیار ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہر چیز کی کامل بادشاہی ہے۔ محمد ثناء اللہ المظہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

”مَلَكُوتُ أى الملك بمعنى القدرة زيدت الواو والتاء للمبالغة كُلِّ شَيْءٍ أى تنزيه له عما ضربوا وتعجيب عمّا قالوا فيه معللا بكونه مالكا للملك كله قادرا على كل شىء“[5]

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/۳۴۵

(۲) سورۃ الفاتحہ: ۱/۳

(۳) تفسیر القرآن العظیم، ۱/۱۳۴

(۴) سورۃ یٰس: ۳۶/۸۳

(۵) التفسیر المظہری، ۸/۱۰۳

ترجمہ: ملکوت بمعنی ملک ہے اور ملک سے مراد ہے اقتدار۔ ملکوت میں واؤ اور تاء کو مبالغہ کیلئے بڑھا دیا گیا ہے۔ یعنی اللہ چونکہ مالک الملک اور بااقتدار ہے' ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے' اسلئے ان تشبیہات و تمثیلات سے پاک ہے جو کفار اس کیلئے کرتے ہیں اور تعجب ہے کہ اس کی شان میں کفار ایسی بات کہتے ہیں۔

ان آیات قرآنی سے واضح ہوتا ہے کہ کائنات کا مالک صرف اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اسلام میں کسی بھی طرح کی حاکمیت مثلا کائناتی، سیاسی، قانونی، اخلاقی اور اعتقادی وغیرہ کا حق کسی بھی انسان کو حاصل نہیں۔ حکم دینے اور قانون بنانے کا حق اللہ تعالی کے لئے مخصوص ہے اور اس کے حکم کی سرتابی کسی بھی صورت ممکن نہیں۔ مسلمانوں کو زمین میں اللہ تعالی کی حاکمیت کی نیابت کرنے کا ایک امانت کے طور پر حق دیا گیا ہے جو اللہ کی شریعت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

۲۔ رسالت

اللہ تعالی نے اپنی مخلوق کو ہدایت اور رہنمائی دینے کے لئے جن بندوں کے ذریعے اپنا پیغام انسانوں تک پہنچایا انہیں نبی اور رسول کہتے ہیں اور ان کے منصب کو نبوت اور رسالت کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم ؑ سے لے کر خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ تک تمام انبیاء و رسل ؑ کی نبوت اور رسالت کو برحق ماننا ہے۔ کیونکہ ہر نبی اور رسول کو اللہ تعالی نے منتخب کیا ہے اور وہ حق و صداقت کا مکمل نمونہ رہے ہیں۔ ہر نبی اور رسول نے ایک ہی مقصد کی تکمیل کے لئے کام کیا ہے۔ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ ﷺ کے بعد نبوت اور رسالت کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ﴾(۱)

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن اللہ کے رسول اور نبیوں کو ختم کرنے والے آخری نبی ہیں۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں۔ آپ ﷺ اللہ کے رسول اور تمام نبیوں کے آخری نبی ہیں اور قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آنے والا ہے۔ راغب اصفہانی خاتم النبیین کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لأنه ختم النبوة، أي: تممها بمجيئه"(۲)

ترجمہ: یعنی آپ ﷺ کو خاتم نبوت اس لئے کہا گیا کہ آپ ﷺ نے نبوت کو اپنے تشریف لانے سے ختم اور مکمل کر دیا ہے۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۳/ ۴۰

(۲) مفردات الفاظ القرآن، الحسین بن محمد بن المفضل المعروف بالراغب الاصفہانی، دار القلم، دمشق، ۱/ ۲۸۸

اس آیت قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔آپ ﷺ نے بھی نبوت ورسالت کے خاتمہ کے بارے میں حضرت علیؓ سے فرمایا:

((أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي))(۱)

ترجمہ: تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

اس حدیث نبوی میں حضرت علیؓ کی فضیلت اور آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کے خاتمہ کے بارے میں بتایا گیا ہے۔کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی میں اس حدیث کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے:

"اس حدیث میں بڑی فضیلت ہے حضرت علیؓ کی کہ آپ کی امت میں ان کو وہ مقام ملا جو بنی اسرائیل میں ہارونؑ کو تھا، مگر فرق اتنا ہے کہ ہارونؑ پیغمبر بھی تھے،اور حضرت علیؓ پیغمبر نہ تھے،کیونکہ رسول اللہ ﷺ ختم الانبیاء تھے،آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا پیغمبر دنیا میں نہیں آسکتا۔"(۲)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالی کے آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کے خاتمہ کے بارے میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان بیان کرتے ہیں:

"سلسلہ رسالت کا اختتام اسلام کے اس رسالت سے ہوا جو دائمی اور ابدی رسالت ہے ۔کیوں کہ اس میں کمال ہے اور یہ قیامت کے دن تک انسان کی تمام ضروریات کو پورا کرتا ہے۔اس وجہ سے اب کسی اور رسالت کی ضرورت نہیں ہے۔"(۳)

آپ ﷺ خاتم النبیین کیوں تھے؟اور آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کیوں ختم ہوئی؟اس چیز کی حکمت کو قاسمی(۴) بیان کرتے ہیں:

" آنحضرت ﷺ کے ساتھ سلسلہ نبوت کو ختم کیا گیا،کیونکہ آپ ﷺ کو ایسی شریعت عطا کی گئی،جو ہر زمانے اور ہر جگہ کے لوگوں کی مصلحتوں کو پورا کرتی ہے،

---

(۱) صحیح مسلم،کتاب فضائل الصحابہ،باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب،حدیث نمبر:۲۴۰۴، ۱۸۷۰/۴

(۲) صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی،مسلم بن حجاج،(مترجم:علامہ وحید الزماں)،(تخریج:شیخ احمد زہوۃ۔شیخ احمد عنایۃ)،الکتاب انٹرنیشنل،دہلی،اکتوبر ۲۰۱۰ء، ۵۰۵/۳

(۳)اصول دعوت،ص:۵۰

(۴) قاسمی:آپ کا نام جلال الدین تھا۔آپ ۱۳۳۲ھ کو پیدا ہوئے۔آپ دمشق کے بہت بڑے محدث اور مفسر تھے (مقام محمود:عشق ومحبت رسول ﷺ سے معمور قرآنی معارف،محمد طاہر القادری،ماہنامہ منہاج القرآن،ستمبر ۲۰۰۷ء)

کیونکہ قرآن کریم نے کسی بھی بنیادی مصلحت کو اجاگر کئے بغیر اور کسی بھی بنیادی فضیلت کی بات کو اس کا احیاء کئے بغیر نہیں چھوڑا۔ آنحضرت ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک آنے والے ہر مدعی نبوت کی ناکامی اس بات کی صداقت کا ثبوت ہے۔"(۱)

ان تعریفات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ پر نبوت ورسالت کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی اور رسول نہیں آئے گا۔

رسالت کا اقرار اہم سیاسی اصول ہے۔ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ کی سیاسی حاکمیت کے مظہر ہیں۔ انسانوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نفاذ انبیاء کرامؑ کے ذریعے ہوتا ہے اس لئے تمام انسانوں پر یہ لازم ہے کہ وہ ان کے حکم کو مانیں اور ان کی پیروی کریں۔ مندرجہ ذیل آیت میں رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾(۲)

ترجمہ: ہم نے ہر رسول کو صرف اس لئے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

اس آیت قرآنی میں رسول ﷺ کا حقیقی مقام و مرتبہ واضح کیا گیا ہے اور مسلمانوں کو رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی رسول بھیجا ہے تو وہ اسی لیے بھیجا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ محمد ثناء اللہ العثمانی المظہری اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"أی لالزام طاعته علی الناس فانه المقصود من الرسالة بِإِذْنِ اللَّهِ أی بسبب اذنه وامره المبعوث إلیهم بان یطیعوه فمن لم یرض بحکمه ولم یطعه استوجب القتل لأنه کانّه لم یقبل رسالته"(۳)

ترجمہ: رسالت کا مقصود ہی یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ کی اطاعت لوگوں پر لازم کر دی جائے۔ اذن سے مراد ہے حکم یعنی اللہ کا حکم ہے کہ جس پیغمبر کو بھیجا جائے لوگ اس کے حکم کو مانیں اور جو اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اور اس کے حکم کو نہ مانے اس کو قتل کر دیا جائے کیونکہ فیصلۂ رسول کو نہ ماننے کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ رسول ﷺ کی رسالت کو قبول نہیں کیا۔

ایک اسلامی ریاست کی حکومت قانون خداوندی کی پابند ہوتی ہے اور اس میں حقیقی اطاعت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جب حکمران کے لیے حق اطاعت بیان کیا

---

(۱) محاسن التاویل، علامہ محمد جلال الدین قاسمی، (محقق: محمد فواد الباقی)، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ، ۱۳/ ۳۶۶

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۶۴

(۳) التفسیر المظہری، ۲/ ۱۵۷

تو ساتھ یہ بات بھی واضح فرمادی کہ ہر حال میں ان کی اطاعت صرف قرآن وسنت کے ساتھ خاص ہے۔ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾(۱)

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اور ان لوگوں کی، جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر تمھارے درمیان اگر کسی معاملے میں اختلاف رائے ہو، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت قرآنی میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کا حکم دیا گیا ہے۔ ان دونوں اطاعتوں کے سوا دوسری ہر اطاعت انہی دو اطاعتوں کے تابع ہے۔ پس ان دو کے سوا دوسری ہر اطاعت اسی وقت اور اسی صورت میں جائز اور قابل قبول ہوگی، جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے خلاف نہ ہو۔ اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ قبول نہیں ہوگی۔ عبد الرحمن کیلانی اپنی کتاب تیسیر القرآن میں رسولوں کی اطاعت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"رسول ﷺ کی اطاعت اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے پاس اللہ کے احکام کی اس کی منشاء کے مطابق بجا آوری کا رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر کوئی ذریعہ نہیں۔ لہذا رسول ﷺ کی اطاعت بھی حقیقتاً اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے اللہ کی اور رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی اطاعت قرار پاتی ہے۔ علاوہ ازیں رسول ﷺ کی اطاعت کی ایک مستقل حیثیت بھی ہوتی ہے۔ وہ یوں کہ جہاں کتاب اللہ خاموش ہو اور رسول ﷺ ہمیں کوئی حکم دے۔ خواہ یہ حکم قانون سے تعلق رکھتا ہو یعنی حلت و حرمت سے متعلق ہو یا اوامر ونواہی سے تو ایسا حکم ماننا بھی ہم پر ایسے ہی فرض ہے جیسے اللہ کی اطاعت اور چونکہ ایسی اطاعت کا بھی اللہ نے خود ہمیں حکم دیا ہے تو اس لحاظ سے یہ بھی اللہ کی اطاعت کے تحت آجاتی ہے۔"(۲)

اس لئے رسالت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ رسالت اسلامی ریاست کا ماخذ قانون ہے اور ریاست کی انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ میں کسی کو بھی سنت کے خلاف اپنی مرضی کے احکام دینے، قانون بنانے اور فیصلے کرنے کا اختیار نہیں ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/۵۹

(۲) تیسیر القرآن، ۱/۴۱۸

۳۔ خلافت

معاشرے کی ترقی اس صورت میں ممکن ہے جب اس کے اجتماعی امور کی باگ ڈور کسی ایسے ادارے کے تحت ہو جو اسے اچھے طریقے سے سنبھال سکے۔ یہ ادارہ شہریوں کی پسند سے وجود میں آئے اور اللہ تعالی کے مقرر کردہ حدود کے تحت چلایا جائے۔ ایسے ادارے کو اسلامی اصطلاح میں خلافت کہتے ہیں۔(۱)

خلیفہ کا مادہ خ ل ف ہے۔ خلف کے معنی کسی کے پیچھے آنا۔(۲) ابن منظور اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الخَلْفُ ضدّ قُدّام "(۳)

ترجمہ: خلف آگے اور سامنے کی ضد ہے۔

یعنی خلف سے مراد پیچھے یا پیٹھ کی جانب۔ قرآن مجید میں خلف اسی معنوں میں بائیس جگہوں پر آیا ہے(۴) مثلا اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ﴾(۵)

ترجمہ: وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔

خلیفہ سے مراد وہ شخص جو اپنے سے پہلے کے پیچھے آئے۔ خلافت کی تعریف راغب اصفہانی اپنی کتاب مفردات میں لکھتے ہیں:

"الخلافة النيابة عن الغير إما لغيبة المنوب عنه وإما لموته وإما لعجزه وإما لتشريف المستخلف"(۶)

ترجمہ: خلافت کسی دوسرے کی نیابت ہے خواہ منوب عنہ کے غائب ہونے کی وجہ سے ہو یا اس کی موت کے سبب سے ہو یا اس کے عجز کے سبب سے یا اس شخص کو بزرگی عطا کرنے کے لئے جسے خلیفہ بنایا گیا ہو۔

اسلامی نظام میں خلافت رسول اللہ ﷺ کی نیابت و جانشینی کا نام ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ؒ خلافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الخلافة هي الرياسة العامة فى التصدى لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب

---

(۱) اسلامی نظام حکومت نظریہ اور عمل، راشدہ شعیب، بک پروموٹرز، اسلام آباد، اگست ۱۹۹۵ء، ص:۳۹

(۲) معجم مقاییس اللغۃ، ۲/ ۲۱۰

(۳) لسان العرب، ۹/ ۸۲

(۴) امت مسلمہ کے فکری مسائل اور ان کا حل، اختر علی ارشد، جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد، ص:۱۸

(۵) سورۃ البقرہ:۲/ ۲۵۵

(۶) مفردات الفاظ القرآن، ۱/ ۳۱۴

الجیوش والفرض للمقاتلة واعطاھم من الفئ والقیام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والامر بالمعروف والنھی عن المنکر نیابة عن النبی ﷺ" (۱)

ترجمہ: خلافت عامہ وہ ریاست عامہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی نیابت و جانشینی کرتے ہوئے عملاً اقامت دین کے لئے حاصل ہوئی ہو یعنی علوم دینیہ کا احیاء، ارکان اسلام کی اقامت، جہاد اور متعلقات جہاد کا قیام جیسے افواج کی ترتیب، مجاہدین کے وظائف دینا، مال غنیمت کی تقسیم، نظام عدالت کا قیام، حدود (شریعہ) کا اجراء، مظالم کو دور کرنا اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنا شامل ہیں۔

اسی طرح ابو الحسن ماوردی خلافت کو نبوت کی نیابت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

" الْإِمَامَةُ مَوْضُوعَةٌ لِخِلَافَةِ النُّبُوَّةِ فِي حِرَاسَةِ الدِّينِ وَسِيَاسَةِ الدُّنْيَا " (۲)

ترجمہ: امامت دین کی حفاظت اور دنیاوی سیاست کی انجام دہی کے لئے نبوت کی نیابت کے طور پر وضع کی گئی ہے۔

خلیفہ کے معنی جانشین کے ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ خلیفہ چار قسموں کے انسانوں کی نسبت کے لئے استعمال ہوا ہے:

۱. نبی کے لئے۔ جیسا کہ حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ۔
۲. نبی کے جانشین کے لئے۔
۳. انسان کے لئے۔
۴. دنیاوی بادشاہوں کے لئے۔ (۳)

خلافت کے نظام میں اسلامی شریعت کے احکامات کو نافذ کیا جاتا ہے اور پوری دنیا کے سامنے اسلام کی دعوت کو پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ خلافت ارضی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (۴)

ترجمہ: کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان کر رہے ہیں۔ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی تفسیر ابو البرکات النسفی اپنی کتاب مدارک التنزیل وحقائق التاویل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

---

(۱) ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، دار القلم للطباعہ والنشر والتوزیع، ۱/۱۷

(۲) احکام السلطانیہ، ابو الحسن ماوردی، مکتبہ دار ابن قتیبہ، کویت، ص:۳

(۳) خلافت (اسلامی نقطہ نظر)، نصیر احمد جنجوعہ، ص:۳

(۴) سورۃ البقرہ:۲/۳۰

”وهو من يخلف غيره " فعيلة " بمعنى " فاعلة وزيدت الهاء للمبالغة والمعنى: خليفة منكم لأنهم كانوا سكان الأرض فخلفهم فيها آدم وذريته.ولم يقل خلائف أو خلفاء لأنه أريد بالخليفةواستغنى بذكره عن ذكر بنيه كما تستغني بذكر أبي القبيلة في قولك "مضر وهاشم"،أوأريد من يخلفكم أوخلقاً يخلفكم فوحد لذلك أو خليفة مني لأن آدم كان خليفة الله في أرضه وكذلك كل نبي “(۱)

ترجمہ: خلیفہ وہ ہے جو غیر کے بعد آئے یہ فعیلہ بمعنی فاعلہ ہے۔ ھا اس میں مبالغہ کی بڑھائی گئی ہے۔ اب معنی خلیفۃ منکم تم میں سے نائب کیونکہ فرشتے زمین کے رہائشی تھے پس اس زمین میں ان کے بعد آدمؑ اور ان کی اولاد کو نائب بنایا۔ خلائف اور خلفاء نہیں کہا کیونکہ خلیفہ سے آدمؑ مراد لئے گئے۔ اور اولاد کے ذکر کی بجائے فقط آدمؑ کے تذکرہ پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ اس قول میں مضر، ہاشم میں قبیلہ کے بڑے کو ذکر کر دیا۔ یا مراد وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ یا وہ مخلوق جو تمہارے بعد آئے گی اسی لیے واحد لائے۔ یا خلیفۃ منی۔ میرا نائب کیونکہ آدمؑ اللہ تعالیٰ کے زمین میں خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہر پیغمبرؑ اللہ کا خلیفہ ہے۔

اسلام میں خلافت کسی ایک شخص یا طبقہ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ میں سے لوگ اس کے حامل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾(۲)

ترجمہ: تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال کئے ہیں اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسے کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ ایمان اور اعمال صالحہ والے بندوں سے خلافت کا وعدہ فرما رہے ہیں۔ یہ وعدہ محض موروثی اور نام کے مسلمانوں کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ وعدہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کریں۔ اس آیت میں خلافت کا وعدہ ابو البرکات النسفی، محمد بن قرطبی اور جلال الدین سیوطی کے مطابق مکہ کے مہاجرین سے کیا جا رہا ہے۔(۳)

---

(۱) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/۵۸

(۲) سورۃ النور:۲۴/۵۵

(۳) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۳/۱۲۶۔ الجامع لاحکام القرآن، ۱۲/۲۹۹۔ الدر المنثور فی التفسیر بالماثور،۶/۲۱۵

گویا کہ اس آیت قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ وہ مسلمان جو صادق الایمان ہوں اور اخلاق اور اعمال کے اعتبار سے صالح ہوں تو اللہ تعالیٰ نے (ان کے متعلق) وعدہ کر لیا ہے کہ زمین پر ان کو خلیفہ (جانشین یعنی حاکم اور بادشاہ) ضرور بنائے گے۔ خلافت کے مندرجہ ذیل مقاصد ہوتے ہیں:

١. اقامت دین۔
٢. قوانین شریعت کا نفاذ۔
٣. غلبہ اسلام۔
٤. امت کی سیاست۔
٥. امت کی اجتماعیت۔
٦. نظام عبادت کا قیام۔
٧. نظام جہاد کا قیام۔
٨. عدالتی نظام۔[1]

خلافت میں دینی اور دنیوی امور میں نبی کی نیابت میں دین اسلام کی حفاظت کرنے، دنیا کا نظم ونسق چلانے اور اس کی اصلاح کرنے میں کام کیا جاتا ہے۔ خلافت خدا کی طرف سے انسان کو تحفہ دیا گیا ہے۔ اس لئے اس کو اللہ کے مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کیا جاتا ہے۔

٤۔ اصول مشاورت

سیاست اسلامی کا ایک اہم اصول شوریٰ ہے۔ اسلام میں کوئی امیر اپنی مرضی اور خواہش سے احکام نافذ نہیں کر سکتا اور وہ احکام خداوندی کے تحت عمل کرے گا۔ اسلامی نظام زندگی میں تمام اجتماعی امور مشورے سے انجام دیئے جاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ [2]

ترجمہ: اور ان کا (ہر) کام آپس کے مشورے سے ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں ایک اور جگہ پر شوریٰ کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَشَاوِرْهم فِي الْاَمْرِ﴾ [3]

ترجمہ: اور کام کا مشورہ ان سے کیا کریں۔

---

(١) اسلامی نظام خلافت کیا ہے، سید عبد الوہاب شاہ، نکتہ ٣١٣، ص:٣

(٢) سورۃ الشوریٰ: ٣٨/٤٢

(٣) سورۃ آل عمران: ١٥٩/٣

ان آیات قرآنی میں مشورہ کی اہمیت اور اس کی ضرورت کے بارے میں بیان کیا گیا ہے اور باہمی مشورے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ کہ اللہ تعالی کے نیک بندے کسی کام کا اس وقت تک قطعی فیصلہ نہیں کرتے جب تک کہ آپس میں مشورہ نہ کرلیں۔

آپ ﷺ ہمیشہ اہم معاملات میں صحابہ کرام ؓ سے مشورے لیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مَشُورَةً لِأَصْحَابِهِ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ))(۱)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو مشورہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔

اس حدیث مبارکہ سے مشورے کی اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنے معاملات میں آپس میں مشورہ کرنا چاہیے۔ ابن عطیہ (۲) شوری کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"الشورى من قواعد الشريعة وعزائم الأحكام ؛ من لا يستشير أهل العلم والدين فعزله واجب"(۳)

ترجمہ: شوری شریعت کا ایک بنیادی اصول اور پر عزیمت حکم ہے۔ جو حکمران اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتا اس کو معزول کرنا واجب ہے۔

حسن ؒ (۴) شوری کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"ما تشاور قوم إلا هدوا لأرشد أمرهم"(۵)

ترجمہ: جس قوم نے مشورہ سے کام لیا وہ سب سے بہتر کام کی طرف ہدایت پا گئے۔

ان تعریفات کی روشنی میں ثابت ہوا کہ شوری شریعت کا ایک اہم اصول ہے۔ حکمرانوں کو حکومت مشورے سے چلانی چاہیے۔

---

(۱) الجامع الکبیر، کتاب الجہاد، باب ماجاء فی المشورۃ، حدیث نمبر: ۱۷۱۴، ۲۶۵/۳

(۲) ابن عطیہ: آپ کا نام عبد الحق بن ابو بکر اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ مفسر اور محدث تھے۔ آپ ۴۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۴۱ھ میں وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۵۸۷/۱۹)

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۲۴۹/۴

(۴) حسن ؒ: آپ کا نام حسن اور کنیت ابو محمد، ابو سعید اور ابو علی تھی۔ آپ کے والد کا نام موسی راعی تھا۔ آپ حضرت عمر ؓ کے زمانہ خلافت میں ۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت عمر ؓ نے اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں لعاب ڈالا اور نام بھی انہوں نے رکھا۔ آپ تفسیر، حدیث اور تصوف میں امام تسلیم کیے جاتے ہیں۔ آپ کی وفات یکم رجب ۱۱۰ھ کو بصرہ میں ہوئی۔ (تاریخ مشائخ چشت، محمد زکریا المہاجر المدنی، مکتبہ الشیخ، کراچی، ص: ۱۲۱)

(۵) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ص: ۸۸/۴

اقامت دین کی جدوجہد کے لیے اجتماعیت درکار ہے اور اجتماعی زندگی میں فیصلے کرنے اور مختلف امور نپٹانے کے لیے باہمی مشاورت بہت ضروری ہے۔ اس لئے شوری میں ان تین اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے:

١. مسلمانوں کو کوئی بھی اجتماعی کام مشورے کے بغیر انجام نہیں دینا چاہیے۔

٢. اجتماعی کام جن لوگوں سے متعلق ہو ان سب لوگوں کو مشورے میں شریک ہونا چاہیے۔

٣. مشورہ آزادانہ اور مخلصانہ ہونا چاہیے۔ دباؤ اور لالچ کے تحت مشورہ نہیں لینا چاہیے۔(١)

شوری کے نظام کو اسلام میں بہت اہمیت ہے اور پوری اسلامی مملکت کا نظام کی بنیاد اسی اصول پر قرار دی گئی ہے۔ اسلام میں کسی اجتماعی کام کو مشورے کے بغیر انجام دینا درست نہیں ہے۔

۵۔عدل وانصاف

اسلام کا اہم سیاسی اصول عدل وانصاف ہے کیونکہ اسلامی مملکت کے قیام کا انحصار عدل پر ہے۔ اسلامی حکومت کا اہم فرض ہے کہ وہ انسانوں کے حقوق کی حفاظت کریں اور عدل قائم کریں کیونکہ عدل ہی اسلام کا مقصد ہے۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات میں عدل وانصاف کے بارے میں حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ﴾(٢)

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے فیصلہ کرو۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ﴾(٣)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالی عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾(٤)

ترجمہ: اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تم میں انصاف کرتا رہوں۔

---

(١) اسلامی ریاست فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی، ص:٣٩٨

(٢) سورۃ النساء:٤/٥٨

(٣) سورۃ النحل:١٦/٩٠

(٤) سورۃ الشوری:٤٢/١٥

ان آیات قرآنی میں عدل و انصاف کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی عدل و انصاف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی عدل و انصاف کے بارے میں بہت زور دیا اور اس کے بارے میں فرمایا:

((إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى مَنَابِرَ مِنْ نُورٍ عَنْ يَمِينِ الرَّحْمَنِ عَزَّ وَجَلَّ وَكِلْتَا يَدَيْهِ يَمِينٌ الَّذِينَ يَعْدِلُونَ فِي حُكْمِهِمْ وَأَهْلِيهِمْ وَمَا وَلُوا))(۱)

ترجمہ: انصاف کرنے والے رحمن کے دائیں جانب اور اللہ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رعایا اور اہل و عیال میں عدل و انصاف کرتے ہوں گے۔

اس حدیث مبارکہ میں عدل و انصاف کرنے والوں کی فضیلت بیان کی جارہی ہے۔ جو لوگ اپنی رعایا اور اہل و عیال میں عدل و انصاف کرتے ہیں وہ اللہ کے دائیں جانب اور نزدیک ہوں گے۔ قاضی عیاض(۲) نے لوگوں کا دائیں طرف ہونے کے بارے میں بیان کیا کہ:

"المراد بكونهم عن اليمين الحالة الحسنة والمنزلة الرفيعة"(۳)

ترجمہ: کہ مراد ان لوگوں کی داہنے طرف ہونے سے اچھی حالت اور بلند درجے پر ہونا ہے۔

گویا کہ عدل وانصاف کرنے والے اللہ تعالی کے بہت نزدیک ہوں گے۔ یہاں اچھے کام کرنے والوں کو داہنی طرف منسوب کیا جارہا ہے اور برے کام کرنے والوں کو بائیں طرف۔

عدل و انصاف پر دین و دنیا کی کامیابی کا دارومدار ہے اور اس کے بغیر اسلامی مملکت کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اس پر اسلام نظام کی عمارت قائم ہے۔ اگر معاشرے میں سے عدل و انصاف کو نکال دیا جائے تو معاشرے میں انتشار، بد امنی اور ظلم کا راج قائم ہو جائے گا۔

۶۔ حقوق انسانی کا تحفظ

اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ پر بہت زور دیا ہے۔ اسلامی حکومت انسانیت عامہ کی حکومت ہے۔ اسلام دنیا کی پہلی طاقت ہے جس نے سب سے پہلے سیاسی نظام کی بنیاد انسانیت کو قرار دیا ہے۔ اسلام نے انسان کی جان و مال کی حفاظت، عزت و ناموس کی حفاظت، شخصی آزادی کا تحفظ، عقیدے اور مسلک کی حفاظت، حق ملکیت کا تحفظ، اور قانون کے سامنے تمام انسانوں کی مساوات وغیرہ پر زور دیا ہے۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارہ، باب فضیلۃ الامام العادل، حدیث نمبر: ۱۸۲۷، ۳/ ۱۴۵۸

(۲) عیاض: آپ کا نام عیاض بن موسی بن عیاض تھا۔ آپ ۴۷۶ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ حدیث، لغو، لغت اور انساب میں ماہر تھے۔ آپ ۵۴۴ھ میں مراکش میں فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۳۹/ ۲۰۴)

(۳) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۱۲/ ۲۱۱

اسلام انسان کے احترام، وقار اور مساوات پر زور دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیگر تمام مخلوقات پر فضیلت و تکریم اور عظمت عطا کی ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾(۱)

ترجمہ: اور بیشک ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ انسانوں کی تکریم و تفضیل کو بیان فرمار ہے ہیں۔ آئمہ تفسرین نے انسانوں کی وجہ فضیلت کے بارے میں مختلف اقوال بیان کیے ہیں: ضحاک (۲) نے کہا ہے:

"کرمهم بالنطق والتمييز"(۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں بولنے اور تمیز کی قوت کے ساتھ عزت عطا فرمائی۔

حضرت عطا(۴) نے کہا ہے:

"کرمهم بتعديل القامة وامتدادها"(۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے انہیں سیدھے قد اور اس میں طوالت کی فضیلت دی۔

محمد بن کعب (۶) نے کہا ہے:

"بأن جعل محمدا (صلى الله عليه وسلم) منهم"(۷)

ترجمہ: انہیں اس سے فضیلت دی کہ حضرت محمد ﷺ کو ان سے بنایا۔

صحیح قول یہ ہے کہ انسان کی فضیلت کا سبب عقل ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قرآن مجید کو سمجھا جاتا ہے۔ عقل ہی کی وجہ سے اچھے اور برے کی تمیز پیدا ہوتی ہے۔

---

(۱) سورۃ بنی اسرائیل: ۱۷/ ۷۰

(۲) ضحاک: آپ کا نام ضحاک بن مزاحم اور کنیت ابو محمد اور ابو قاسم تھی۔ آپ مفسر تھے۔ آپ ۱۰۲ھ یا ۱۰۶ھ میں فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۵۹۸)

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/ ۲۹۴

(۴) حضرت عطا: آپ کا نام عطا بن ابی رباح اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ حضرت عثمان ؓ کے زمانہ خلافت میں پیدا ہوئے۔ آپ مکہ کے رہنے والے تھے۔ آپ فقیہ اور عالم حدیث تھے۔ آپ تابعین میں سے تھے۔ آپ ۱۱۴ھ یا ۱۱۵ھ میں فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۷۸)

(۵) الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/ ۲۹۴

(۶) محمد بن کعب : آپ کا نام محمد بن کعب بن حیان اور کنیت ابو حمزہ اور ابو عبد اللہ تھی۔ آپ کا تعلق بنو قریظہ کے علاقے سے تھا۔ آپ حضرت محمد ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ آپ مفسر تھے۔ آپ ۱۲۰ھ یا ۱۲۷ھ کو فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۵/ ۶۵)

(۷) الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/ ۲۹۴

اسلام میں ایک انسان دوسرے انسان پر کسی قسم کی فوقیت نہیں رکھتا اور رنگ و نسل کے امتیاز کے بغیر تمام انسانوں کے درمیان مساوات کو تسلیم کرتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔

اس آیت قرآنی میں انسانوں کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم سب آدمؑ و حواؑ کی اولاد ہو، اس لئے نسب کے اعتبار سے سب برابر ہو۔ کسی کو محض خاندان اور نسب کی بنا پر فخر اور غرور کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ سب کا نسب حضرت آدمؑ سے ہی جا کر ملتا ہے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی اس کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"اس آیت میں پوری نوع انسانی کو خطاب کر کے اس عظیم گمراہی کی اصلاح کی گئی ہے جو دنیا میں ہمیشہ عالمگیر فساد کی موجب بنی رہی ہے، یعنی نسل، رنگ، زبان، وطن اور قومیت کا تعصب قدیم ترین زمانے سے آج تک ہر دور میں انسان بالعموم انسانیت کو نظر انداز کر کے اپنے گرد کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے کھینچتا رہا ہے جن کے اندر پیدا ہونے والوں کو اس نے اپنا اور باہر پیدا ہونے والوں کو غیر قرار دیا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی اور اخلاقی بنیاد پر نہیں بلکہ اتفاقی پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ کہیں ان کی بنا ایک خاندان، قبیلے یا نسل میں پیدا ہونا ہے، اور کہیں ایک جغرافی خطے میں یا ایک خاص رنگ والی یا ایک خاص زبان بولنے والی قوم میں پیدا ہو جانا۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی ہے وہ صرف اس حد تک محدود نہیں رہی ہے کہ جنہیں اس لحاظ سے اپنا قرار دیا گیا ہو کہ ان کے ساتھ غیروں کی بہ نسبت زیادہ محبت اور زیادہ تعاون ہو، بلکہ اس تمیز نے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل اور ظلم و ستم کی بد ترین شکلیں اختیار کی ہیں۔ اس کے لیے فلسفے گھڑے گئے ہیں۔ مذہب ایجاد کیے گئے ہیں۔ قوانین بنائے گئے ہیں۔ اخلاقی اصول وضع کیے گئے ہیں۔ قوموں اور سلطنتوں نے اس کو اپنا مستقل مسلک بنا کر صدیوں اس پر عمل در آمد کیا ہے۔"(۲)

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/۱۳

(۲) تفہیم القرآن، ابو الاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، لاہور، ۵/۹۵

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام انسانی برادری ایک ہی اصل سے پیدا ہوئی ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے نسلی امتیازات کو ختم کر دیا ہے اور انسانوں کا اکرام اور عزت پرہیز گاری اور تقوی کی وجہ سے ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے حرمت جان ومال اور عزت کے بارے میں حجۃ الوداع کے خطبے میں فرمایا:

((أَلَا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا))[1]

ترجمہ: خوب سن لو کہ اللہ تعالی نے تم پر تمہارے آپس کے خون اور اموال اسی طرح حرام کئے ہیں جیسے اس دن کی حرمت اس شہر اور اس مہینے میں ہے۔

اس اعلان میں آپ ﷺ نے اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو جان ومال کی حرمت کا بنیادی حق دیا گیا۔ کسی شہری کی حرمت جان ومال پر کوئی دست اندازی نہیں کر سکتا۔

گویا کہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے بہت زور دیا ہے۔ اسلام نے انسانوں میں مساوات کرنے کی تلقین کی۔

۷۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلام کا اہم سیاسی اصول ہے کہ معاشرے میں نیکی کو پھیلایا جائے اور برائی سے روکا جائے تاکہ معاشرے کو برائیوں سے پاک کیا جاسکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[2]

ترجمہ: تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو۔

اس آیت میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے کہ اس لئے کہ وہ نیک کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں کرم شاہ لکھتے ہیں:

"رسول اکرم ﷺ کی امت کو خیر الامم کے جلیل القدر لقب سے سر فراز کیا جارہا ہے۔ کہ جتنی بھی امتیں آج تک صفحہ ہستی پر ظاہر ہوئی ہیں ان سب سے تم بہتر ہو۔ کیونکہ تمہاری زندگی کا مقصد بڑا پاکیزہ، بہت بلند ہے۔ تم اس لئے زندہ ہو اور اس لئے کوشاں

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حجۃ الوداع، حدیث نمبر: ۴۴۰۲، ۱۰/۴۸۷

(۲) سورہ آل عمران: ۳/۱۱۰

ہو کہ حق کا بول بالا ہو، ہدایت کی روشنی پھیلے۔ گمراہی کی ظلمت کافور ہو۔ باطل کا طلسم ٹوٹے اور اخلاق حسنہ کو قبولیت حاصل ہو۔"(۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امت مسلمہ ایک اہم اجتماعی ذمہ داری امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سرانجام دینے کی وجہ سے بہترین امت ہے۔

اللہ تعالی نے اہل ایمان کی حکومت کا مقصد نماز، زکوۃ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے کام سرانجام دینا قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾(۲)

ترجمہ: ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

اس آیت میں اللہ کے بندوں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ جب ان کے اقتدار دیا جاتا ہے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔ اس آیت میں اسلامی حکومت کی بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ ان کی بدولت حکومتوں میں امن اور سکون اور خوش حالی رہتی ہے اور مسلمان سربلند اور سرفراز ہوتے ہیں۔ ابو الاعلی مودودی اس آیت قرآنی کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صرف ہو، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔"(۳)

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو زمین میں اقتدار ملنے کے بعد سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

---

(۱) ضیاء القرآن، ۱/۲۶۳

(۲) سورۃ الحج: ۲۲/۴۱

(۳) تفہیم القرآن، ۳/۲۳۴

آپ ﷺ نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مختلف درجات بتائے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان درجات کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ))(۱)

ترجمہ: تم میں سے اگر کوئی شخص برائی ہوتی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر ہاتھ سے روکنے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے منع کرے، اگر اسکی بھی استطاعت نہ ہو دل میں اسے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

اس حدیث میں ذکر کیے گئے درجات کے بارے میں فقہاء کرام نے بیان کیا ہے کہ ہاتھ سے برائی کو روکنے کا تعلق صاحب اقتدار لوگوں سے ہیں۔ زبان اور دل سے برائی کو روکنے کا تعلق ہر مسلمان سے ہے۔ دل سے وہ برائی کو اتنا برا سمجھے کہ دل میں بے چینی پیدا ہو جائے۔ آخر کار وہ زبان سے اس برائی کا اظہار کرے اور اس برائی کو روکنے کی جدوجہد کرے۔ نووی نے اس کے بارے میں کہا کہ:

"فهو أمر ايجاب باجماع الامة وقد تطابق على وجوب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر الكتاب والسنة واجماع الامة وهو أيضا من النصيحة التي هي الدين" (۲)

ترجمہ: یہ امر باجماع امت وجوب کے لئے ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واجب ہونے پر کتاب و سنت اور اجماع امت سے دلیل ہے اور یہ نصیحت میں داخل ہے جو خود دین ہے۔

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام سرانجام دینے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ ابن تیمیہؒ (۳) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"بندوں اور شہروں کی بھلائی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے وابستہ ہے کیوں کہ معاش و معاد کی کامیابی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہے اور یہ اطاعت اس وقت تک انجام پذیر نہیں ہو سکتی جب تک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کیا جائے۔" (۴)

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر، رقم الحدیث: ۴۹، ۱/۶۹

(۲) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۲/۲۲

(۳) ابن تیمیہؒ: آپ کا اصل نام احمد، کنیت ابو العباس اور مشہور ابن تیمیہ ہے۔ آپ ۶۶۷ھ میں حران میں پیدا ہوئے۔ آپ نے سات سو سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ کا انتقال ۶۸ھ کو ہوا (حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ، محمد ابو زہرہ، (مترجم: سید رئیس احمد جعفری)، المکتبہ السلفیہ، لاہور، جولائی ۱۹۶۱ء، ص: ۵۱)

(۴) مسلمانوں کے سیاسی افکار، پروفیسر رشید احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۸۳

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت مسلمہ کی وہ خصوصی اور امتیازی صفات ہیں، جن پر اس کی عزت و عظمت کا مدار و انحصار ہے۔ جب مسلمانوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیا تو مسلمان عزت و عظمت اور کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ جب انہوں نے اس سے غفلت برتی تو ان کو جگہ جگہ پر ذلت سے دوچار ہونا پڑا۔

۸۔ شخصی آزادی

اسلام میں ہر شخص کو مساوی حقوق حاصل ہیں۔ ہر انسان آزاد اور خود مختار ہے اسی وجہ سے اسلام نے انسان کی شخصی آزادی کی بقاء کے لئے نجی اور پرائیویٹ زندگی میں مداخلت اور دوسروں کے نجی معاملات کی ٹوہ لینے اور راز ٹٹولنے سے منع کیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا ﴾(۱)

ترجمہ: ایک دوسرے کے حالات کا تجسس نہ کرو۔

اس آیت قرآنی میں باہمی تجسس کی ممانعت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تجسس سے معاشرے کا تمام امن و سکون برباد ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے تجسس سے روک کر انسان کی حریت اور آزادی کا خیال رکھا ہے۔ اخفش (۲) تجسس کی تعریف اس طرح لکھتے ہیں:

"طلب الأخبار والبحث عنها"(۳)

ترجمہ: خبروں کو طلب کرنا اور ان کے بارے میں بحث کرنا ہے۔

اس آیت قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ کسی کی ٹوہ میں نہیں رہنا چاہیے۔ اگر کسی کی خامی پتا بھی چل جائے تو اس کی پردہ پوشی کرنی چاہیے۔

اسلام میں اجازت کے بغیر کسی کے گھر میں داخل ہونے سے منع کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا ﴾ (۴)

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو یہاں تک کہ تم اجازت نہ لے لو۔

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۲

(۲) اخفش: آپ کا نام سعید بن مسعدہ اور کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ اخفش الاوسط کے نام سے مشہور تھے۔ آپ کا تعلق بصرہ سے تھا۔ آپ عربی گرائمر میں ماہر تھے۔ آپ کی وفات ۲۱۵ھ یا ۲۲۱ھ میں ہوئی (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان، (محقق: احسان عباس)، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۹۰۰ء، ۲/ ۳۸۱)

(۳) الجامع لاحکام القرآن، ۱۶/ ۳۳۳

(۴) سورہ نور: ۲۴/ ۲۷

اس آیت قرآنی میں دوسروں کے گھر میں داخلے کی وقت اجازت لینے کی ہدایت کی گئی ہے کیونکہ اس طرح دوسرے انسان کے ذاتی آرام اور پرائیویسی کا پورا پورا خیال رکھا گیا ہے۔

اسلام نے معاشرے میں رہنے والے لوگوں کو اہم حق دیا ہے کہ وہ چاہے کسی بھی مذہب اور عقیدے کے ماننے والے ہوں انہیں مذہبی آزادی حاصل ہو گی۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک صحیح دین صرف اسلام ہے لیکن اسلام کا اصول ہے کہ دین اسلام قبول کرنے کے لئے کسی پر جبر نہ کیا جائے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾[1]

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

اس آیت قرآنی میں کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص دین اسلام قبول نہیں کرتا تو اس پر زبردستی نہیں کی جائے گی کہ وہ اسلام قبول کر لے۔ کرم شاہ اپنی کتاب ضیاء القرآن میں اس کی تفسیر بیان کرتے ہیں:

> ''اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگا رکھا ہے۔ قرآن نے پہلے ہی اس کا رد کر دیا تھا کہ دین کے مقاملہ میں جبر و اکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبر و اکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں۔ نیز اسلام بحیثیت دین، انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندا ڈال دیں تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہو جائے گی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہو جائے گا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔''[2]

اس آیت قرآنی سے پتا چلتا ہے کہ معاشرے میں رہنے والے لوگوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ کسی انسان پر مجبور کر کے اپنا دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ شخصی آزادی کے تحفظ پر زور دیا۔ آپ ﷺ کا یہ واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لئے ایک اہم مثال ہے:

((عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ إِنَّ أَخَاهُ أَوْ عَمَّهُ وَقَالَ مُؤَمَّلٌ إِنَّهُ قَامَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ فَقَالَ

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/۲۵۶

(۲) ضیاء القرآن، ۱/۱۷۹

جِيرَانِي بِمَا أُخِذُوا فَأَعْرَضَ عَنْهُ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ ذَكَرَ شَيْئًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلُّوا لَهُ عَنْ جِيرَانِهِ))(۱)

ترجمہ: بہز بن حکیم اپنے والد سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں ابن قدامہ نے اپنی روایت میں بھائی یا چچا کا تذکرہ کیا ہے جبکہ مومل بن ہشام نے اپنی روایت میں کہا وہ حضور اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے جبکہ آپ ﷺ خطبہ پڑھ رہے تھے۔ تو یہ کہنے لگے کس وجہ سے میرے پڑوسیوں کو پکڑ لیا گیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ان سے دو مرتبہ منہ پھیر لیا پھر انہوں نے کچھ ذکر کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔

اس حدیث میں شخصی آزادی کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ کسی شخص کو کسی جرم میں پکڑا گیا ہو اور اس پر جرم ثابت نہ ہوا ہو تو اسے بلا وجہ قید رکھنا صحیح نہیں ہے بلکہ اسے آزاد کر دینا چاہیے۔

یہ اسلام کے بنیادی سیاسی اصول ہیں جو اسلامی حکومت کے لئے بہت ضروری ہیں اور ان کے بغیر اسلامی حکومت کا نظام چل نہیں سکتا۔ ان اصولوں پر عمل کرنے سے معاشرے میں امن و استحکام پیدا ہوتا ہے اور معاشرے سے ظلم و ناانصافی ختم ہوتی ہے۔ اسلامی سیاست ان اصولوں پر عمل کرنے سے اللہ کے مقرر کردہ حدود اور قوانین کے مطابق چلائی جاتی ہے۔

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الاقضیہ، باب فی الحبس فی الدین، حدیث نمبر: ۳۶۳۱، ۵ / ۴۷۴

فصل سوم: آنحضرت ﷺ بحیثیت سیاسی لیڈر: اصول اور حکمت عملی

مبحث اول

آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سیاسی لیڈر اصول سیاست

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سیاسی لیڈر حکمت عملی

مبحث اول

آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سیاسی لیڈر اصول سیاست

تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ انسان کو جب بھی سیاسی اقتدار ملا اس نے دوسرے انسانوں پر بہت ظلم کیا۔ اپنے مفاد کی خاطر دوسرے انسانوں پر ظلم و زیادتی کی۔ حاکم اور محکوم کے درمیان بہت فرق تھا۔ معاہدات میں بد دیانتی، کمزوروں پر دراز دستی اور صلح و امن کی خلاف ورزی عام تھی۔ آپ ﷺ نے اس پہلو پر توجہ فرمائی اور سیاسی انصاف و استحکام کے لئے کوشش کی۔ آپ ﷺ نے سیاسی زندگی میں انسانیت کی بھلائی کے لئے نئے اصول متعارف کرائے۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ تبلیغ رسالت

آپ ﷺ کا مقصد تبلیغ رسالت تھا۔ اس مقصد کے لئے آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا کہ اس کی اشاعت کی جائے اور اس غرض کے لئے مالی فائدہ اور انتقام سے دور رہنا چاہیے۔ جب قریش مکہ نے آپ ﷺ کو تبلیغ دین سے روکنے کے لئے پیشکش کی، تو آپ ﷺ نے ان کی پیشکش ٹھکرا دی اور آپ ﷺ نے اپنے چچا کو فرمایا:

"يَا عَمّ ، وَاللهِ لَوْ وَضَعُوا الشّمْسَ فِي يَمِينِي ، وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلَى أَنْ أَتْرُكَ هَذَا الْأَمْرَ حَتّى يُظْهِرَهُ اللهُ أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ مَا تَرَكْتُهُ"(۱)

ترجمہ: چچا جان! خدا کی قسم! اگر قریش میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند لا کر دے دیں تب بھی میں اپنے اس فرض سے باز نہ آئوں گا یا تو خدا اس کام کو پورا فرمادے گا یا میں خود دین اسلام پر نثار ہو جاؤں گا۔

آپ ﷺ کی اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ قریش مکہ آپ ﷺ کو دعوت و تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی پیشکش کریں تو آپ ﷺ ان کی پیشکش کو رد کر دیں گے اور دعوت کے کام کو جاری رکھیں گے۔

جب آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کیا تو آپ ﷺ چاہتے تو شہر کو لوٹ لیتے اور مہاجرین کی جائیدادیں ان کو واپس لوٹا دیتے۔ لیکن آپ ﷺ نے کوئی نقصان نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد یہ نہیں تھا بلکہ دین کی اشاعت تھا۔

۲۔ اندرونی استحکام

بڑی سے بڑی سلطنت بھی اندرونی اختلافات میں مبتلا ہو تو وہ اپنے کمزور دشمن کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اندرونی اختلافات کو دور کر کے اپنی قوت میں اضافہ کیا جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے ریاست کے اندرونی استحکام پر زور دیا۔ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو اوس اور خزرج ایک دوسرے کے دشمن تھے اور پرانی دشمنیاں چلی آرہیں تھیں۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان اتحاد پیدا کیا اور انہیں اکٹھا کر دیا اور وہ

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۳۲

بھائیوں کی طرح رہنے لگے۔اس وقت مدینہ میں کوئی شہری مملکت نہیں تھی۔چند مدنی عرب قبائل مسلمان ہوئے تھے اوران کے ہمسائے میں بڑی تعداد میں یہودی رہتے تھے جو معاشی لحاظ سے بہت مضبوط تھے۔آپ ﷺ نے ان تمام عناصر کو وفاقی وحدت میں پرو دیا اور مدینہ میں ایک دستور مرتب کر کے شہری مملکت قائم کر دی۔(۱)

مدینہ کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کہ آس پاس کے قبائل سے اچھے تعلقات پیدا کیے جائیں۔اس لئے آپ ﷺ نے قبیلہ بنو حمزہ بن بکر بن عبد مناف اور کوہ بواط کے لوگوں کے ساتھ معاہدہ کیا۔آپ ﷺ نے مدینے کے جنوب مغربی اور ساحل سے متصل علاقوں کا دورہ کیا اور ینبوع میں رہنے والے قبائل کو اپنا حلیف بنایا۔(۲) آپ ﷺ نے ان کے ساتھ معاہدہ اس بات پر کیا کہ لڑائی جھگڑوں میں وہ ایک دوسروں کی آپس میں مدد کریں گے اور ایک دوسرے کے دشمنوں سے دوستی نہیں کی جائے گی۔اس طرح کے معاہدوں سے آپ ﷺ کے دوستوں میں اضافہ ہوا۔

آپ ﷺ نے ایک اصول دیا کہ عربوں میں سے جو شخص یا خاندان یا قبیلہ مسلمان ہو تو وہ ہجرت کر کے مدینہ یا اس کے مضافات میں آکر آباد ہو۔سیاست کے اس اصول سے مسلمان فوج کے سپاہیوں میں اضافہ ہوا اور نئے اسلام قبول کرنے والوں کو اسلام کو گہرائی سے سمجھنے کا موقع ملا۔

۳۔انسانی خون کی عزت

مدینہ میں دس سال کے قیام کے دوران آپ ﷺ نے دس لاکھ مربع میل سے زیادہ کا علاقہ فتح کیا۔اس طرح ہجرت سے وفات تک روزانہ تقریباً دو سو چوہتر مربع میل اوسط سے فتوحات کا سلسلہ جاری رہا اور ان فتوحات میں دشمن کے ماہانہ دو سے بھی کم آدمی قتل ہوئے اور مسلمانوں کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔(۳)

مسلمانوں اور کفار کے درمیان جو جنگی واقعات ہوئے ان میں فریقین کا جانی نقصان بہت کم ہوا۔عبد الرحمن گیلانی کے مطابق ان جنگوں میں مسلمان شہداء کی تعداد ایک سو باون اور کفار کے مقتولین کی تعداد چھ سو باسی ہے۔(۴)

۴۔فنون حرب کی ترقی و استفادہ

دشمن کو بے بس کر دینے اور خون ریزی کو کم ترین حد تک پہنچا دینے کے لئے آپ ﷺ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ فنون حرب میں اتنا کمال حاصل کیا جائے کہ دشمن مقابلہ ہی نہ کر سکے۔اس غرض کے لئے آپ ﷺ نے اچھی چیز کو اختیار کرنے کے اصول پر عمل کیا۔

---

(۱) الرحیق المختوم، ص:۱۷۹-۱۹۳

(۲) رحمۃ للعالمین، ص:۱۲۱

(۳) عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاست ،ڈاکٹر محمد حمید اللہ، الخلیل پبلشنگ ہاؤس، راولپنڈی، ص : ۶۱

(۴) نبی اکرم بحیثیت سپہ سالار، عبد الرحمن گیلانی، دار السلام، لاہور، جون ۲۰۱۰ء، ص:۱۲۲

عربوں میں صف بندی کا دستور نہیں تھا وہ جوش کا بے وقت اور بے محل استعمال اور اسلحہ کا بیکار خرچ کرتے تھے ۔جنگ بدر میں آپ ﷺ نے اپنے سپاہیوں کی صف بندی کی اور معائنہ میں جو آگے پیچھے نظر آتا اسے آپ ﷺ درست کرتے۔[1] آپ ﷺ نے جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد سپاہیوں کو جو جامع ہدایات دیں وہ یہ ہیں:

"أَنْ لَا يَحْمِلُوا حَتَّى يَأْمُرَهُمْ وَقَالَ إِنْ اكْتَنَفَكُمْ الْقَوْمُ فَانْضَحُوهُمْ عَنْكُمْ بِالنَّبْلِ"[2]

ترجمہ: جب تک میں حکم نہ دوں کوئی حملہ نہ کریں اور یہ بھی فرمایا کہ اگر ان لوگوں نے تم کو گھیر لیا تو اپنی مدافعت کے لئے ان پر تیر برساتے رہو۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے صف آرائی کا کام ایک مخصوص افسر کے سپرد کیا جو وازع[3] کہلاتا تھا۔ غزوہ احزاب میں شہر مدینہ پر دشمن کے حملے کو روکنے کے لئے حضرت سلمان فارسیؓ[4] کے مشورے سے خندق کھودی گئی۔[5] خیبر کی لڑائی میں دشمن نے منجنیق[6] کا استعمال کیا اور محصور قلعہ پر سے پتھر برسائے۔ آپ ﷺ نے ایک سال بعد طائف کے محاصرہ میں منجنیق اور دبابے[7] کا استعمال کیا۔[8] اس کے علاوہ سرکاری اصطبل، محفوظ چراگاہیں اور اسلحہ خانوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔[9]

۵۔ خبر رسانی اور ناکہ بندی

آپ ﷺ کا ایک اہم اصول تھا کہ دشمن کی ہر نقل و حرکت سے باخبر رہنا چاہیے اور اپنی نقل و حرکت سے انہیں آخری وقت تک بے خبر رکھنا چاہیے۔ آپ ﷺ نے سراغ رسانی کا نظام مرتب کیا جس سے آپ ﷺ کو قریش مکہ

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۵۔ سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۲۹۴

(۲) الروض الانف، ۵/ ۱۲

(۳) وازع: فوج کا افسر ہوتا ہے جو فوج کو ترتیب وار صفوں میں رکھتا تھا (عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاست، ص:۶۳)

(۴) حضرت سلمان فارسیؓ: انہیں سلمان بن الاسلام اور سلمان الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا تعلق بعض کے نزدیک رامہرمز اور بعض کے نزدیک اصبہان سے تھا۔ آپ نے سب سے پہلے غزوہ خندق کا مشاہدہ کیا اور اس کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ کی وفات ۳۶ھ یا ۳۷ھ میں ہوئی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/۱۴۱)

(۵) الروض الانف، ۶/ ۱۹۵

(۶) منجنیق: پتھر پھینکنے والے ایک حربی آلے کا نام ہے (عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاست، ص:۶۵)

(۷) دبابہ: ایک پہیے والی گاڑی ہوتی ہے جس کے اوپر بیل کا یا کوئی موٹا چمڑا منڈھ دیا جاتا ہے کہ تیروں سے اندر رہنے والے آدمیوں کو صدمہ نہ پہنچے۔ اسے فصیلوں کو کھودنے اور مماثل کام کرنے کے لئے کام میں لایا جاتا ہے (عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء، ص:۲۴۶)

(۸) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۳۲۸

(۹) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۲۴۶

اور دیگر قبائل کے ارادوں اور منصوبوں کا پتا چلتا تھا اور آپ ﷺ اس کے مطابق تیاری کر لیتے تھے۔ غزوہ خندق سے پہلے نبی اکرم ﷺ عرب کے شمال میں دومتہ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کو آدھے راستے میں قریش مکہ اور اس کے حلیف قبائل کا مدینہ پر حملہ کرنے کی خبر پتا چل گئی تھی اس لئے آپ ﷺ مدینہ واپس آگئے اور حملہ آوروں کے پہنچنے سے پہلے خندق کی کھدائی کر لی۔(۱) یہ چیز عہد نبوی ﷺ کے خبر رسانی کے عمدہ انتظام پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کی مہم کی تیاری کی اطلاع حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے قریش کی طرف ایک خط لکھ کر ایک عورت کے ذریعے بھیجی اور وہ عورت راستے میں پکڑی گئی۔(۲) فتح مکہ کی مہم کے دوران آپ ﷺ نے حبس طرق(۳) کا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دس ہزار کا لشکر مدینہ سے مکہ کے مضافات میں پڑاؤ ڈال دیتے ہیں اور دشمن کو خبر ہی نہیں ہوتی۔(۴) آپ ﷺ غلط سمت جانے کی خبر مشہور کرنے کا طریقہ اختیار کرتے تھے۔ اس طرح دشمن غلط فہمی اور مغالطہ میں مبتلا رہتا تھا اور غلط سمت سے سفر کر کے منزل مقصود میں پہنچ جاتا تھا۔ مؤرخین کے مطابق صرف تبوک کی مہم میں سفر کی درازی اور موسم کی خرابی کی وجہ سے سپاہیوں کو پہلے سے بتا دیا تھا ورنہ آپ ﷺ کو جن کے ساتھ جنگ کرنی ہوتی تو آپ ﷺ ان کا نام ظاہر نہیں کرتے۔(۵)

۶۔ معاشی دباؤ

قریش کا اہم پیشہ تجارت تھا۔ وہ لوگ سردیوں میں جنوب یعنی شام، فلسطین، مصر اور عراق وغیرہ کی طرف قافلے لے جاتے تھے۔ شمالی علاقہ اس علاقے سے گزرتا تھا جو مدینہ اور ینبوع کے درمیان تھا۔ جب ان علاقوں کے لوگ مسلمانوں کے حلیف بن گئے تو قریش کے قافلوں کا یہ راستہ بند کر دیا گیا۔ جب یہ زبردستی گزرتے تو ان قافلوں کو لوٹ لیا جاتا تو ان لوگوں نے ساحلی راستہ چھوڑ کر صحرا میں سے ہو کر عراق جانے لگے۔ جب آپ ﷺ کا اثر نجد تک پہنچ گیا تو ان کے ہاتھ سے یہ راستہ بھی نکل گیا۔(۶)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۵/۱۴۵

(۲) ایضا

(۳) حبس طرق: اپنی خبروں کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ناکوں کی بندش حبس طرق کہلاتا ہے (عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاست، ص: ۶۶)

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۱

(۵) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/۱۸۱

(۶) ایضا، ۲/۶۸

اس کے علاوہ قریش مکہ کو بحرین اور یمامہ سے غلہ ملتا تھا۔ ان علاقوں میں اسلام پھیلنے سے اور خاص کر ثمامہ بن اثال ؓ[1] کے اسلام قبول کرنے سے غلے کی بر آمد مکہ والوں کو روک دی گئی[2]۔ اس طرح ان کی ذرائع معیشت کو بہت نقصان پہنچا تو یہ واقعات قریش کو مطیع کرنے کے موثر ہتھیار ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے جو معاشی رکاوٹیں کھڑی کیں تو وہ مصالحت کے لئے آمادہ اور شکست کے لئے مجبور ہو گئے۔

۷۔ غنیم کے دوستوں کو توڑ لینا

آپ ﷺ نے اہم تدبیر یہ اختیار کی کہ قریش کے دوستوں سے اس کی دوستی توڑ دی جائے۔ انہیں مسلمانوں سے دوستی کرنے پر آمادہ کیا جائے اور قریش کے دوستوں سے تعلقات استوار کئے جائیں۔ اس طرح مسلمانوں کے دوست زیادہ ہوگے اور ان کی پوزیشن مضبوط ہوگی۔ اس طریقے پر آہستہ آہستہ عمل درآمد ہوا لیکن بہت کارگر ثابت ہوا۔ بیعت عقبہ میں مدینہ کے جو لوگ مسلمان ہوئے تھے وہ اصل میں قریش کے حلیف بننے آئے تھے۔ میثاق مدینہ میں مدینہ کے یہودیوں کے لئے ایک شق یہ بھی رکھی گئی تھی کہ وہ قریش کو کبھی مدد اور پناہ نہ دیں۔ اس دستور میں مدینے کے غیر مسلم عربوں کی حفاظت کے لئے یہ شرط رکھی گئی کہ وہ قریش کی مدد نہیں کریں گے اور اگر مسلمان قریش پر حملہ کریں تو وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔[3] اطراف مدینہ کے قبائل کے ساتھ معاہدات میں بھی اس چیز کو ملحوظ خاطر رکھا گیا۔

اس سلسلے میں اہم کارنامہ صلح حدیبیہ تھا۔ چھ ہجری میں مسلمانوں کو دو طرف سے خطرات کا سامنا تھا۔ شمال میں خیبر اور جنوب میں مکہ ان دونوں سے ایک وقت میں مقابلہ ممکن نہیں تھا اور ان دونوں میں دوستی بڑھ رہی تھی۔ مسلمانوں کو خطرہ تھا اگر وہ خیبر پر حملہ کرنا چاہیں تو مکہ والے مدینہ پر حملہ کر سکتے تھے اور اگر مکہ پر حملہ کرنا چاہیں تو خیبر والے مدینہ کو خالی پا کر مدینہ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے قریش مکہ کے ساتھ دس سال کے عرصے کے لئے صلح کا معاہدہ کر لیا[4] اور اس کے بعد خیبر والوں کو سبق سکھایا۔ یہ آپ ﷺ کی ایک زبردست سیاسی فتح تھی کیونکہ اس وقت صرف خیبر سے قریش کو مدد مل سکتی تھی تو وہ بھی ختم ہوگئی اور قریش کا کوئی مددگار نہیں رہا۔

---

(۱) ثمامہ بن اثال ؓ: آپ صحابی اور یمامہ کے سرداروں میں سے تھے۔ فتح مکہ سے چند دن قبل انہوں نے اسلام قبول کیا۔ جب یہ عمرہ کرنے مکہ گئے تو کسی نے پوچھا تم بے دین ہو گئے ہو تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور اب نبی اکرم ﷺ کی اجازت کے بغیر اب ایک دانہ بھی یمامہ سے مکہ نہیں آسکتا۔ پھر اس نے یمامہ جا کر مکہ والوں کا غلہ رکوا دیا پھر آپ ﷺ کے حکم پر اس نے مکہ والوں کو غلہ بھیجا (اسد الغابۃ، ۱/ ۱۵۶)

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۳۹

(۳) ایضا، ۲/ ۱۲۶

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۲۳

۸۔ دشمنوں سے گھیرنا

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہ اصول تھا کہ حلیفوں کی مدد سے کبھی غفلت نہ کی جائے۔ اسلامی فوجوں کی جنگی برتری ،فتوحات اور معاشی وسائل پر قبضے سے چاروں طرف کے چھوٹے چھوٹے قبائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے آس پاس قبائل کو معاہدوں کے ذریعہ اپنا حلیف بناتے گئے۔ اس طرح قریش مکہ کے چاروں طرف مسلمان اور مسلمانوں کے حلیف قبائل جمع ہو گئے۔ قریش مکہ کو اسی کے دشمنوں سے گھیر لیا گیا تھا مثلاً بنو اسلم اور خزاعہ کے قبائل جو مکہ کے اطراف میں رہتے تھے۔

۹۔ دعایہ کاری

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دعایہ کاری (۱) ایک مفید اصول کے طور پر استعمال کیا گیا تھا۔ ابو ازیہر دشمنی میں مارا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ (۲) نے ایسے اشعار کہے کہ ان کی وجہ سے قریب تھا کہ مکے کے قریش میں جنگ شروع ہو جاتی تو اس وقت ابو سفیان نے دخل اندازی کر کے معاملے کو سنبھال لیا۔ (۳)

جنگ خندق میں دعایہ کاری کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ قبیلہ غطفان کو قریش کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کر لیا گیا۔ نعیم بن مسعود اشجعی رضی اللہ عنہ نے قریش ،غطفان اور مدینے کے یہودیوں میں پھوٹ ڈلوائی اور قریش نے محاصرہ اٹھا دیا اور واپس چلے گئے۔ (۴)

۱۰۔ دشمن کے ایک طبقے کو موہ لینا

ایک اور تدبیر جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائی وہ دشمن کی تالیف قلبی تھی۔ دشمن پر دولت خرچ کی جائے تاکہ ان کے ایک طبقے کا دل موہ لیا جائے۔ دشمن کے ساتھ حسن سلوک اور ان کو مراعات دینے سے دشمن یہ سمجھے گا کہ انسانی سطح پر ان سے ہمدردی کی جارہی ہے اس طرح اس کی دشمنی میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ڈاکٹر حمید اللہ اس اصول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”ہر زمانے اور ہر ملک میں متمدن سلطنتوں کو اس بات کی ضرورت رہتی ہے کہ
>
> ا۔ دشمن کو دوست اور مددگار بنانے کے لئے

---

(۱) دعایہ کاری: دشمنوں میں پھوٹ ڈالنا اور پروپیگنڈا کرنے کو کہتے ہیں (عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول سیاست، ص:۱۷)

(۲) حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ: آپ کا تعلق خزرج سے تھا۔ جاہلیت میں آپ انصار کے شاعر تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد آپ شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بن گئے۔ آپ کی مشہور کنیت ابو الولید تھی۔ آپ کی وفات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کے نزدیک ۴۰ھ ،بعض کے نزدیک ۵۰ھ اور بعض کے نزدیک ۵۴ھ ہے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲/ ۲۶۲ ۔ ۲۶۴)

(۳) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۲۵۵

(۴) الطبقات الکبری، ۲/ ۶۹

ب۔ یا کم از کم غیر جانبدار ہو جانے کے لئے

ت۔ اور دوستوں کو انعام دے کر مزید اور عظیم کارگزاریوں پر آمادہ کرنے کے لئے

ث۔ نیز دیگر دوستوں کو ترغیب و تشویش دلانے کے لئے

ج۔ یا مماثل مصالح کے لئے اس کی ضرورت رہتی ہے کہ سیکرٹ سروس سے کام لیں"(۱)

آپ ﷺ کی زندگی سے اسکے بارے میں چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ عہد نبوی ﷺ میں مکہ میں قحط کا زمانہ تھا۔ ان کو غلے کی درآمد خاص کر یمامہ سے ہوتی تھی۔ یمامہ کے سردار ثمامہ بن اثال ؓ کے اسلام قبول کرنے سے غلے کی برآمد مکہ والوں کو روک دی۔ عرب میں اس سال بارش نہیں ہوئی تو انہوں نے آپ ﷺ سے درخواست کی۔ آپ ﷺ نے ان حالات میں ان سے یہ بندش اٹھالی تو وہ آپ ﷺ کے بہت ممنون ہوئے۔(۲)

ب۔ صلح حدیبیہ سے پہلے مسلمانوں کے معاشی دباؤ کی وجہ سے قریش کی تجارت کا روزگار ختم ہو گیا تھا ۔ابوسفیان ؓ کا روزگار تجارت ہی تھا۔ آپ ﷺ نے اسے بڑی تعداد میں مدینے کی کھجوریں بھیجیں اور بدلے میں طائف کا چمڑا طلب کیا۔

ت۔ اسی قحط کے زمانے میں آپ ﷺ نے پانچ سو اشرفیوں کی خطیر رقم مکہ کے سردار ابوسفیان کو بھیجی کہ وہ یہ رقم مکہ کے محتاجوں اور غریبوں میں تقسیم کر دے۔(۳)

ان اقدامات سے مکہ میں بہت سے لوگ آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہو گئے۔ اس طرح کی سیاست سے مسلمانوں نے مختلف مواقع میں فائدہ اٹھایا۔

۱۱۔ تطہیر

آپ ﷺ کی داخلی سیاست کا ایک اہم اصول معاشرتی تطہیر تھی۔ مدینہ میں ابتداء میں آپ ﷺ نے یہودیوں کے وجود کو برداشت کیا لیکن وہ اپنی سازشوں کی وجہ سے بے نقاب ہو گئے۔ اسی طرح مسلم معاشرے میں مشرکین اور منافقین بھی رہتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان تمام عناصر سے مسلم معاشرے کو پاک کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ جب تک معاشرے کو ان تمام عناصر سے پاک نہ کیا جاتا اسلامی معاشرہ مستحکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۱) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۲۵۷

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۳۹

(۳) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص: ۲۵۱

۱۲۔ معزز دشمنوں کا اسلام میں بھی اعزاز

مسلم معاشرے کو مستحکم کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ اصول اختیار کیا کہ معزز دشمن اسلام لانے کے بعد بھی معزز رہیں گے۔ معزز لوگ جو اسلام قبول کر رہے تھے انہیں معاشرے میں نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ معاشرے میں ان کو ان کا مقام دیا گیا۔ اس طرح وہ اسلام کی دفاع میں لڑتے اور اسلام کی عظمت کے لئے کام کرتے۔ آپ ﷺ نے اعزاز بخشی کے اصول کو حدیث شریف میں اس طرح بیان فرمایا:

((خِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الإِسْلاَمِ إِذَا فَقِهُوا))[۱]

ترجمہ: غیر مسلم معزز اسلام لانے پر بھی معزز رہیں گے اگر وہ اسلامی قوانین سے بھی واقف ہو جائیں۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نے معزز لوگوں کا اعزاز برقرار رکھا۔ اسی وجہ سے عمرو بن العاص ؓ کو اسلام لانے کے بعد سابقین اولین کا سردار بنا کر فوجی مہموں میں بھیجا گیا۔ ابو سفیان ؓ نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے گھر کو امن گاہ قرار دیا گیا۔[۲] خالد بن ولید ؓ کو اسلام لانے کے بعد سیف اللہ کا لقب دیا گیا۔[۳]

یہ عہد نبوی ﷺ کے بے مثال اصول سیاست ہیں۔ جنکی نظیر معاشرے میں نہیں ملتی۔ آپ ﷺ کے ان اصولوں کی وجہ سے سیاسی انصاف و استحکام پیدا ہوا۔

---

(۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی البرہان فوری، (محقق: بکری حیانی، صفوۃ السقا)، موسسۃ الرسالۃ، حدیث نمبر: ۲۸۷۸۰، ۱۰/۱۵۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/۱۴۰۷

(۳) الرحیق المختوم، ص: ۳۶۶

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سیاسی لیڈر حکمت عملیاں

آپ ﷺ نے بحیثیت سیاسی لیڈر مندرجہ ذیل واقعات میں بہترین حکمت عملیاں اختیار کیں اور ہر واقعے میں تدبر کا مظاہرہ کیا:

۱۔ حلف الفضول

آپ ﷺ کی سیاسی زندگی کا آغاز حلف الفضول کے معاہدہ سے ہوا۔ یہ معاہدہ قریش اور بنی قیس کے درمیان ذی القعدہ پانچ سو نوے عیسوی میں ہوا۔ معاہدے کا سبب یہ تھا کہ عاص بن وائل سہمی نے یمن کے علاقے زبید کے ایک آدمی سے سامان تجارت خرید لیا اور قیمت کی ادائیگی نہیں کی۔ اس آدمی نے مسجد الحرام کے قریب کوہ ابو قبیس[۱] پر کھڑے ہو کر اونچی آواز سے یہ اشعار پڑھے اور قریش سے انصاف مانگا:

"يَا آلَ فِهْرٍ لِمَظْلُومٍ بِضَاعَتُهُ ... بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِي الدَّارِ وَالنَّفَرِ
وَمُحْرِمٍ أَشْعَثٍ لَمْ يَقْضِ عُمْرَتَهُ ... يَا لَلرِّجَالِ وَبَيْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ
إِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ كَرَامَتُهُ ... وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغُدَرِ" [۲]

ترجمہ: اے فہر کی اولاد اس مظلوم کی فریاد سنو، جس کا مال و متاع شہر مکہ ظلما چھین لیا گیا ہے، وہ غریب الدیار ہے، اپنے وطن سے دور، اپنے مددکاروں سے دور۔ وہ ابھی احرام کی حالت میں ہے، اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، اس نے ابھی عمرہ بھی ادا نہیں کیا، اے مکے کے سردار! میری فریاد سنو، مجھ پر حطیم اور حجر اسود کے درمیان ظلم کیا گیا۔ عزت و حرمت تو اسی کی ہے جس کی شرافت کامل ہو، جو فاجر اور دھوکے باز ہو، اس کے لباس کی تو کوئی حرمت نہیں۔

ان الفاظ میں اس نے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو بیان کیا اور مدد کے لئے فریاد کی۔ اس فریاد پر زبیر بن عبد المطلب نے جو آپ ﷺ کے چچا تھے۔ انہوں نے پانچ قبائل بنو ہاشم، بنو مطلب، بنو زہرہ بن کلاب، بنو تیم بن مرہ، اور بنو اسد کے سرداروں کو عبد اللہ بن جدعان[۳] کے گھر میں جمع کیا اور ان سب کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ حلف الفضول کے شرکاء نے جو حلف لیا اس کے الفاظ یہ تھے:

---

(۱) ابو قبیس: مکہ میں ایک پہاڑ ہے (معجم ما استعجم، ۱/۲۸۷)

(۲) الروض الانف، ۲/۴۷

(۳) عبد اللہ بن جدعان: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ کا شمار عہد جاہلیت کے مشہور لوگوں میں سے ہوتا تھا۔ آپ لوگوں کو کھانا کھلاتے تھے اور امداد فراہم کرتے تھے (الاعلام، ۴/۷۶)

"بِاللّٰهِ لَيَكُونَنّ يَدًا وَاحِدَةً مَعَ الْمَظْلُومِ عَلَى الظّالِمِ حَتّى يُؤَدّى إلَيْهِ حَقّهُ مَا بَلّ بَحْرٌ صُوفَةً وَمَا رَسَا حِرَاءٌ وَثَبِيرٌ مَكَانَهُمَا ، وَعَلَى التّأَسّي فِي الْمَعَاشِ"(۱)

ترجمہ: خدا کی قسم ہم سب مل کے ایک ہاتھ بن جائے گے اور وہ مظلوم کے ساتھ رہے کر اس وقت تک ظالم کے خلاف اٹھا ہوا رہے گا تا کہ وہ (ظالم) اس (مظلوم) کو حق ادا نہ کر دے اور یہ اس وقت تک جب تک کہ سمندر گھونگوں کو بھوکتا رہے اور حراء وثبیر کے پہاڑ اپنی جگہ قائم ہیں اور ہماری معیشت میں مساوات رہے گی۔

ان الفاظ میں انہوں نے مظلوم کی مدد کرنے کا حلف لیا۔ کہ جب تک یہ دنیا قائم ہے وہ سب لوگ مظلوم کی مدد کریں گے۔ ابن ہشام نے اپنی کتاب میں اس معاہدے کے بارے میں یہ بیان کیا:

"فَتَعَاقَدُوا وَتَعَاهَدُوا عَلَى أَنْ لَا يَجِدُوا بِمَكّةَ مَظْلُومًا دَخَلَهَا مِنْ سَائِرِ النّاسِ إلّا قَامُوا مَعَهُ وَكَانُوا عَلَى مَنْ ظَلَمَهُ حَتّى تُرَدّ عَلَيْهِ مَظْلِمَتُهُ "(۲)

ترجمہ: انہوں نے حلف اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ شہر مکہ میں کسی پر بھی ظلم ہو، خواہ وہ مکے کے باشندہ ہو یا اجنبی، وہ سب مظلوم کی حمایت و مدافعت میں ظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہو گے تا آنکہ مظلوم کو اس کا حق واپس مل جائے۔

اس معاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ملک سے بد امنی کو ختم کریں گے، مسافروں کو تحفظ فراہم کریں گے، مظلوم خواہ وہ مکے کا رہنے والا ہو یا اجنبی ہو وہ اس کی امداد کریں گے اور طاقتور کو کمزور پر ظلم و زیادتی سے روکا جائے گا۔

مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے اس معاہدے کے طے پانے کے کئی اور اسباب اور وجوہات بیان کیے ہیں۔ ابن قتیبہ (۳) اور ابن جوزی کے مطابق عرب کے قبائل حرم کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ایک دوسرے پر بہت ظلم کرتے تھے اس چیز کو ختم کرنے کے لئے یہ معاہدہ وجود میں آیا۔(۴)

---

(۱) الروض الانف، ۲/ ۴۷

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۱۸۰

(۳) ابن قتیبہ: آپ کا نام عبد اللہ بن مسلم بن قتیبۃ الدینوری اور کنیت ابو مسلم ہے۔ آپ کا تعلق بغداد سے ہے۔ آپ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۶ھ میں وفات پائی (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ۳/ ۴۲)

(۴) المعارف، ابن قتیبہ الدینوری، دار الکتب، قاہرہ، ۱۹۳۴ء، ص: ۳۰۴۔ الوفا باحوال المصطفی، ابن جوزی، دار الکتب الحدیثہ، مصر، ۱/ ۱۳۵

اس معاہدے کو حلف الفضول کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عہد قدیم میں بنو جرہم اور قطورا کے جن لوگوں نے معاہدہ طے کیا ان تینوں کے ناموں میں لفظ فضیلت کا مادہ تھایعنی فضیل بن حرث، فضیل بن وداعہ اور مفضل۔ قریش نے اس معاہدہ کو نئے سرے سے طے کیا اور اس معاہدے کے پہلے بانیوں کے نام سے مشہور ہوا۔(۱)

اس وقت آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی عمر بیس سال تھی اور آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بھی اس معاہدے میں شریک تھے۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس معاہدے کو بہت پسند کرتے تھے اور آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عہد نبوت میں اس معاہدے کا تذکرہ بہت فخر سے کرتے تھے۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اس معاہدے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ:

"لقد شهدت في دار عبد الله بن جدعان حلفًا ما أحب أن لى به حمر النعم، ولو أدعى به في الإسلام لأجبت"(۲)

ترجمہ: میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ رنگ کے اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر (دور) اسلام میں مجھے اس عہد وپیمان کے لئے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا۔

آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اس معاہدے کے بارے میں ان الفاظ سے تین باتوں کا اندازہ ہوتا ہے ایک یہ کہ اس عمر میں بھی آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم انسانوں کے لئے فکر مند رہتے تھے اور مظلوم انسانوں کی مدد کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار تھے۔ دوسرا یہ کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم معاشرے میں سے ظلم کو ختم کرنا چاہتے تھے اور مظلوم کو ظالم سے رہائی دلانا چاہتے تھے۔ تیسرا یہ کہ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم معاشرے میں معاشی مساوات چاہتے تھے۔

۲۔ کعبہ کی تعمیر نو اور تنصیب حجر اسود کا مسئلہ

کعبہ کی تعمیر کے موقع پر حجر اسود کو نصب کرنے پر قبائلی جھگڑے کو جس طرح آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے ختم کیا۔ وہ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور قائدانہ صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ آپ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے اس سیاسی قوت فیصلہ سے قبائل کے درمیان اختلاف ختم ہو گیا اور ایک بڑی جنگ شروع ہونے سے پہلے ختم ہو گئی۔ چھ سو چھ عیسوی میں جب رسول اکرم صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کی عمر پینتیس سال تھی۔ سیلاب سے کعبے کی عمارت کو سخت نقصان پہنچا تو یہ تجویز کیا گیا کہ موجودہ عمارت کو ڈھا کر نئی عمارت تعمیر کی جائے۔ اس وقت ایک رومی جہاز کو سمندر کی لہروں نے جدہ کی بندر گاہ پر لا پھینکا اور وہ ٹوٹ گیا۔(۳) قریش کو جب پتا چلا تو ولید بن مغیرہ نے کعبہ کی چھت تعمیر کرنے کے لئے جدہ سے جہاز کے تختے خرید لایا۔ جہاز میں ایک رومی معمار(۴) بھی تھا۔ ولید اس کو بھی کعبہ کی تعمیر کرانے کے لئے ساتھ لے آیا اور قریش نے مل کر

---

(۱) سیرت النبی صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، ۱/ ۱۳۲

(۲) الروض الانف، ۲/ ۵۱

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۲۷۸

(۴) باقوم

کعبہ کی تعمیر شروع کر دی اور عمارت کی تعمیر کے لئے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لئے۔[1] جب حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو ان کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ ابراہیمی آثار و عقائد کی وجہ سے یہ پتھر مقدس سمجھا جاتا تھا تو اس وجہ سے ہر قبیلے یہ چاہتا تھا کہ اسے نصب کرنے کا اعزاز اسے حاصل ہو، قریش میں نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ چار دن تک آپس میں جھگڑتے رہے[2] اور پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ[3] نے جھگڑے کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا:

"يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ، اجْعَلُوا بَيْنَكُمْ فِيمَا تَخْتَلِفُونَ فِيهِ أَوّلَ مَنْ يَدْخُلُ مِنْ بَابِ هَذَا الْمَسْجِدِ يَقْضِي بَيْنَكُمْ فِيهِ فَفَعَلُوا"[4]

ترجمہ: اے قریش! تم یہ کام کرو کہ جو شخص دروازے میں سے مسجد میں آئے اس کو حکم بناؤ اور جو وہ فیصلہ کریں اس کو قبول کرلو۔

ابوامیہ بن مغیرہ نے یہ تجویز ان کے سامنے رکھی تو انہوں نے اس تجویز کو منظور کر لیا۔ حسن اتفاق سے اگلے دن سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ کعبہ میں داخل ہوئے اور سب نے آپ ﷺ کا امین ہونے کا اعتراف کیا۔ اس فیصلہ کو ماننے کا اقرار کیا جو آپ ﷺ ان کے درمیان کریں گے۔ آپ ﷺ نے تمام فریق کا بیان سنا اور آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت، معاملہ فہمی اور قائدانہ صلاحیتوں کے بدولت آپ ﷺ نے انہیں ایک کپڑا لانے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے آپس میں لڑائی کرنے والے قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ وہ چادر کا کونا پکڑ کر اوپر اٹھائیں۔ انہوں نے ایسے ہی کیا۔ جب چادر حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے حجر اسود کو اس کے مقررہ مقام پر رکھ دیا۔[5]

آپ ﷺ کی حکمت عملی اور حسن تدبر سے ایک شدید جنگ کا خطرہ دور ہو گیا اور ان کے درمیان نفرت کے بجائے اتحاد و اتفاق کے جذبات ابھر کر سامنے آئے۔ وہ لوگ جو آپ ﷺ کی امین ہونے کے قائل تھے انہوں نے دیکھ لیا کہ آپ ﷺ ایک عظیم ماہر سیاسیات بھی ہیں۔ کیونکہ آپ ﷺ نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ اتنے خطرناک فیصلے کو حل کیا۔

---

(۱) الروض الانف، ۲/ ۱۷۰

(۲) ایضا، ۲/ ۱۸۲

(۳) ابوامیہ بن مغیرہ: ابوامیہ کا تعلق قریش سے تھا۔ یہ اس وقت قریش کے سب سے سن رسیدہ آدمی تھے (تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱/ ۵۲۶)

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۲۵۳

(۵) ایضا

۳۔ ہجرت حبشہ

آپ ﷺ کا صحابہ کرام ؓ کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دینے کا مقصد صرف قریش کے ظلم و ستم سے رہائی اور پناہ گزینی نہیں تھا۔ بلکہ یہ آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی تھی کہ عرب کے باہر اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ رجب پانچ نبوی میں پندرہ افراد جن میں گیارہ مرد اور چار عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ مشرکین نے مہاجروں کو گرفتار کرنے کے لئے ان کا پیچھا کیا لیکن وہ ان تک نہیں پہنچ سکے۔(۱) کچھ عرصے کے بعد حبشہ میں مہاجر مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریش مکہ کی اکثریت مسلمان ہوگئی ہے اور وہاں امن و امان قائم ہوگیا ہے تو وہ مکہ واپس لوٹ آئے۔ مگر یہاں آکر دیکھا کہ یہاں کے حالات تو پہلے سے بھی خراب ہیں تو تیراسی مرد اور اٹھارہ خواتین نے دوسری دفعہ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔(۲) قریش مکہ نے جب دیکھا کہ اس طرح مہاجرین کی وجہ سے حبشہ میں اسلام پھیل رہا ہے اور دورس سیاسی اثرات مرتب ہو رہے ہیں تو انہوں نے باہم مشورہ کرکے عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو اپنا سفیر بنا کر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا۔ یہ دونوں سفیر بہت زیرک اور سیاسی امور کے ماہر تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ نجاشی کو مجبور کر دیا جائے کہ وہ مہاجرین کو اپنے وطن سے نکال دے۔ اس سفارت کو مؤثر بنانے کے لئے وہ بہت قیمتی تحائف ساتھ لے کر گئے تھے۔ حبشہ پہنچ کر ان دونوں نے سب سے پہلے پادریوں سے ملاقات کی اور انہیں تحائف پیش کئے اور انہیں مسلمانوں کے خلاف بھڑکا کے اپنا ہم نوا بنایا۔ اس کے بعد بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بادشاہ کے سامنے اپنا مدعا بیان کیا کہ ہمارے ملک کے کچھ لوگ اپنا آبائی دین چھوڑ کر ایک نیا دین اپنا لیا ہے۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ بادشاہ انہیں حبشہ سے نکال دے۔ بادشاہ نے ان کی باتیں سن کر اپنے قاصد کو بھیج کر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ ہم سچ سچ بادشاہ کو سب کچھ بتائیں گے۔ جب وہ دربار میں حاضر ہوئے تو بادشاہ نے ان سے ان کے دین کے بارے میں دریافت کیا۔ تو مسلمانوں کے ترجمان جعفر بن ابی طالب ؓ نے اسلام سے پہلے اور بعد والی اپنی حالت بتائی۔ انہوں نے اس تقریر میں اپنے دین اور اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتایا۔(۳) حضرت جعفر ؓ کی ان باتوں سے نجاشی اتنا متاثر ہوا کہ اس نے مسلمانوں کو واپس کرنے سے انکار کر دیا۔ اگلے روز پھر یہ نئی چال کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے اور مسلمانوں پر یہ الزام لگایا کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ؑ کے منکر ہیں تو بادشاہ نجاشی نے مسلمانوں سے حضرت عیسیٰ ؑ کے بارے میں پوچھا تو حضرت جعفر ؓ نے سورۃ مریم کی چند آیات تلاوت کیں اور کہا کہ:

---

(۱) الطبقات الکبری، ۱/۲۰۴

(۲) ایضا، ۱/۲۰۷

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۴۴۸

((وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِنْهُ))[۱]

ترجمہ: اور بے شک حضرت عیسیٰؑ اللہ کے بندے اور اس کے رسول اور اس کا ایک کلمہ ہے جو حضرت مریمؑ کی طرف ڈالا گیا اسی کی طرف کی روح ہیں۔

حضرت جعفرؓ نے ان الفاظ میں نجاشی کو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بتایا تو اس بات پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا:

" ما عدا عيسى بن مريم مما قلت هذا العود "[۲]

ترجمہ: جو تم کہتے ہو حضرت عیسیٰؑ اس تنکے سے ذرہ برابر بھی زیادہ نہیں تھے۔

اس طرح قریش کی سفارت ناکام ہو گئی۔ یہ ہجرت مسلمانوں کے حق میں بہت نیک ثابت ہوئی کیونکہ مسلمانوں کو ایک ٹھکانہ مہیا ہو گیا اور اسلام کو پھیلانے کے لئے نئی جگہ مل گئی۔

۴۔ بیعت عقبہ

نبی اکرم ﷺ نے جب محسوس کیا کہ مکہ اسلام کے لئے اچھا مرکز ثابت نہیں ہو سکتا تو آپ ﷺ نے دور اندیشی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے مکہ سے باہر مرکز کی تلاش شروع کر دی اور اللہ تعالی نے ایک دور دراز شہر کے لوگوں کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ یثرب سے ہر سال لوگ حج کرنے مکہ آیا کرتے تھے۔ نبوت کے گیارہویں سال حج کے موسم میں قبیلہ خزرج کے چھ آدمی آپ ﷺ کی دعوت پر اسلام قبول کر لیا۔ ان چھ آدمیوں کے نام یہ ہیں:[۳]

1. عقبہ بن عامر بن نابؓ [۴]
2. ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ [۵]
3. عوف بن حارثؓ [۶]

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قولہ یا اہل الکتاب، حدیث نمبر: ۳۴۳۵، ۴/ ۱۶۵

(۲) الروض الانف، ۳/ ۱۵۴

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱/ ۵۵۸

(۴) عقبہ بن عامر بن نابیؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ آپ عقبہ اولی، بدر اور احد میں شریک ہوئے تھے۔ آپ واقعہ یمامہ میں شہید ہوئے (اسد الغابۃ، ۲/ ۲۷۵)

(۵) ابو امامہ اسعد بن زرارہؓ: انصار میں پہلے آپ اسلام لائے۔ بعض لوگ آپ کو اسعد الخیر بھی کہتے تھے۔ آپ کی کنیت ابو امامہ تھی۔ آپ بیعت عقبہ اولی، ثانیہ اور ثالثہ میں شریک ہوئے۔ آپ کی وفات شوال دو ہجری میں ہوئی (اسد الغابۃ، ۱/ ۴۴)

(۶) عوف بن حارثؓ: آپ معاذ اور معوذ کے بھائی تھے۔ بعض کے آپ کا نام عوذ لکھا ہے۔ آپ بدر میں شریک ہوئے اور آگے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/ ۷۳۹)

۴. رافع بن مالک ؓ (۱)

۵. قطبہ بن عامر بن حدیدہ ؓ (۲)

۶. جابر بن عبد اللہ بن ریاب ؓ (۳)

اگلے سال یعنی بعثت کے بارہویں سال انہی قبائل کے بارہ آدمی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے ان میں سے پانچ پہلے والے تھے اور سات ان کے علاوہ تھے۔ان بارہ آدمیوں نے حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر منی کی گھاٹی میں چھپ کر بیعت کی۔(۴) ان افراد کا اسلام قبول کرنے سے اسلام کا پیغام مدینہ منورہ میں پہنچا۔ اگلے سال حج کے موقع پر مدینہ سے تہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل قافلہ آیا اورانہوں نے منیٰ کی اسی گھاٹی عقبہ کے مقام پر حضور اکرم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں۔(۵)

بیعت ہو جانے کے بعد آپ ﷺ نے ان میں سے بارہ آدمیوں کو نقیب (سردار) مقرر فرمایا۔ان میں نو آدمی قبیلہ خزرج کے اور تین اشخاص قبیلہ اوس کے تھے۔(۶)

بیعت العقبہ نے اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے نئی راہیں کھول دیں اور مدینے میں بے خوف و خطر اسلام کے فروغ پانے کا موقع ملا۔بیعت العقبہ کے ذریعے آپ ﷺ کے بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات استوار ہوئے۔آپ ﷺ اور اہل مدینہ کے ساتھ سیاسی رابطے ہوئے۔اس معاہدے کے ذریعے مدینے کو اسلام کا دارالخلافہ بنایا گیا۔

۵۔ہجرت مدینہ اور تعمیر مرکز اسلام

ہجرت مدینہ میں بھی بہت سے سیاسی اثرات ہیں۔آپ ﷺ چاہتے تھے کہ ایک پرامن علاقے میں اسلام کی تعلیمات پر مبنی معاشرہ قائم کیا جائے۔جو اس وقت موجود تمام معاشروں سے اعلی مقام رکھتا ہو۔آپ ﷺ اپنی قوت کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہتے تھے۔یہ آپ ﷺ کا پیغمبرانہ بصیرت و تدبر تھا کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے کر بہت ہی مشکل حالات میں سلامتی کی راہیں نکالیں۔کیونکہ حالات ایسے بن گئے تھے کہ مکہ میں تصادم ہوتا

---

(۱)رافع بن مالک ؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔آپ بیعت عقبہ اولی میں شریک ہوئے۔آپ ایک نقیب تھے۔خزرج میں سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا۔آپ غزوہ بدر میں شریک نہ ہو سکے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲/۴۴۴)

(۲)قطبہ بن عامر بن حدیدہ ؓ: آپ کا تعلق بنو خزرج سے تھا۔آپ کی کنیت ابو زید تھی۔آپ بیعت عقبہ اولی وثانیہ اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔غزوہ احد میں آپ کے جسم پر نو زخم لگے تھے۔آپ کی وفات حضرت عثمان ؓ کے دور خلافت میں ہوئی (اسد الغابۃ، ۲/۴۱۲)

(۳)جابر بن عبد اللہ بن ریاب ؓ: آپ بیعت عقبہ اولی اور تمام غزوات میں شریک ہوئے (اسد الغابۃ، ۱/۱۶۲)

(۴)الروض الانف، ۴/۴۵

(۵)سیرۃ ابن ہشام، ۲/۵۸

(۶)ایضا، ۲/۶۰

تو مٹھی بھر مسلمان ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے سب سے آخر میں مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ تاکہ کسی مسلمان کے ذہن میں یہ بات نہ آئے کہ آپ ﷺ خود محفوظ ہیں اور مسلمان مشکلات کا سامنا کر رہیں ہیں۔

آپ ﷺ نے مدینہ میں مسجد نبوی تعمیر کی۔ مسجد تعمیر کرنے کا مقصد صرف ایک عبادت گاہ قائم کرنا نہیں تھی بلکہ مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط مرکز قائم کرنا تھا۔ یہ مسجد اسلامی ریاست کا دارالخلافہ تھی اور اس مسجد سے چھوٹی سی ریاست کا انتظام چلایا جاتا تھا۔ یہ مسجد دارالعدل کے ساتھ ساتھ تعلیم و تدریس کا مرکز بھی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی حکمت و بصیرت سے ایک مستحکم اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی اور مسجد نبوی کے اردگرد مہاجرین کی سکونت کا انتظام کیا گیا اور اس طرح ایک مختصر اسلامی معاشرہ تشکیل دیا گیا۔(۱) مسجد کی تعمیر نہایت سادہ کی گئی۔ مہاجرین اور انصار نے آپ ﷺ کے ساتھ مل کر جوش و خروش سے مسجد کی تعمیر میں حصہ لیا۔(۲) آپ ﷺ نے شان و شوکت کے بجائے عملی طور پر بیدار رہنے کا جذبہ اجاگر کیا کیونکہ ظاہری شان و شوکت اور اونچے اونچے محلات ایک مضبوط مملکت کی علامات نہیں ہوتیں بلکہ معاشرے کے افراد اور ان کے مضبوط کردار ایک مستحکم اور مضبوط قوم کی علامات ہیں۔ آپ ﷺ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جو اللہ تعالی کی قائم کردہ حدود کے مطابق چلایا جائے۔ آپ ﷺ کی حکمت عملی یہ تھی کہ دنیا کے کونے کونے میں اسلام کا پیغام پہنچایا جائے اور معاشرے میں سے ظلم کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ تاکہ لوگ امن و سکون کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے مکی زندگی میں بے پناہ مشکلات کا سامنا کیا تھا۔ آپ ﷺ آئندہ کے لئے لائحہ عمل تیار فرما رہے تھے کیونکہ آپ ﷺ کو اس بات کا اندازہ تھا کہ مشرکین مکہ مسلمانوں کے خلاف ضرور کوئی قدم اٹھائیں گے۔ آپ ﷺ مسلمانوں کو معاشی طور پر مضبوط کرنا چاہتے تھے اس کے علاوہ مدینہ میں موجود یہود اور منافقین ناقابل اعتبار تھے کیونکہ یہ کسی بھی وقت آپ ﷺ کو دھوکہ دے سکتے تھے۔ تو آپ ﷺ تدبر و حکمت سے کام لے کر ان سے ٹکرانے کی قوت پیدا کرنا چاہتے تھے اور مرکز کو مستحکم کرنا چاہتے تھے اس لئے آپ ﷺ نے عظیم تدبر اور کامیاب سیاست کے ذریعے ان تمام مسائل کا حل نکالا۔

۶۔ مدینہ میں پہلا خطبہ جمعہ اور اسلامی ریاست کے اساسی اصول

آپ ﷺ نے بنو سالم بن عوف کے محلے میں پہلا جمعہ کا خطبہ دیا اور اس میں آپ ﷺ نے اسلامی نظام کے اساسی اصول اور بنیادی احکام کے بارے میں بتایا۔ آپ ﷺ اس خطبے میں اپنے سامعین سے ایسے مخاطب تھے کہ ان کے درمیان کوئی اجنبیت کی دیوار ہی نہ ہو۔ یہ خطاب ایک رہنما اور حکمران کا محسوس ہوتا ہے جو اپنے پیروکار سے کر رہا ہے۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے مندرجہ ذیل اصول بیان کئے۔

---

(۱) الرحیق المختوم، ص:۱۸۵

(۲) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۸/۲

۱. توحید

آپ ﷺ نے اس خطبے میں عقیدہ توحید کو واضح کیا ہے۔ آپ ﷺ نے بتایا کہ حاکمیت اور الوہیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

۲. تقوی

آپ ﷺ نے اس خطبے میں تقوی کی تلقین کی کہ اللہ کے عذاب سے انسان کو ڈرنا چاہیے۔ حقیقی زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کو ہر کام آخروی کامیابی کے لئے کرنا چاہیے۔

۳. قرآن وسنت کی بالادستی

اس خطبے میں آپ ﷺ نے قرآن وسنت کی بالادستی کا حکم دیا۔ سچی ہدایت، حقیقی علم اور معیار حق صرف کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہے۔ ہر معاملے میں قرآن اور سنت رسول ﷺ کی پیروی کرنی چاہیے۔ اسلامی معاشرے میں بالادستی اور اقتدار قرآن وسنت کو حاصل ہے۔

۴. جہاد فی سبیل اللہ

آپ ﷺ نے اس خطبے میں اللہ تعالی کی راہ میں جہاد کرنے کا کہا کہ خدا کے دشمنوں کو اپنا دشمن سمجھو اور اللہ کے دین کے غلبے کے لئے جہاد کرو۔

۵. امت مسلمہ

آپ ﷺ نے مسلمانوں کو کہا کہ تمہارا اسلامی نام مسلمان ہے اور تم سب ایک امت اور قوم ہو جس کو امت مسلمہ کہے کر مخاطب کیا جاتا ہے۔[1]

اسلامی معاشرے اور اسلامی ریاست کی بنیاد ان پانچ اصولوں پر رکھی گئی۔ آپ ﷺ نے مدینہ میں پہلے خطبے میں ہی مدینہ والوں کو بتادیا کہ اب جاہلیت کے نظام کے بجائے ان اصولوں پر مبنی اسلامی نظام رائج کیا جائے گا۔

۷۔ مواخات

ہجرت کے بعد پہلا مسئلہ جو تھا وہ یہ کہ مسلم معاشرے میں ہم آہنگی، یک جہتی اور استحکام پیدا کیا جائے کیونکہ مسلم معاشرہ دو عناصر مہاجر اور انصار پر مشتمل تھا۔ مہاجرین وہ لوگ تھے جنہوں نے اللہ کے لئے اپنا گھر بار چھوڑ کر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ان لوگوں نے اسلام کے لئے جان ومال کی قربانیاں دی تھیں۔

انصار مدینہ کے رہنے والے تھے ان لوگوں نے اسلام کے لئے پورے عرب کی مخالفت مول لے لی تھی۔ چنانچہ ضروری تھا کہ ان دونوں عناصر میں یک جہتی پیدا کی جائے اور معاشرے کو مستحکم کیا جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اسلامی قومیت، دینی اخوت کے استحکام، مہاجرین کی معاشی کفالت اور آبادکاری کے لئے مہاجر اور انصار کو حضرت انس

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۷۔۸

بن مالکؓ کے گھر اکٹھا کیا۔ آپ ﷺ نے ان کے درمیان رشتہ مواخات طے کر دیا یعنی ایک مہاجر اور ایک انصار کو بھائی بھائی بنادیا۔ اس طرح مہاجر اپنے آپکو اکیلا محسوس نہیں کریں گے۔ آپ ﷺ نے جن لوگوں کو بھائی بنایا وہ نوے یا سو لوگ تھے ان میں آدھے مہاجرین اور آدھے انصاری تھے۔[1] یہ رشتہ حقیقی رشتوں سے بھی زیادہ مضبوط ثابت ہوا۔

مواخات آپ ﷺ کی حکمت و سیاست اور فراست کا منہ بولتا ثبوت تھی کیونکہ منافقین مہاجرین اور انصار میں پھوٹ ڈالوا سکتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے انہیں مضبوط رشتے میں باندھ دیا اور منافقین اپنی چالوں میں ناکام ہو گئے ۔اس مواخات کے ذریعے مسلمانوں کے بہت سے مسائل حل ہو گئے۔

۸۔میثاق مدینہ

نبی اکرم ﷺ نے جب مواخات کے ذریعے مسلمانوں کے درمیان تعلق کو مضبوط کر دیا تو آپ ﷺ مدینہ کو بیرونی خطرات سے بچانا اور اہل مدینہ کے درمیان باہمی اختلافات کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مدینہ کی ریاست کو منظم طریقے سے چلانے کے لئے اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ کیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔[2] یہ دنیا کا پہلا تحریری دستور ہے۔ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے حقوق و فرائض کی نشاندہی کی گئی۔ انصاف اور قانون کے مطابق حکومت قائم کی گئی، انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے اصول و ضوابط مرتب کیے گئے اور اسلامی فلاحی مملکت کی تشکیل کے لئے بہت ضروری اقدامات کیے گئے۔ میثاق مدینہ کی اہم دفعات یہ ہیں:

۱. بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا یہی حق ہو گا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی۔ اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے۔

۲. یہود اپنے اخراجات کے ذمے دار ہوں گے اور مسلمان اپنے اخراجات کے۔

۳. اور جو طاقت اس معاہدے کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کرے گے۔

۴. اور اس معاہدے کے شرکاء کے باہمی تعلقات خیر خواہی، خیر اندیشی اور فائدہ رسانی کی بنیاد پر ہوں گے، گناہ پر نہیں۔

۵. کوئی آدمی اپنے فریق کی وجہ سے مجرم نہ ٹھہرے گا۔

۶. مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

---

(۱) سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، ۳/ ۳۶۳

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲/ ۱۲۶

۷. جب تک جنگ برپا رہے گی یہود بھی مسلمانوں کے ساتھ خرچ برداشت کریں گے۔

۸. اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینہ میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہو گا۔

۹. اس معاہدے کے فریقوں میں کوئی نئی بات یا جھگڑا پیدا ہو جائے جس میں فساد کا اندیشہ ہو تو اس کا فیصلہ اللہ عزوجل اور محمد رسول اللہ ﷺ فرمائیں گے۔

۱۰. قریش اور اس کے مددگاروں کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۱۱. جو کوئی یثرب پر دھاوا بول دے اس سے لڑنے کے لئے سب باہم تعاون کریں گے اور ہر فریق اپنے اپنے اطراف کا دفاع کرے گا۔

۱۲. یہ معاہدہ کسی ظالم یا مجرم کے لئے آڑ نہ بنے گا۔[۱]

محمد حمید اللہ ریاست مدینہ کی تشکیل کے لئے میثاق مدینہ کی اہمیت اور اس میں رسول اکرم ﷺ کی سیاسی فہم و فراست کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "ایک چھوٹی سی بستی جو بیس ایک محلوں پر مشتمل تھی۔ شہری مملکت کی صورت میں منظم کیا گیا اور اس کی قلیل بو قلموں اور کثیر الاجناس آبادی کو ایک لچکدار اور قابل عمل دستور کے ماتحت ایک مرکز پر متحد کیا گیا اور ان کے تعاون سے شہر مدینہ میں ایک سیاسی نظام قائم کر کے چلایا گیا جو بعد میں ایشیا، یورپ، افریقہ کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی ایک وسیع اور زبردست شہنشاہیت کا بلا کسی دقت کے صدر مقام بھی بن گیا۔"[۲]

اس تعریف میں میثاق مدینہ کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ میثاق مدینہ آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں پہلی سیاسی فتح تھی۔ یہ آپ ﷺ کی سیاسی و معاہداتی اور آئینی جدوجہد میں اہم مقام رکھتا ہے۔ میثاق مدینہ آپ ﷺ کے سیاسی اقتدار کا مظہر تھا اور آپ ﷺ کی بے نظیر اور بے مثال سیاست کی نشاہدہی کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا یہ ایک سیاسی کارنامہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس دستور کے ذریعے مدینہ کو حرم قرار دیا اور اللہ کی حاکمیت اور اس کے قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہو گئی۔ سیاسی، قانونی اور عدالتی لحاظ سے آخری اختیار حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ میں تھا اور اس معاہدہ سے باضابطہ طور پر اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۲/۱۲۶۔۱۲۹

(۲) عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص:۹۹

۹۔ صلح حدیبیہ

صلح حدیبیہ عہد نبوی کی عظیم الشان سیاست کا شاہکار تھا۔اس معاہدے کے ذریعے قریش نے مدینہ کی اسلامی ریاست اور مسلمانوں کی الگ جماعت کو تسلیم کر لیااور یہ ان کی ذہنی اور سیاسی شکست تھی۔مسلمانوں اور مشرکین مکہ کے درمیان چھ ہجری میں ایک معاہدہ ہوا جسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔حضرت محمد ﷺ کی دانشمندی کی وجہ سے یہ صلح کا معاہدہ ہوا۔صلح حدیبیہ کی شرائط یہ تھیں:

۱. فریقین دس سال تک آپس میں لڑائی نہیں کریں گے۔
۲. قریش کا جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے گا تو اسے آپ ﷺ واپس بھیج دیں گے۔
۳. اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ آجائے تو وہ آپ ﷺ کو واپس نہیں کیا جائے گا۔
۴. عرب کے دیگر قبائل کو اجازت دے دی گئی کہ وہ جس فریق کے ساتھ دوستی کا معاہدہ کرنا چاہیں کر لیں ان پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔
۵. آپ ﷺ اس سال بغیر عمرہ مدینہ واپس چلے جائیں اور آئندہ سال وہ عمرہ ادا کرنے آئیں۔ صرف تین دن مکہ میں رہ کر واپس چلے جائیں۔یہ لوگ ہتھیار ساتھ نہ لائیں، صرف تلواریں ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں ہوں۔[۱]

اللہ تعالی نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا﴾[۲]

ترجمہ: بیشک (اے نبی ﷺ) ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی ہے۔

اس آیت کریم میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی نبی اکرم ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی کیونکہ صلح حدیبیہ مسلمانوں کی فتح عظیم تھی۔قریش مکہ نے اب تک مسلمانوں کا وجود تسلیم نہیں کیا تھا اور انہیں ختم کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھے۔اب مسلمانوں کے ساتھ صلح کا معاہدہ کر رہیں ہیں تو یہ مسلمانوں کی فتح ہے۔اس فتح کے بارے میں مفسرین نے مختلف آراء دیں ہیں: حضرت جابرؓ[۳] نے کہا:

"ما كنا نعد فتح مكة إلا يوم الحديبية"[۴]

---

(۱) فقہ السیرۃ، ۱/۲۸۰

(۲) سورۃ الفتح: ۴۸/۱

(۳) حضرت جابرؓ: آپ صحابی تھے۔آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔آپ کا تعلق خزرج سے تھا۔آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سترہ غزوات میں شریک ہوئے تھے۔آپ نے ۷۴ھ میں وفات پائی (اسد الغابہ، ۱/۱۶۲)

(۴) الجامع لاحکام القرآن، ۱۶/۲۶۰

ترجمہ: ہم فتح سے مراد یوم حدیبیہ ہی شمار کیا کرتے تھے۔

فراء[1] نے کہا:

"تعدون أنتم الفتح فتح مكة وقد كان فتح مكة فتحا ونحن نعد الفتح بيعة الرضوان يوم الحديبية ، كنا نعد مع النبي صلى الله عليه وسلم أربع عشرة مائة "[2]

ترجمہ: فتح سے مراد فتح مکہ لیا کرتے تھے جبکہ فتح مکہ تو فتح ہے اور ہم فتح سے مراد بیعت رضوان لیتے جو حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہماری تعداد چودہ سو تھی۔

امام شعبی[3] نے کہا:

"هو فتح الحديبية ، لقد أصاب بها ما لم يصب في غزوة ، غفر الله له ما تقدم من ذنبه وما تأخر ، وبويع بيعة الرضوان"[4]

ترجمہ: اس سے مراد فتح حدیبیہ ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے ذریعے۔ وہ کچھ حاصل کیا جو آپ ﷺ نے کسی غزوہ میں حاصل نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اگلی پچھلی خطاؤں کو معاف کر دیا اور آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت رضوان ہوئی۔

اس کھلم کھلا فتح سے مراد فتح حدیبیہ ہی ہے کیونکہ جن حالات میں یہ صلح ہوئی ہے، ان میں یہ ایک بڑی اور کھلی ہوئی فتح کا پیش خیمہ ہے۔ اس فتح کے نتیجے میں مکہ مکرمہ فتح ہو گا۔

یہ معاہدہ آپ ﷺ کے خوابوں کی تکمیل ہی نہیں بلکہ سیاسی اعتبار سے اسلام کی آنے والی تمام کامیابیوں کا آغاز تھا۔ اس واقعہ نے حالات کو تبدیل کر دیا۔ اس کے ذریعے ایک طرف آپ ﷺ نے اسلام کے بڑے دشمن قریش کو چپ کرا دیا اور دوسری طرف خیبر کے یہودیوں کو توڑ دیا۔ اس معاہدے کے بعد آپ ﷺ نے بین الاقوامی تعلقات استوار کرنا شروع کیے۔ آپ ﷺ نے مختلف علاقوں میں اپنے سفیر بھیجے اور سلاطین کو اسلام کی دعوت دی۔ اس سے آپ ﷺ کو اندرون اور بیرون عرب میں اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع ملا اور اسلام کی آواز ہر طرف گونجنے لگی۔ کچھ عرصے بعد معاہدے کو توڑنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو مکہ کو پر امن طور پر فتح کرنے کا موقع ملا۔

---

(۱) فراء: آپ کا نام یحیی بن زیاد بن عبد اللہ اور کنیت ابو زکریا تھی۔ آپ فراء کے نام سے مشہور تھے۔ آپ گرائمر، لغت اور ادب میں ماہر تھے۔ آپ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے بہت سی تصانیف لکھیں۔ آپ نے ۲۰۷ھ میں مکہ کے راستہ پر وفات پائی (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ۱۷۶/۶)

(۲) الجامع لاحکام القرآن، ۲۶۰/۱۶

(۳) امام شعبی: آپ کا نام عامر بن شراحیل اور کنیت ابو عمرو تھی۔ آپ کا تعلق قبیلہ ہمدان سے تھا۔ آپ کوفہ کے تابعی تھے۔ آپ ۲۱ھ میں پیدا ہوئے اور وفات ۱۰۳ھ یا ۱۰۶ھ کو پائی (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ۱۲/۳)

(۴) الجامع لاحکام القرآن، ۲۶۰/۱۶

۱۰۔ فتح مکہ

فتح مکہ اسلامی تاریخ کا بہت اہم واقعہ ہے۔ مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سیاسی اعتبار سے آپ ﷺ کا جو اہم مقصد تھا وہ یہ کہ اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کرنا اور خانہ کعبہ پر مشرکین کے قبضے کو ختم کرنا۔ یہ بہت ہی مشکل کام تھا مگر اللہ کے بھروسے، مدد اور مسلمانوں کی ثابت قدمی سے وہ کامیاب ہو گئے۔ آپ ﷺ بہترین سیاسی حکمت عملیوں کی وجہ سے اسلام کی فتح اس طرح ہوئی کہ مکہ کے اندر کسی کو تلوار اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ مکہ کا زیریں حصہ بغیر خون بہائے فتح کر لیا گیا اور بالائی حصے پر باغی گروہ نے حضرت خالدؓ کے دستے پر تیر اندازی کی اور جب مسلمانوں نے جوابی کاروائی کی تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔[۱]

آپ ﷺ نے ابو سفیانؓ کے گھر کو دارالامان قرار دے کر پورے مکہ والوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا۔ اس کے علاوہ اپنے گھر کے دروازے بند کرنے والوں اور بیت اللہ میں پناہ گزیر کو بھی امان دے دی۔[۲] ان اعلانات سے آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کہ مکہ والے مکمل طور پر سپر انداز ہو جائیں اور وہ ان امان کے طریقوں کو اختیار کر کے یہ ظاہر کر دیں کہ وہ امان کے طلب گار ہیں۔ آپ ﷺ کی اس بہترین سیاسی حکمت عملی سے مکہ فتح ہو گیا اور امن و امان قائم ہو گیا۔

آنحضرت ﷺ کی سیاسی زندگی کا ہر عمل مثالی ہے۔ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت، قائدانہ صلاحیتوں اور تدبر و فراست کے نتیجے میں بننے والی عظیم الشان مملکت مدینہ ایک غالب دین اور سیاسی نظام کے طور پر مستحکم ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے ہر موقع پر آپ ﷺ کے فیصلے اس اعلیٰ شان سیاسی حکمت اور تدبر کا ثبوت ہیں جن کی مثالیں تاریخ میں نہیں ملتی۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۹

(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا سیاسی کردار

فتح مکہ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ایسا منفرد واقعہ ہے جس میں آپ ﷺ نے جدوجہد، سیاسی بصیرت اور تدبر سے کام لے کر ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت ہے اور اسلام کے دشمن اسلام کو مٹانے کے لئے کتنی بھی کوششیں کر لیں وہ اسلام کو مٹا نہیں سکتے۔ آپ ﷺ کی سیاست اور تدبر کا یہ نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے عرب جیسے ملک میں امن وعدل کی حکومت قائم کر دی اور عرب والے مرکزی حکومت کے مطیع اور فرمانبردار ہو گئے۔ مکہ کو فتح کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ نے کفار و مشرکین کا زور توڑ دیا اور وہ اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس بیت اللہ میں معافی کے لئے جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مکہ کی فتح میں ثابت کر دیا کہ آپ ﷺ کا مقصد دشمنوں سے انتقام اور خون ریزی نہیں بلکہ معاشرے میں امن و اصلاح قائم کرنا تھا۔ مکہ کو فتح کرنے سے پورے جزیرۃ العرب کی سیاسی اور دینی افق پر اسلامی نظام رائج ہو گیا۔ یہ آپ ﷺ کی سیاسی بصیرت، تدبر، عزم بلند اور یقین محکم کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے بغیر خون بہائے نہ صرف ایک شہر کو فتح کیا بلکہ اس کے نتیجے میں پورے ملک میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ آپ ﷺ نے شہر مکہ کا نظم ونسق اسلامی اصولوں کے مطابق ترتیب دیا گیا۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کا سیاسی کردار اور جس سیاسی بصیرت کا مظاہرہ کیا اس کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

- اسلام میں معاہدات کا احترام پر بہت زور دیا گیا۔ اسلام میں معاہدہ کی خلاف ورزی کو قطعاً حرام کیا گیا اور بدترین عمل قرار دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں معاہدہ پر سختی سے عملدرآمد کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ ﴾(۱)

ترجمہ: اے اہل ایمان! اپنے عہد وپیمان (قول و قرار) کو پورا کیا کرو۔

اس آیت قرآنی میں مسلمانوں کو آپس کے عہد وپیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مسلمان جو بھی وعدہ کریں اس کو ضرور پورا کریں، وعدہ کو پورا نہ کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ تفسیر المظہری میں عہد سے یہ مراد لی گئی ہے:

"العقود التي عقدها الله تعالى على عباده عامة من يوم الميثاق إلى يومنا هذا من التكاليف وتحليل حلاله وتحريم حرامه وما أخذ الله ميثاق الذين أوتوا الكتب فى الايمان بمحمد صلى الله عليه وسلم وبيان نعته وما يعقد الناس بينهم من عقود الأمانات والمعاملات ونحوها مما يجب الوفاء به"(۲)

---

(۱) سورۃ المائدہ: ۵/۱

(۲) تفسیر المظہری، ۱/۹۸۱

ترجمہ: اللہ نے روز میثاق سے اب تک جن عہود کا پابند بندوں کو بنایا ہے وہ سب العقود میں داخل ہیں خواہ اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام اور حلال کی ہوئی چیزوں کو حلال قرار دینے کی صورت میں ہوں یا وہ وعدے ہوں جو محمد ﷺ پر ایمان لانے اور اوصاف محمدی کو ظاہر کرنے سے متعلق اہل کتاب سے لئے گئے ہیں یا انسانوں کے باہم وہ معاہدات ہوں جن کا تعلق آپس کے معاملات اور امانتوں وغیرہ سے ہو جس کو پورا کرنا شرعاً واجب ہو۔

آپ ﷺ نے ایک عظیم قائد اور مدبر کی حیثیت سے قریش مکہ کے ساتھ کئے ہوئے حدیبیہ کے معاہدے کو پوری طرح نبھایا اور نازک حالات میں بھی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ابو جندل ؓ (۱) اور ابو بصیر ؓ (۲) کے واقعات اس چیز کے ثبوت ہیں۔ قریش نے وعدہ خلافی کی اور معاہدے کی خلاف ورزی کی۔ آپ ﷺ نے اس کے باوجود اپنے حلیفوں پر ظلم کرنے والوں سے بدلہ لینے کے لئے جلدی نہیں کی۔ کیونکہ آپ ﷺ خون ریزی کو ناپسند کرتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت اور تدبر سے کام لیتے ہوئے اپنے نمائندے کو یہ تجاویز دے کر قریش مکہ کی طرف روانہ کیا:

۱. بنی خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔
۲. قریش قبیلہ بنی بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
۳. اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔(۳)

آپ ﷺ کی یہ تجاویز انتہائی درگزر کرنے والی اور خونریزی سے دور رہنے والی تھی لیکن قریش مکہ نے پہلی دو مثبت پیشکشوں کو رد کر کے تیسری پیشکش کو تکبر اور غرور سے کام لیتے ہوئے قبول کر لیا۔ اب آپ ﷺ پر لازم تھا کہ آپ ﷺ اپنے حلیف بنو خزاعہ کا مکمل طور پر ساتھ دیں اور قریش کو ان کی وعدہ خلافی کا سبق سکھائیں اور اپنے حلیف بنو خزاعہ کے ساتھ کیے گئے عہد کی پاسداری کریں۔ آپ ﷺ نے بہترین حربی سیاست سے کام لیتے ہوئے اپنی فوج کو مکہ تک پہنچا دیا اور ان کو کانوں کان خبر نہیں ہوئی اور مکہ پر بغیر کسی بڑے نقصان کے قابض ہو گئے۔

---

(۱) ابو جندل ؓ: آپ کا نام عبد اللہ تھا۔ آپ اسلام میں پہل کرنے والے خوش نصیبوں میں سے تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہیں اسلام قبول کرنے کی وجہ سے سخت اذیتیں برداشت کرنا پڑیں۔ صلح حدیبیہ کی شرائط جب لکھی جارہی تھیں تو وہ بیڑیوں میں جکڑے ہوئے آکر اسلام قبول کرنے کا اعتراف کیا۔ پھر انہیں ان کے والد واپس لے گئے۔ یہ یمامہ میں شہید ہوئے اس وقت ان کی عمر اڑتیس سال تھی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۶۹)

(۲) ابو بصیر ؓ: آپ کا نام عتبہ بن اسید تھا۔ آپ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ آپ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر ہوئے تھے۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کی وجہ سے آپ ﷺ نے عتبہ کو اس کی قوم کے حوالے کیا تو وہ ان سے بھاگ کر عیص کے مقام پر رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے بعد میں انہیں مدینہ بلا لیا لیکن مدینہ جانے سے پہلے یہ بیمار ہو گئے اور وہی فوت ہو گئے (اسد الغابۃ، ۳/۱۴۵)

(۳) فتح الباری، ۸/۶

• فتح مکہ کے واقع میں آپ ﷺ کے عمل سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی قوم کے لیڈر اور نمائندوں کی بد عہدی پوری قوم کی بد عہدی ہے۔ کیونکہ اگر کچھ لوگ بد عہدی کریں اور باقی لوگ اس کی مذمت نہ کریں اور ناپسندیدگی ظاہر نہ کریں تو پوری قوم کی بدعہدی ہوگی۔ فتح مکہ کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے صلح کے معاہدہ کے باوجود بنو بکر نے بنو خزاعہ سے اپنے آدمیوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے قریش سے مل کر ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے کئی افراد قتل کر دیئے۔[1] اس حملہ میں قریش کے کچھ لوگ شامل ہوئے اور ان کی قوم کے دوسرے لوگوں نے مذمت نہیں کی۔ تو یہ پوری قوم کی بدعہدی ہے۔ اس کے بارے میں محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

" فالنبي صلّى الله عليه وسلم اكتفى بسكوت عامة قريش وإقرارهم لما بدر من بعضهم من الإغارة على حلفاء المسلمين، دليلا على أنهم قد دخلوا بذلك معهم في خيانة العهد. وهذا لأنه لما دخلت عامة قريش في أمر الهدنة تبعا لكبارهم وممثليهم، اقتضى الأمر أن يخرج أيضا هؤلاء العامة عن الهدنة، تبعا لما قام به كبارهم وزعماؤهم وممثلوهم. "[2]

ترجمہ: قریش کے بعض لوگوں نے مسلمانوں کے حلیفوں پر شب خون مارا۔ اس حرکت پر قریش کے عام لوگ خاموش رہے اور انہوں نے اس کی مذمت نہیں کی۔ اسے نبی اکرم ﷺ نے اس بات کی دلیل قرار دیا کہ سب لوگ بدعہدی میں شریک ہو گئے ہیں۔ اس لئے جب سربر آوردہ لوگوں اور نمائندوں کے صلح کر لینے سے قریش کے تمام لوگ اس میں شریک ہو گئے تھے تو جب انکے سرداروں، لیڈروں اور نمائندوں نے اس معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کی تو عوام بھی اس خلاف ورزی کے مرتکب قرار پائے۔

• فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ کی سیاست کا ایک اہم اصول یہ تھا کہ ہمیشہ حق کی حمایت کی جائے اور ظلم کی مخالفت کی جائے۔ آپ ﷺ نے مکہ کی طرف جانے کا ارادہ اس لئے کیا کہ حق کا ساتھ دیا جائے اور ظلم وعدوان کو روکا جائے۔ فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ کا مقصد امن وسلامتی برقرار رہے، ظلم کو ختم کیا جائے اور عدل وانصاف کے زیر سایہ انسان زندگی گزاریں۔ مظلوم بھائیوں کو کفار کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے جنگ کرنا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾[3]

(۱) شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ۵۴۴۴، ۳/۳۱۵

(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/۲۷۰

(۳) سورۃ النساء: ۴/۷۵

ترجمہ: اور بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان کمزور مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کو کفار سے نجات دلانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے۔ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور کفار کے نرغے میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو کافروں کے ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جہاد کریں۔ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ مظلوم کی مدد کرنی چاہیے۔ مسلمان اور قریش کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہونے کے باوجود بنو بکر قریش کے ساتھ مل کر بنو خزاعہ پر حملہ آور ہوئے اور ان کے کئی افراد قتل کر دیئے۔ بنو خزاعہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی اور آپ ﷺ سے مدد طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان سے مدد کا وعدہ کیا۔ (۱)

- آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے ابو سفیانؓ کے گھر کو دار الامان قرار دیا۔ اس سے بھی بڑی چھوٹ انہیں یہ دی کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے گا اسے بھی امان دی جائے گی اور حرم کعبہ کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص حرم میں داخل ہو گا اسے بھی امان دی جائے گی۔ (۲) یہ اعلانات کر کے آپ ﷺ نے ایک طرف ان کو بچانے کا انتظام کر دیا اور دوسری طرف اعلیٰ انسانی ہمدردی اور امن پسندی کا ہی ثبوت ہی نہیں دیا بلکہ اپنے بلند کردار سے انہیں اسلام کی طرف راغب کر دیا۔ اس کے علاوہ ان اعلانات سے آپ ﷺ کی سیاسی حکمت عملی یہ تھی کہ مکہ والے مکمل طور پر ہتھیار ڈال دیں اور وہ ان امان کے طریقوں کو اختیار کر کے یہ ظاہر کر دیں کہ وہ امان کے طلب گار ہیں۔ آپ ﷺ کی اس بہترین سیاسی حکمت عملی سے مکہ فتح ہو گیا اور امن و امان قائم ہو گیا۔
- فتح مکہ کی مہم کے دوران ایک اہم اسلامی سیاسی اصول سامنے آتا ہے کہ معزز دشمن اسلام لانے کے بعد بھی معزز رہیں گے۔ ابو سفیانؓ نے جب اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے انہیں اعزاز عطا فرمایا اور ان کے گھر کو دار الامان قرار دیا۔ (۳)
- نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے دن آپ ﷺ اللہ کی مکمل بندگی کی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ کسی بھی دنیوی سیاست کے لیڈر سے اس چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی ہے۔ آپ ﷺ کا مکہ میں فاتحانہ

---

(۱) مسند ابی یعلی، ۷/ ۳۴۳

(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/ ۱۴۰۷

داخلہ ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ کے دل میں نہ تو فتح اور کامیابی کا نشہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے احساسات پر تکبر اور غرور طاری ہے۔ بلکہ آپ ﷺ کا سر عجز و انکساری اور اللہ کے شکر کے ساتھ جھکا ہوا ہے اور اونٹنی کے پالان کو چھو رہا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالی کی حمد اور بڑائی کے الفاظ جاری ہو رہے تھے۔ اس منظر کو ابن ہشام اپنی کتاب سیرۃ ابن ہشام میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"أَنّ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ لَمّا انْتَهَى إلَى ذِي طُوًى وَقَفَ عَلَى رَاحِلَتِهِ مُعْتَجِرًا بِشُقّةِ بُرْدٍ حِبَرَةٍ حَمْرَاءَ ، وَإِنّ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ لِيَضَعَ رَأْسَهُ تَوَاضُعًا لِلّهِ حِينَ رَأَى مَا أَكْرَمَهُ اللهُ بِهِ مِنْ الْفَتْحِ حَتّى إنّ عُثْنُونَهُ لَيَكَادُ يَمَسّ وَاسِطَةَ الرّحْلِ "(۱)

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ ذی طوی میں پہنچے تو آپ ﷺ سواری پر ٹھہرے رہے آپ ﷺ کا عمامہ بغیر شملے کا تھا اور وہ نصف سرخ یمنی چادر کا تھا، اور اللہ کے رسول ﷺ نے اپنا سر اللہ کے حضور میں انکسار و خضوع کے ساتھ جھکا رکھا تھا اس لئے کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو فتح مکہ سے نوازا تھا۔ سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ ریش مبارک کجاوے کے پچھلے سے لگ رہی تھی۔

گویا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ ایک فاتح تھے اور آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ انتہائی عاجزی و انکساری کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے۔

- نبی اکرم ﷺ نے بہترین سیاسی حکمت عملی سے آہستہ آہستہ قریش کے تمام سیاسی حلیفوں کا خاتمہ کیا۔ اب صرف قریش رہے گئے تو آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت سے فیصلہ کیا کہ ان پر بغیر کسی نقصان اور انتقام کے فتح حاصل کی جائے اور قریش کی افرادی قوت کو بچایا جائے اور اس قوت کو مستقبل میں اسلام کے لئے استعمال کیا جائے۔ اس دن آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے بڑے بڑے دشمن کھڑے تھے جنہوں نے:

۱. بہت سے مسلمانوں کو قتل کیا یا کرایا تھا۔
۲. انہوں نے آپ ﷺ اور مسلمانوں کو بہت دکھ، تکالیف اور اذیتیں پہنچائی تھیں۔
۳. مسلمانوں کو تکلیفیں دے کر ان کے وطن سے نکالا تھا۔
۴. دین اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے حبش، شام، نجد اور یمن تک کے سفر کیے تھے۔
۵. جنہوں نے مسلمانوں کو مدینے میں سکون سے رہنے نہیں دیا تھا اور کئی دفعہ مسلمانوں پر حملے کیے تھے۔(۲)

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۵

(۲) رحمۃ للعالمین ﷺ، ۱/ ۱۳۶

لیکن آپ ﷺ نے ان سے مظالم کا بدلہ لینے کے بجائے عفوودرگذر سے کام لیا۔ آپ ﷺ نے ان کے لئے عام معافی کا اعلان ان الفاظ میں فرمایا:

((لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۱)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ۔

آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں پر رحم وکرم کیا اور انہیں تباہ کرنے اور ان سے انتقام لینے کے بجائے انہیں ان الفاظ میں معاف کر دیا۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے کیونکہ وہ مغلوب تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے ان کے تمام قصور معاف فرما دیے اور انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ آپ ﷺ کی اس شان کریمی، رواداری اور عفوودرگذر کو عرب کا نامور مصنف شوقی خلیل (۲) ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

> "عفوودرگذر، جودوکرم کا جو بے مثال مظاہرہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، انسانی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، اس کی بلندی، اس کی پاکیزگی اور اس کی عظمت عدیم المثال ہے۔ کسی بادشاہ، کسی سیاسی رہنما، کسی فوجی جرنیل نے اس قسم کے کریمانہ اخلاق کا کبھی بھی مظاہرہ نہیں کیا۔ حقیقت تو یہ ہے اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ﷺ کے سوا کسی کے بس کا روگ نہیں کہ ان حالات میں ایسی عالی ظرفی کا مظاہرہ کرسکے۔ وہ نبی مرسل ﷺ جس کی رحمت اللہ کی رحمت، جس کی حکمت اللہ کی حکمت اور جس کا عفوودرگذر اللہ کی شان عفوودرگذر کا آئینہ دار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے رحمت و حکمت سے لبریز حسن کلمات سے اپنے دشمن کو عفوودرگذر کا مژدہ سنایا۔ یہ مژدہ جاں فزا سن کر ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہوگئی۔ گویا انہیں قبروں سے زندہ کر کے دوبارہ اٹھایا گیا ہے۔ وہ اس شان رحمۃ للعالمین کو دیکھ کر جوق در جوق آگے بڑھ کے حضور اکرم ﷺ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کرنے لگے۔"(۳)

آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں سے عفوودرگزر کر کے ان پر احسان فرمایا اور آپ ﷺ کے اس رویہ سے متاثر ہو کر خوشی خوشی اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوگئے اور انہوں نے اسلام کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ ان

---

(۱) السنن الکبری، ۶/ ۳۸۳

(۲) شوقی ابو خلیل: آپ ۱۹۴۱ء کو بیسان میں پیدا ہوئے۔ آپ عراق کے مصنف تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں مشہور الاسلام فی قفص الاتہام ہے۔ آپ نے ۲۴ اگست ۲۰۱۰ء میں وفات پائی (شوقی ابو خلیل - بحوث ومقالات مہداۃ الیہ، علماء مکرمون، دار الفکر، دمشق، ۲۰۰۴ء)

(۳) فتح مکہ، شوقی ابو خلیل، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۳ء، ص: ۷۵

سے اسلام کی قوت میں اضافہ ہوا اوران کی وجہ سے اسلام کو شام، عراق، فارس، مصر اور افریقہ میں بڑی کامیابیاں حاصل ہوئیں جیسے صفوان بن امیہ ؓ، عکرمہ بن ابو جہل ؓ اور عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح ؓ وغیرہ۔

- فتح مکہ کے واقع میں آپ ﷺ کی سیاست کا یہ پہلو نمایاں نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ نے ذاتی دشمنی کو کبھی بھی نظام کی بہتری میں رکاوٹ نہیں بننے دیا۔ آپ ﷺ نے ہر باصلاحیت انسان کی قدر کی اور آپ ﷺ نے ان کی صلاحیتوں کو اسلام کی خاطر وقف کرنے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔ آپ ﷺ کی اس اعلی سیاسی بصیرت کی وجہ سے آپ ﷺ کے گرد ایسے لوگ جمع ہو گئے جو میدانوں کے فاتح، بہترین مشیر اور بہترین سفیر ثابت ہوئے۔ مثلا آپ ﷺ جانتے تھے کہ ابو سفیان کے خاندان میں جنگی اور انتظامی صلاحتیں موجود ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے مزاحمت کے گڑھ کو امن کا گھر قرار دیا اور عکرمہ بن ابو جہل کو معاف فرما کر اعلی منصب پر فائز کیا۔ (۱)

- فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ کا خطبہ آپ ﷺ کی سیاسی حکمت و بصیرت پر مبنی سیاسی زندگی کا بے مثال شاہکار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا إِلَهَ إِلّا اللّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ أَلَا كُلّ مَأْثُرَةٍ أَوْ دَمٍ أَوْ مَالٍ يُدّعَى فَهُوَ تَحْتَ قَدَمَيّ هَاتَيْنِ إلّا سَدَانَةَ الْبَيْتِ وَسِقَايَةَ الْحَاجّ أَلَا وَقَتِيلُ الْخَطَأِ شِبْهِ الْعَمْدِ بِالسّوْطِ وَالْعَصَا ، فَفِيهِ الدّيَةُ مُغَلّظَةً مِئَةٌ مِنْ الْإِبِلِ أَرْبَعُونَ مِنْهَا فِي بُطُونِهَا أَوْلَادُهَا. يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ، إنّ اللّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيّةِ وَتَعَظّمَهَا بِالْآبَاءِ النّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ" (۲)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ یکتا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور اکیلے نے سب لشکروں کو شکست دی۔ خبر دار! ہر قسم کا فخر، مالی اور نسبی امتیاز جن کے دعوے کیے جاتے ہیں، آج میرے پاؤں تلے ہیں سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت کے۔ خبر دار! اگر کسی کو کوڑے یا لاٹھی کے ساتھ غلطی سے مار دیا جائے تو قاتل پر سخت دیت لاگو ہو گی یعنی سو اونٹ جن میں چالیس اونٹنیاں حاملہ بھی ہوں گی۔ "اے قریش! اللہ تعالی نے تمھارا جاہلی تکبر اور آبائی فخر ختم کر دیا۔ سب لوگ آدم ؑ کی اولاد ہیں اور سیدنا آدم ؑ مٹی سے بنے تھے۔

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

---

(۱) رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب، سید اسعد گیلانی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۱ء، ص: ۶۱۰

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۴

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔

آپ ﷺ کا یہ خطبہ کسی شہنشاہ، فاتح یا حکمران کا نہیں تھا بلکہ اللہ کے رسول ﷺ برحق کا تھا۔ اس میں آپ ﷺ نے تمام انسانی برادری کو خطاب فرمایا۔ اس کے پہلے ہی جملے میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکا گیا ہے۔ اس خطبہ میں عالمگیر دینی اقدار کا درس دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے سود اور خون کا انتقام لینا حرام قرار دیا اور تمام جاہلی اعزازات کو ختم کر دیا سوائے خانہ کعبہ کی خدمت اور حاجیوں کو پانی پلانے کے۔ آپ ﷺ نے غلطی سے قتل ہونے والے شخص (قتل خطا) کی دیت مقرر کی جو سو اونٹنیوں پر مشتمل ہوگی جن میں سے چالیس اونٹنیاں حاملہ ہوں۔ مکہ کی حرمت اور تمام انسانوں کی برابری اور حقوق میں مساوات کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے انسان کے لئے عزت کا معیار تقوی قرار دے کر اس چیز کو ثابت کر دیا کہ دین اسلام سچا، فطری اور الہامی ہے۔ اس خطبے سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بہت ہی کم مدت میں نصرت الہی کی بدولت اسلام کے دشمنوں کو شکست دے کر توڑ کر رکھ دیا اور عرب کے لوگوں کے دلوں کو مسخر کر دیا۔ اس خطبے کے جو سیاسی پہلو نکلتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اعلان امن

نبی اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں قیامت تک مکہ کی حرمت کا اعلان کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ میں خون بہانے اور درخت کے کاٹنے سے منع کیا۔ مکہ کی حرمت میں کسی صحابی نے بھی شک نہیں کیا۔ ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

"اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جانے تک اسے کچھ نہ کہوں۔"(۲)

مکہ مسلمانوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾(۳)

ترجمہ: اور جب ہم نے کعبہ کو لوگوں کے لیے عبادت گاہ اور امن کی جگہ بنایا۔

(۱) سورہ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۲) رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، محمد صدیق قریشی، قنطارا پبلی کیشنز، جہلم، ۱۹۷۸ء، ص: ۳۰۲

(۳) سورۃ البقرۃ: ۲/ ۱۲۵

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کی دو خصوصیتیں بیان فرمائی ہے۔ ایک یہ کہ لوٹ لوٹ کر آنے کی جگہ جو ایک مرتبہ بیت اللہ کی زیارت کے لئے آتا ہے۔ وہ دوبارہ آنے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت امن کی جگہ یعنی یہاں کسی دشمن کا خوف بھی نہیں رہتا۔ جاہلیت کے دور میں لوگ حدود حرم میں اپنے دشمن سے بدلہ نہیں لیتے تھے۔ اسلام نے اس کے احترام کو باقی رکھا۔ مَثَابَةً کی وضاحت ابن کثیر، ابوبرکات النسفی اور ثنا اللہ المظہری بیان کرتے ہیں کہ کعبہ حجاج اور عمار کے لئے مرجع ہے کہ وہ وہاں سے واپس آکر پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔[1] ثنا اللہ المظہری خانہ کعبہ امن کا مقام کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں:

"أی مأمنا یأمنون فیه من إیذاء المشرکین فانهم کانوا لا یتعرضون لاهل مکة ویقولون هم أهل الله ویتعرضون لمن حوله"[2]

ترجمہ: یعنی خانہ کعبہ کو ہم نے امن کی جگہ بنایا کہ وہاں مشرکین کی ایذارسانی سے امن ہوتا ہے کیونکہ مشرکین اہل مکہ سے کوئی تعرض نہ کرتے اور کہتے یہ لوگ اہل اللہ ہیں اور آس پاس رہنے والوں کو ایذائیں پہنچاتے تھے۔

چنانچہ اس سے واضح ہوا کہ مکہ مکرمہ لوگوں کے لئے امن اور پناہ کی جگہ ہے۔ یہاں کسی انسان کو اپنی جان کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

۲۔ اعلان آزادی

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان سب کو آزاد اور معاف کر دیا۔ اس دن آپ ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے بڑے بڑے دشمن سر جھکائے کھڑے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کاہن، ساحر، شاعر اور دیوانہ تک کہا۔ یہ کبھی آپ ﷺ کے اوپر پتھر پھینکتے تو کبھی آپ ﷺ کے راستوں میں کانٹے بچھاتے۔ یہ کبھی آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے اور کبھی آپ ﷺ کی گردن میں چادر کا پھندہ ڈال کر گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے۔ یہاں تک کہ انہوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی کوشش بھی کی۔[3] ان کی دشمنی کی وجہ سے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔ مدینہ میں بھی ان لوگوں نے مسلمانوں کو امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کرنے نہیں دی۔ فتح مکہ کے دن ان سب سے آپ ﷺ انتقام لے سکتے تھے، لیکن آپ ﷺ کو اس دن انتقام سے کوئی غرض نہیں تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے چند لوگوں کے سوا ان سب کو معاف کر دیا۔[4]

---

(۱) تفسیر القرآن العظیم ۱/۴۱۲۔ مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/۸۵۔ التفسیر المظہری، ۱/۱۲۴

(۲) التفسیر المظہری، ۱/۱۲۴

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱/۵۴۸

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۸

۳۔ حرمت جان انسانی

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ وہ خون کا انتقام لینا اپنا خاندانی فرض سمجھتے تھے اور یہ انتقام نسل در نسل چلتا رہتا تھا ۔ان کے ہاں یہ فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ فتح مکہ کے واقعہ میں آپ ﷺ نے انسانی جان کی حرمت کی مثال قائم کی۔ آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد کسی کو ذلیل نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد قتل وغارت اور خون ریزی نہیں بلکہ انسانی عظمت کا تحفظ تھا۔ آپ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ نہایت رازداری سے مکہ تک پہنچ گئے تاکہ قریش مکہ کو لڑائی کا موقع نہ ملے۔ کیونکہ اگر دونوں فوجوں کے درمیان لڑائی ہوتی تو انسانی خون بہتا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے فتح مکہ کے دن ابو سفیانؓ کو قریش کے ساتھ جنگ اور خون ریز واقعات بپا کرنے کی دھمکی دی ۔(۱) نبی اکرم ﷺ کو جب اس بات کا پتا چلا تو آپ ﷺ نے فرمایا

((هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللَّهُ فِيهِ الكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الكَعْبَةُ))(۲)

ترجمہ: آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت و بزرگی عطا فرمائے گا اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی دھمکی کی نفی فرمائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آج قتل وغارت کا دن نہیں بلکہ آج کعبہ کی عظمت و بزرگی کا دن ہے۔ کیونکہ آپ ﷺ پر امن طور پر مکہ کو فتح کرنا چاہتے تھے اور فتح مکہ کے دن کسی کی قتل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں انسانیت کے احترام کا خاص خیال رکھا اور انسان کو قتل کرنے سے منع کیا۔

۴۔ جاہلی فخر و غرور کا خاتمہ اور مساوات انسانی کا اعلان

آپ ﷺ نے مساوات عالم قائم کی۔ آپ ﷺ نے انسانی نسلوں، طبقوں اور معاشروں کی بنیاد پر فضیلت اور برتری کو ختم فرمادیا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبے میں فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللَّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللَّهِ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ))(۳)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا فخر اور اپنے آباء واجداد کی وجہ تکبر کرنا دور کر دیا ہے۔ اب لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے نزدیک متقی اور کریم ہے۔ دوسرا وہ جو اللہ کے نزدیک بدکار بدبخت اور ذلیل ہے۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔

---

(۱) المغازی، ۲/۸۲۱

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ ، حدیث نمبر :۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۳) الجامع الکبیر ، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۳۲۷۰، ۵/۲۴۲

اس خطبے میں آپ ﷺ نے جاہلی فخر وغرور، نسل اور نسب کے غرور کو مٹا کر انسانی مساوات کا درس دیا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے ناتے سے سب انسان برابر ہیں۔ عربی وعجمی، امیر وغریب اور حاکم ومحکوم میں کوئی فرق نہیں، سب انسان برابر ہیں۔ خدا کے نزدیک برتری کا معیار صرف تقوی ہے۔ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں مساوات انسانی پر زور دینے کے لئے ساتھ ہی اس آیت قرآنی کا ذکر کیا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾(۱)

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر ہم نے تمھیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالی سے زیادہ ڈرتا ہے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی تمام انسانوں سے خطاب کر کے قوموں اور قبیلوں کے تعلق سے یہ حقیقت واضح کی کہ سب آدمؑ اور حواؑ کی اولاد ہیں اور جب سب کی اصل ایک ہے۔ قبیلے اور قومیں اس لئے بنائے تھے کہ تم ایک دوسرے سے الگ الگ پہچانے جاسکو۔ انسانوں کے درمیان فضیلت کی بنیاد صرف تقویٰ ہے۔

گویا کہ اس سے واضح ہوا کہ اس خطبے میں آپ ﷺ نے جاہلی فخر وغرور، نسل اور نسب کے غرور کو مٹا کر انسانی مساوات کا درس دیا۔ سب انسان برابر ہیں، ان میں اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو وہ صرف تقوی کی صفت کی وجہ سے ہے۔

- مکہ عرب کا سیاسی اور دینی مرکز تھا اور عرب کی سیاسی اور دینی پیشوائیت قریش کے پاس تھی۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں قریش کی پیشوائیت اور سیادت کو ایسے تدبر سے خاتمہ کیا کہ وہ آپ ﷺ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئے۔ نعیم صدیقی اپنی کتاب محسن انسانیت ﷺ میں اس حقیقت کو اس طرح واضح کرتے ہیں:

> "فتح مکہ تحریک اسلامی کی تاریخ کا عظیم ترین واقعہ ہے۔ اب گویا نظام حق کے راستے میں سب سے بڑی مزاحم طاقت ہٹ گئی تھی۔ عرب کی دیرینہ جاہلی قیادت کا یہ مرکز تھا اور اس قیادت کا ہدم جب تک نہ ہو جاتا۔ اور لوگوں کی ذہنی وابستگی کا یہ قدیم محور جب تک جگہ سے ٹل نہ جاتا ممکن ہی نہ تھا کہ اسلامی انقلاب کی رو پوری رفتار سے آگے بڑھ سکتی۔ جب جاہلی قیادت کا علم سرنگوں ہو گیا تو پھر نظام جاہلی کا برقرار رہنا اور جاہلیت کے گرد عوام کا سمٹے رہنا ممکن نہ رہا"(۲)

---

(۱) سورۃ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۲) محسن انسانیت ﷺ، ص: ۴۲۲

- مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد سیاسی اعتبار سے آپ ﷺ کا جو اہم مقصد تھا وہ یہ کہ اللہ کے گھر کو بتوں سے پاک کرنا اور خانہ کعبہ پر مشرکین کے قبضے کو ختم کرنا۔ مکہ کی فتح کے دن آپ ﷺ سب سے پہلے مسجد حرام میں گئے اس وقت بیت اللہ کے ارد گرد اور چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی جس سے انہیں ٹھوکر مارتے اور ساتھ ساتھ اس آیت شریفہ کی تلاوت فرماتے رہے:

﴿جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا﴾(۱)

ترجمہ: حق آگیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل تو مٹنے والا ہی ہے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جارہا ہے اور یہ کہ باطل کو ثبات نہیں۔ ابوبرکات النسفی کے مطابق حق سے اسلام مراد ہے اور باطل سے شرک مراد ہے۔(۲) صحیح بخاری میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

((دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَحَوْلَ الْبَيْتِ سِتُّونَ وَثَلَاثُ مِائَةِ نُصُبٍ فَجَعَلَ يَطْعُنُهَا بِعُودٍ فِي يَدِهِ وَيَقُولُ{ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ }{ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ }))(۳)

ترجمہ: کہ فتح مکہ کے دن جب نبی کریم ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے۔ نبی کریم ﷺ ایک چھڑی سے جو دست مبارک میں تھی، مارتے جاتے تھے اور اس آیت کی تلاوت کرتے جاتے «جاء الحق وزھق الباطل، جاء الحق، ومایبدئ الباطل ومایعید» کہ حق قائم ہوگیا اور باطل مغلوب ہوگیا، حق قائم ہوگیا اور باطل سے نہ شروع میں کچھ ہو سکا ہے نہ آئندہ کچھ ہو سکتا ہے۔

مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مکہ کے ارد گرد جو بت پرستی کے چند مراکز تھے، ان کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ نے بت پرستی کے ان بڑے مراکز کے خاتمے کے لئے صحابہ کرام ؓ کے لشکروں کو بھیج کر ان سب بتوں کو توڑ کر بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔(۴) اس طرح نا صرف مکہ بلکہ اس کے اطراف سے بھی بت پرستی کا خاتمہ ہوگیا۔ ان بتوں کی شکست ان کے ذہنوں کی شکست تھی۔ وہی لوگ جو کل تک مشرک تھے وہ توحید کے داعی بن گئے۔ آپ ﷺ کا مکہ میں تشریف لاتے ہوئے مکہ کے ہر گھر اور ہر گوشے میں توحید کا دور دورہ ہوگیا۔

- آپ ﷺ نے بحیثیت سیاسی لیڈر مکہ میں ایک نئے معاشرے اور اس کے امتیازی وصف کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ کے تمام قدیم اور متعفن جاہلی کاموں مثلاً آباؤاجداد پر

---

(۱) سورۃ اسراء: ۱۷/ ۸۱

(۲) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۲/ ۲۶۹

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی ﷺ الرایۃ یوم الفتح، رقم الحدیث: ۴۲۸۷، ۱۰/ ۳۴۹

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۶۳

فخر، قومیت اور دیگر عصبیتوں پر مباہات اور شکل وصورت ،زبان اور حسب ونسب کے فرق کے لحاظ کا خاتمہ کر دیا۔کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم چاہتے تھے کہ قریش کے پرانی عادات واطوار اور رسوم وروایات ختم ہونے چاہیے اور قریش مکہ کو پاک وصاف ہو کر اسلام میں داخل ہونا چاہیئے۔اس کے بارے میں محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

"وهكذا دفنت فعلا في تلك الساعة بقايا المآثر الجاهلية تحت الأقدام"[1]

ترجمہ:اور اس طرح عملا اسی لمحے جاہلیت کے بقیہ مفاخر قدموں کے نیچے دفن ہو گئے۔

- آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایک بہترین سیاسی لیڈر کے لحاظ سے ایک بہترین فیصلہ کیا کہ وہ جب اسلام قبول کرنے کے لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے جب بیعت لی توان سے مندرجہ ذیل باتوں کا عہد لیا:

((أَنْ لَا نُشْرِكَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا نَسْرِقَ وَلَا نَزْنِيَ وَلَا نَقْتُلَ أَوْلَادَنَا وَلَا يَعْضَهَ بَعْضُنَا بَعْضًا فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَمَنْ أَتَى مِنْكُمْ حَدًّا فَأُقِيمَ عَلَيْهِ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ وَمَنْ سَتَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ فَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَذَّبَهُ وَإِنْ شَاءَ غَفَرَ لَهُ))[2]

ترجمہ: کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے اور نہ ہم چوری کریں گے اور نہ زنا کریں گے اور نہ ہم اپنی اولادوں کو قتل کریں گے اور نہ ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے۔پس تم میں سے جس نے وعدہ وفا کیا تو اس کا اجر اللہ پر ہے اور جو تم میں سے کسی حد تک پہنچا وہ اس پر قائم کی گئی تو وہ اس کا کفارہ ہوگی اور جس پر اللہ نے پردہ رکھا تو اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔اگر چاہے اسے عذاب دے اگر چاہے اسے معاف کردے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان سے یہ عہد لے کر ایک تو انہیں اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے احکام کی اطاعت کا پابند بنایا اور دوسرا معاشرے کی برائیوں سے انہیں روک کر معاشرے کی برائیوں کا خاتمہ کیا۔آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مردوں اور عورتوں دونوں سے بیعت لی۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں اسلامی ذمہ داریوں میں شریک ہیں۔اس کے بارے میں محمد سعید رمضان البوطی لکھتے ہیں:

"اشتراك المرأة مع الرجل– على أساس من المساواة التامة– في جميع المسؤوليات التي ينبغي أن ينهض بها المسلم. ولذلك كان على الخليفة أو الحاكم المسلم أن يأخذ عليهن العهد بالعمل على إقامة المجتمع الإسلامي بكل الوسائل المشروعة الممكنة، كما يأخذ العهد في ذلك على الرجال.

---

(۱) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۸۲

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب الحدود کفارات لاہلہا ، رقم الحدیث: ۱۷۰۹، ۳/ ۱۳۳۳

ليس بينهما فيه فرق ولا تفاوت"[1]

ترجمہ: مکمل مساوات کی بنیاد پر تمام ذمہ داریوں میں عورت اور مرد دونوں برابر کے شریک ہیں۔ اس لئے خلیفہ یا مسلمان حکمران پر لازم ہے کہ وہ ان سے تمام جائز اور ممکن وسائل کو بروئے کار لا کر اسلامی معاشرہ کے قیام کے لئے کام کرنے کا عہد لے جس طرح کہ وہ مردوں سے اس کا عہد لیتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان اس سلسلے میں کوئی فرق اور تفاوت نہیں ہے۔

- آپ ﷺ نے بہترین حاکم کی حیثیت سے مکہ میں اسلام کے قانون الٰہی کو نافذ کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ میں ظلم پر مبنی نظام کا خاتمہ کر دیا اور معاشرے میں عدل و انصاف کا بول بالا کیا۔ آپ ﷺ نے کفار کی سیاسی سازشوں کا خاتمہ کر دیا اور اہل مکہ میں سیاسی شعور بیدار کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ میں امن و عدل کی حکومت قائم کر دی۔ آپ ﷺ نے نیکی کو فروغ دیا اور برائی کو سدباب کیا تاکہ پاکیزہ معاشرہ قائم ہو سکے۔
- کلید برداری کعبہ اللہ کی خدمت کا بہت معزز منصب تھا اور یہ اعزاز عثمان بن طلحہؓ کے خاندان کے پاس تھا۔ آپ ﷺ نے کلید بردار عثمان بن طلحہؓ کو خانہ کعبہ کی چابی واپس کر دی اور فرمایا:

"يا بني أبي طلحة تالدة خالدة لا ينزعها منكم أحد إلا ظالم "[2]

ترجمہ: اے اولاد ابی طلحہ! اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے لے لو وہ تم سے سوائے ظالم کے کوئی نہیں چھینے گا۔

اس طرح آپ ﷺ نے اس دن وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے عثمان بن طلحہؓ کو خانہ کعبہ کی چابی واپس کر دی۔ علماء کی رائے ہے کہ بیت اللہ کی کلید برداری کا منصب اس خاندان سے لے کر کسی کے حوالے کرنا ناجائز ہے۔ قاضی عیاض اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

" وهي ولاية لهم عليها من رسول الله صلى الله عليه و سلم فتبقى دائمة لهم ولذرياتهم أبدا ولا ينازعون فيها ولا يشاركون ما داموا موجودين صالحين "[3]

ترجمہ: یہ منصب انہیں رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا، اس لئے یہ ہمیشہ انہیں اور ان کی نسلوں کو حاصل رہے گا۔ نہ ان سے چھین کر کسی اور کو دیا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور کو ان کے ساتھ شریک کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ اس خاندان کا وجود ہو اور اس کے افراد اس کے اہل ہوں۔

---

(۱) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/۲۸۳

(۲) الطبقات الکبریٰ، ۲/۱۳۷

(۳) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، کتاب الحج، باب استحباب دخول الکعبۃ للحجاج، ۹/۸۴

اس دن سے آج تک کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز بنو شیبہ کے خاندان کو حاصل ہے۔ موجودہ دور میں شیخ صالح الشیبی کلید بردار ہیں[1]۔

● سیاسی پناہ کا قانون انسان کے بنیادی حقوق کا ضامن ہے۔ اسلام کے قوانین میں سیاسی پناہ کے قانون کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اسلام میں یہ قانون ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی حالت میں پناہ مانگے تو اسے پناہ دی جائے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰي يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَه﴾[2]

ترجمہ: اگر مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ کلام اللہ سن لے پھر اسے اپنی جائے امن تک پہنچا دے۔

اس آیت قرآنی میں بتایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دو، یعنی اسے اپنی حفظ و امان میں رکھو تا کہ کوئی مسلمان اسے قتل نہ کر سکے اور تا کہ اسے اللہ کی باتیں سننے اور اسلام کے سمجھنے کا موقعہ ملے، ممکن ہے اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے۔ لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دو۔

فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے ام ہانیؓ کے خاوند کے دو رشتہ دار حارث بن ہشام اور زہیر بن ابی امیہ کو سیاسی پناہ دی۔ ام ہانیؓ آپ ﷺ کے پاس آئی اور آپ ﷺ کو بتایا کہ میرے خاوند کے دو رشتہ دار میرے گھر پناہ لیے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ يَا أُمَّ هَانِئٍ))[3]

ترجمہ: اے ام ہانی! جس کو تم نے پناہ دی میں بھی اس کو پناہ دیتا ہوں۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں ام ہانیؓ کے خاوند کے دو رشتہ داروں کو پناہ دی اور انہیں قتل نہیں کیا گیا۔ عورت کا کسی کو پناہ دینے کے بارے میں سہیلی لکھتے ہیں:

" هو موقوف على إجازة الإمام "[4]

ترجمہ: (عورت اگر کسی کو پناہ دے گی تو) یہ امام کی اجازت پر موقوف ہوگی۔

● آپ ﷺ نے ایک مدبر سیاست دان کی حیثیت سے مکہ کو فتح کرنے کے بعد اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کے لئے اور مفتوحہ علاقے کے نظم و ضبط کو مضبوط بنانے کے لئے خاص انتظام کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ کی نظم و نسق کی

---

(۱) کلید کعبہ کی خدمت روز قیامت تک ایک ہی خاندان کے سپرد، عکاظ اردو، جدہ، ۱۵ ستمبر ۲۰۱۷ء

(۲) سورۃ التوبہ: ۹/ ۶

(۳) صحیح مسلم، کتاب صلوۃ المسافرین، باب استحباب صلوۃ الضحی، حدیث نمبر: ۳۳۶، ۱/ ۴۹۸

(۴) الروض الانف، ۷/ ۲۰۱

ترتیب، گورنر کا تقرر اور اسلام قبول کرنے والوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ آپ ﷺ نے مکہ کا نظم و نسق اور انتظام چلانے کے لئے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو مکہ کا عامل بنایا جو لوگوں کو نماز پڑھاتا تھا اور حضرت معاذ بن جبلؓ نو مسلموں کو مسائل و احکام اسلام کی تعلیم دینے کے لئے مامور فرمایا۔(۱)

- فتح مکہ کے دن مسلمانوں کے حلیف بنو خزاعہ نے پرانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے قبیلہ بنی ہذیل کے ایک مشرک کو قتل کر دیا۔ آپ ﷺ کو اس کا بہت دکھ ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کا خون بہا ادا کیا اور آپ ﷺ نے لوگوں کو یہ خطبہ دیا:

((إِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ، لاَ يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَاليَوْمِ الآخِرِ أَنْ يَسْفِكَ بِهَا دَمًا، وَلاَ يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا، فَإِنْ أَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهَا، فَقُولُوا لَهُ: إِنَّ اللَّهَ أَذِنَ لِرَسُولِهِ، وَلَمْ يَأْذَنْ لَكُمْ وَإِنَّمَا أَذِنَ لِي فِيهَا سَاعَةً مِنْ نَهَارٍ، وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا اليَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالأَمْسِ، وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ))(۲)

ترجمہ: مکہ (میں جدال و قتال وغیرہ) کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے آدمیوں سے نہیں حرام کیا، پس جو شخص اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے جائز نہیں کہ مکہ میں خون ریزی کرے اور نہ (یہ جائز ہے کہ) وہاں کوئی درخت کاٹا جائے پھر اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے لڑنے سے (ان چیزوں کا) جواز بیان کرے تو اس سے کہہ دینا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دے دی تھی اور تمہیں اجازت نہیں دی اور مجھے بھی ایک گھڑی بھر دن کی وہاں اجازت دی تھی پھر آج اس کی حرمت ویسی ہی ہو گئی جیسی کل تھی، پھر حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب کو (یہ خبر) پہنچا دے۔

اس خطبے میں آپ ﷺ نے مکہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قیامت تک حرام قرار دیا اور مسلمانوں کو قتل و غارت اور درخت کاٹنے سے منع کیا۔

- آپ ﷺ نے ایک فتح مکہ کے موقع پر پاس وفا کا ثبوت دیا۔ انصار نے آپ ﷺ کا مکہ میں داخلہ دیکھا اور پھر آپ ﷺ کے خاندان اور قوم کے آدمی آپ ﷺ کے گرد اکٹھے ہو گئے تو انصار نے سمجھا کہ شاید آپ ﷺ یہیں اپنے شہر میں قیام فرمائیں گے۔ آپ ﷺ پر اس بارے میں وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ فَقَدْ أَخَذَتْهُ رَأْفَةٌ بِعَشِيرَتِهِ وَرَغْبَةٌ فِي قَرْيَتِهِ))(۳)

ترجمہ: تم نے کہا کہ مجھ کو کنبے والوں کی محبت آگئی اور اپنے شہر کی الفت پیدا ہوئی۔

آپ ﷺ کو جب انہوں نے اپنے دل کی بات بتائی تو آپ ﷺ نے انصار کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/۱۳۷

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب منزل النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۹۵، ۵/۱۴۹

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۴، ۳/۱۴۰۵

((وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ)) (۱)

ترجمہ: اوراب میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور موت بھی تمہارے ساتھ۔

آپ ﷺ چاہتے تو آپ ﷺ مکہ میں رہ سکتے تھے کیونکہ مکہ میں بیت اللہ اور آپ ﷺ کے رشتہ دار تھے۔ مگر آپ ﷺ کی وفاداری نے یہ برداشت نہیں کیا کہ مشکل وقت میں کام آنے والوں کو چھوڑ دیا جائے۔

- آپ ﷺ کا مکہ میں قیام کے دوران ایک عورت (۲) نے چوری کی تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے حضرت اسامہ ؓ کو سفارشی بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا تو آپ ﷺ کو یہ بات بری لگی اور فرمایا:

((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))(۳)

ترجمہ: تم سے پہلی قوموں کو صرف اس بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں سے کوئی باعزت آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دے دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

اس طرح آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ حدود شرعی میں کوئی سفارش نہیں اور اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس وقت قانون صرف غریب پر لاگو ہوتا تھا اور امیر لوگ سفارش اور رشوت کے ذریعہ بچ جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے امیر اور غریب میں فرق کو ختم کر دیا۔ امیر جرم کرے گا یا غریب دونوں کو سزا دی جائے گی۔ امام نووی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"النهي عن الشفاعة في الحدود وأن ذلك هو سبب هلاك بني إسرائيل "(٤)

ترجمہ: حدود میں سفارش سے منع کیا گیا ہے اور یہی بنی اسرائیل کی ہلاکت کی وجہ تھی۔

نبی اکرم ﷺ نے بہترین سیاسی حکمت عملیاں اختیار کر کے عرب کے قلب پہ حملہ کر کے اسے مسخر کر دیا۔ مکہ کی فتح سے دین کو فروغ حاصل ہوا اور سیاسی اعتبار سے مملکت اسلامیہ کی دھاک ہر طرف بیٹھ گئی۔ فتح مکہ آپ ﷺ کی

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۴، ۳/۱۴۰۵

(۲) فاطمہ بنت الاسود مخزومی

(۳) صحیح مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف وغیرہ، رقم الحدیث: ۱۶۸۸، ۳/۱۳۱۵

(۴) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۱۱/۱۸۶

زندگی میں وہ آخری قدم تھا جس کے بعد آپ ﷺ اپنی حکمرانی میں پورے عرب کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں ہی اسلامی ریاست کو مضبوط کیا۔

نتائج

آپ ﷺ دنیا کے عظیم ترین سیاستدان ہے۔ آپ ﷺ بطور سیاستدان و حکمران عظیم مقنن اور منتظم و مدبر تھے ۔ آپ ﷺ کی سیاست دنیا کے لیے ایک نمونہ اور مثال ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے نہایت پست حال اور غیر سیاسی قوم تھی۔ عرب کے رہنے والے اسلام سے پہلے کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے ۔سارے قبائل آپس میں معمولی معمولی باتوں پر لڑتے رہتے تھے۔ان کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہورہی تھی۔ سیاسی زندگی کی بنیادیں اتحاد، تنظیم، شعور قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ پر قائم ہوتی ہیں مگر یہ تمام چیزیں ان کے اندر مفقود تھیں ۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ایک نئی مملکت کی تشکیل دی۔ آپ ﷺ نے اللہ کی ہدایات کی روشنی میں اپنے حسن و تدبر اور حسن انتظام سے مدینہ میں مثالی سلطنت قائم فرمائی۔ آپ ﷺ نے ایسا مثالی معاشرہ تشکیل دیا جس کی سیاست میں حکمت اور دوراندیشی نمایاں تھی۔ آپ ﷺ کی حکومت کی تشکیل کا مقصد حکومت الہیہ کا قیام تھا۔ آپ ﷺ نے قرآن کی بیان کردہ سیاست کو عملی سیاست بنایا۔ آپ ﷺ نے اسلام کا سیاسی نظام تشکیل دیا، اسلامی ریاست کی بنیادوں کا تعین کیا اور ایک مسلم حکومت کے فرائض اور ذمہ داریاں بیان کیں۔ آپ ﷺ نے ایک سیاستدان اور حاکم وقت کے طور پر سینکڑوں فیصلے کیے ہیں جن میں سے ہر فیصلہ ہمارے لیے بصیرت اور راہ نمائی کا ذریعہ ہے۔

آپ ﷺ کی سیاست کا سب سے عظیم شاہکار فتح مکہ ہے جو آپ کی دس سالہ مدنی سیاست کا عظیم نتیجہ تھا۔اس میں بھی تالیف قلبی کا پہلو نمایاں تھا۔ آپ ﷺ کی سیاست اور حضور کے تدبر کا یہ بھی اعجاز ہے کہ آپ نے عرب جیسے ملک میں امن وعدل کی حکومت قائم کر دی۔ کفار و مشرکین کا زور آپ ﷺ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر انہوں نے گھٹنے ٹیک دیے۔ آپ ﷺ نے جدوجہد، سیاسی بصیرت اور تدبر سے کام لے کر مکہ کو فتح کر لیا اور آپ ﷺ مکہ کو فتح کرنے کے بعد شہر کا نظم ونسق اسلامی اصولوں کے مطابق ترتیب دیا۔

باب چہارم

آنحضرت ﷺ کی زندگی کا حربی پہلو

فصل اول: حرب کے معنیٰ و مفہوم اور اسباب حرب

فصل دوم: حرب کے اسلامی حدود

فصل سوم: آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات اور حکمت عملی

فصل چہارم: فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا حربی کردار

فصل اول: حرب کے معنی و مفہوم اور اسباب حرب

مبحث اول

حرب کے معنی و مفہوم

مبحث دوم

اسباب حرب

مبحث اول

حرب کے معنی و مفہوم

اللہ تعالی نے انسان کی طبیعت میں خیر وشر دونوں پہلو ڈالے ہیں۔ خیر کا پہلو انسان کو نیکی اور شر کا پہلو ظلم وستم پر آمادہ کرتا ہے۔ مختلف قوموں کی آپس میں لڑائی کی وجہ سے سچائی و صداقت کی حقانیت اور برائی کی قباحت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اسلام میں جنگ ایک نہایت شریف عمل ہے۔ مختلف قوموں کے درمیان لڑائی کا سبب یہی ہے کہ دنیا میں حق و صداقت کا غلبہ، برتری اور شر وفساد کا خاتمہ کیا جائے۔ اسلام ایک آفاقی اور عالمگیر مذہب ہے جس میں زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق انسانیت کی رہنمائی کے لیے اصول بتلائے گئے ہیں۔ اسلامی نظام جنگ، جہاد یا اس جیسی نقل وحرکت کا مقصد بھی یہی ہے کہ اعتدال پر مبنی اور انسان کی فطرت سے موزوں ان تعلیمات کا ہر سمت بول بالا ہو، زمین سے ناانصافی، بدامنی، ظلم وجبر اور شر وفساد کا خاتمہ ہو اور ہر شخص آزادی کے ساتھ اس خدائی نظام کے تحت امن وسکون کے ساتھ زندگی گزار سکے۔

حرب عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کی جمع حروب ہے۔ حرب کا مصدر حرب یحرب حربا ہے۔ اردو زبان میں حرب کے لئے جنگ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ لغوی اعتبار سے حرب کے معانی شدید غصے میں آنا اور تحریب کے معنی بھڑکانا، غصہ دلانا اور نیزہ تیز کرنے کے آتے ہیں۔ حرب کا اطلاق کسی کے مال کو چھین لینے پر ہوتا ہے۔ اس وجہ سے لٹے ہوئے شخص کو محروب اور حریب کہتے ہیں۔[1] جوہری[2] حریبہ کی وضاحت کرتے ہوتے لکھتے ہیں:

"حَرِيبَةُ الرجل مالَه الذي يعيش به"[3]

ترجمہ: حریبہ اسی مال کو کہتے ہیں جس پر آدمی زندگی بسر کرتا ہے۔

القاموس الجدید میں لغوی طور پر حرب کے معنی غضبناک ہونا، آگ بگولہ ہونا اور جنگ کرنا۔[4] المعجم الوسیط میں حرب سے مراد کسی کے مال کو چھین لینا، غضبناک ہونا، دو گروہوں میں لڑائی اور ہلاکت ہے۔[5]

اصطلاح میں حرب سے مراد یہ ہے:

---

(۱) سیرۃ الرسول ﷺ، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، فروری ۱۹۹۷ء، ۷/۱۵۰

(۲) جوہری: آپ کا نام اسماعیل بن حماد اور کنیت ابو نصر تھی۔ آپ لغت کے عالم تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۳۹۳ھ کو وفات پائی (الاعلام، ۱/۳۱۳)

(۳) الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، اسماعیل بن حماد الجوہری، (محقق: احمد عبد الغفور عطار)، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۹۸۷ء، ۱/۱۰۸

(۴) القاموس الجدید، ص: ۱۶۴

(۵) المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفی۔ احمد الزیات۔ حامد عبد القادر۔ محمد النجار، دار الدعوۃ، ۱/۱۶۳۔۱۶۴

"جنگ دو افراد یا فریقین کے درمیان لڑائی ہے اور جب یہ لڑائی طول پکڑ کر وسیع پیمانے پر پھیل جائے تو اسے جنگ کہتے ہیں"(۱)

محمود خطاب شیت (۲) حرب کی اصطلاحی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

"ہر وہ مقابلہ جو دو حکومتوں کی مسلح افواج کے مابین واقع ہو اور ہر دو فریقین میں سے ایک کا ارادہ یہ ہو کہ باہمی تعلقات امن و صلح کو یکسر ختم کر دیا جائے"(۳)

موسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ میں حرب کی تعریف اس طرح بیان ہوتی ہے:

"حَالَةُ عَدَاءٍ وَكِفَاحٍ مُسَلَّحٍ بَيْنَ فَرِيقَيْنِ ، تَقْتَضِي إِبَاحَةَ الدِّمَاءِ وَالأَمْوَال ، وَهَذَا يَقْتَضِي بَحْثَ حَالَةِ الْعَدُوِّ فِي غَيْرِ حَالَةِ الْعَهْدِ ، وَفِي حَالَةِ الْعَهْدِ"(٤)

ترجمہ: فریقین کے درمیان عداوت اور مسلح جدوجہد کا نام ہے، جس کی رو سے جان ومال مباح ہو جاتے ہیں، لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ معاہدہ کی حالت اور عدم معاہدہ کی حالت میں دشمن کے حالات سے بحث کی جائے۔

ان تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ حرب سے مراد دو فریقین کی آپس میں لڑائی ہے۔ عربی زبان میں لفظ حرب کے بہت سے مترادفات ہیں لیکن یہ لفظ جس چیز کو بہتر طریقے سے واضح کرتا ہے وہ مقاصد جنگ ہے۔ عربوں کی لڑائیاں عام طور پر دو مقاصد کے لئے کی جاتی تھیں:

۱. لوٹ مار کے لئے

۲. نسلی تفاخر اور خود ساختہ غیرت وحمیت کے مظاہرہ کرنے کے لئے اور انتقام لینے کے لئے (۵)

لفظ "حرب" ان دونوں مقاصد کے لئے لڑی جانے والی لڑائیوں کے محرکات کا استعارہ ہے اور اپنا مقصد پوری طرح واضح کرتا ہے۔

عربی لغت کے مطابق عرب پر ہونے والی جنگوں کے لئے جو بے شمار تراکیب، علامتیں اور استعارے استعمال ہوتے ہیں۔ ان سب میں وحشیانہ پن اور دہشت گردی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسلام نے ان تمام الفاظ کو چھوڑ کر اصلاح

---

(۱) ہمارا دفاع، میجر محمد اکبر خان رنگروٹ، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۲۷

(۲) محمود خطاب شیت: آپ موصل میں پیدا ہوئے۔ آپ مورخ، عراقی وزیر اور فوج کے سپہ سالار تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۱۹۴۸ء میں فلسطین کی جنگ میں حصہ لیا (من أعلام الدعوة والحركة الاسلامیہ، عبد الله العقيل، دار البشیر، ۲۰۰۸ء، ۲/ ۱۰۹۴)

(۳) آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، محمود خطاب شیت، (مترجم: سید رئیس احمد جعفری)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور ۱۹۶۹ء، ص: ۴۲

(۴) الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ۷/ ۱۰۸

(۵) سیرۃ الرسول ﷺ، ص: ۱۵۱

احوال کی جدوجہد کو جہاد کا نام دیا اور اس کا مقصد امن کے قیام کے لئے اور ظلم اور فتنہ وفساد کو ختم کرنے کے لئے تلوار اٹھائی جائے۔[1]

جنگ اسلامی نقطہ نظر سے اس صورت میں جائز ہے کہ دعوت اسلامی کی آزادی اور امن و امان کو برقرار رکھنے کے لئے لڑی جائے۔ جنگ کے دوران شجاعت اور شرافت[2] کے اصولوں کی مراعات کا خاص خیال رکھنا چاہیے اور جنگ میں کسی کی حق تلفی اور ظلم وستم نہ کیا جائے۔

ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی لیکن جب قریش کی دشمنی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ؓ ہجرت کرکے مدینہ چلے گئے تو اس موقع پر پہلی دفعہ آیۃ قتال نازل ہوئی:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْاوَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾[3]

ترجمہ: جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔

ان آیات قرآنی میں سب سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا جس کے دو مقصد یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ مظلومیت کا خاتمہ اور اعلائے کلمۃ اللہ۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کریں گا کیونکہ ان لوگوں کو اپنے گھروں سے ناحق اس وجہ سے نکال دیا گیا ہے کہ یہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ بغوی[4] نے پہلی آیت کے نزول کے بارے میں لکھا ہے:

"نزلت هذه الآية في قوم بأعيانهم خرجوا مهاجرين من مكة إلى المدينة فكانوا يمنعون فاذن الله لهم في قتال الكفار والذين يمنعونهم من الهجرة بِأَنَّهُمْ أي أذنوا في القتال بسبب "[5]

ترجمہ: کہ یہ آیت ان خاص لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو جانے کے خیال سے نکلے تھے اور کافر ان کے لئے سنگ راہ بن کر رکاوٹیں ڈال رہے تھے۔ اس آیت میں اللہ نے ان کو کافروں اور رکاوٹ پیدا کرنے والوں سے لڑنے کی اجازت دے دی۔

---

(۱) سیرۃ الرسول ﷺ، ص:۱۵۱

(۲) جنگ کے دوران شجاعت اور شرافت سے مراد یہ ہے کہ شرف حربی کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے یعنی معاہدوں کی پابندی کی جائے۔ بیماروں اور زخمیوں کو ستایا نہ جائے اور نہ تو ان پر حملہ کیا جائے۔ جو جنگ نہیں کر رہے ہیں ان سے جنگ نہ کی جائیں

(۳) سورۃ الحج: ۲۲/۳۹-۴۰

(۴) امام بغوی: آپ کا نام حسین بن مسعود بن محمد اور کنیت ابو محمد تھی۔ آپ فراء کے نام سے مشہور تھے۔ آپ محدث اور مفسر تھے۔ آپ نے شوال ۵۱۰ھ میں وفات پائی (وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، ۲/۱۳۶)

(۵) التفسیر المظہری، ۶/۳۲۶

گویا کہ ان آیات قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مسلمانوں سے جنگ کرے تو مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ہجرت کے تقریباً ایک سال بعد عملی طور پر جہاد کا آغاز کیا۔ اسلام میں صرف دفاع کے لئے جنگ کی اجازت دی گئی ہے اور ساتھ یہ شرط رکھ دی ہے کہ مسلمان کسی پر زیادتی نہیں کریں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾(۱)

ترجمہ: لڑو اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

اس آیت میں مسلمانوں کو ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی جو مسلمانوں سے لڑائی کرتے تھے اور مسلمانوں کو زیادتی سے منع فرمایا ہے۔ عورتیں، بچوں اور بوڑھوں جو جنگ میں حصہ نہ لیں ان کے قتل سے روکا گیا ہے اسی طرح درخت وغیرہ جلا دینا یا جانوروں کو بغیر مصلحت کے مار ڈالنا بھی زیادتی ہے جس سے بچا جائے۔ اس آیت قرآنی سے چار احکام خارج ہوتا ہے:

۱. اللہ کے راہ میں لڑائی کا مطلب اعلائے کلمۃ اللہ اور عظمت دین کے لئے جہاد کرنا ہے۔
۲. یہ آیت سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں اتری۔ پس آپ ﷺ ان سے لڑائی کرتے جو آپ ﷺ سے لڑتے اور ان سے لڑائی نہ کرتے جو لڑائی سے باز رہتے۔
۳. جو لڑائی کے قابل نہیں مثلاً بوڑھے، بچے اور رہبان عورتیں وغیرہ ان سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے۔
۴. یہاں تمام کفار مراد ہیں کیونکہ وہ تمام ہی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے والے ہیں اور قاصدین مقاتلین کے حکم میں ہیں۔(۲)

گویا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں اور ساتھ یہ شرط رکھ دی ہے کہ مسلمان کسی پر زیادتی نہیں کریں گے۔

معاشرے میں انسانی جان کا جب احترام اٹھ جائے، انسانی حقوق پامال کئے جائے، فتنہ و فساد برپا کیا جائے اور مذہبی آزادیاں مجروح کی جائیں تو ایسی صورت میں جنگ جائز ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتی ہے۔ اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہے کہ ظالموں کے شر سے مظلوم مسلمانوں کو نجات دلائی جائے۔

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۹۰

(۲) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/ ۱۰۸

مبحث دوم

اسباب حرب

قرون اولی کے مسلمانوں کی تاریخ دیکھیں تو ان کی غیروں کے ساتھ لڑائیوں کی کبھی بھی یہ وجہ نہیں رہی کہ کسی نے لڑائی کسی کے اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے ہو یا وہ کسی علاقے پر قبضہ کرنا چاہتے ہو یا اپنی قوت اور طاقت سے کسی علاقے پہ اسلام کو نافذ کرنا چاہتے ہو بلکہ ہمیشہ مسلمانوں کی جنگوں کے اہم اسباب یہ تھے کہ وہ ظلم وزیادتی کا خاتمہ چاہتے تھے یا لوگوں کو اللہ تعالی کی عبادت کے لئے تحفظ فراہم کرنا چاہتے تھے یا عدل و انصاف کو عام کرنا چاہتے تھے یا تمام انسانوں کی سلامتی کو یقینی بنانا چاہتے تھے۔ ابن خلدون جنگ کی وجوہات اور اقسام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”جنگیں اس کی مختلف اقسام کے ساتھ اقوام کے مابین ہمیشہ سے چلی آرہی ہیں۔ یہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ کوئی بھی جماعت یا قوم ایسی نہیں کہ وہ آپس میں جنگ یا لڑائی نہ کریں۔ جنگ یا لڑائی کی وجہ زیادہ تر انسانی غیرت و حمیت ہے یا ظلم وزیادتی کے خلاف یا اللہ کے دین اور اس کی حمایت پر اس کی بنیاد ہے، مزید بر آں کسی بھی ملک پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے یا اسے چھڑانے کے لئے جنگ کی جاتی ہے۔ پہلی قسم جو غیرت کے بناء پر ہوتی ہے یہ اکثر قبائل کے درمیان ہوتی ہے۔ جب کہ دوسری قسم ظلم وتعدی پر مبنی ہے جو پر تشدد اقوام جارحیت کی بناء پر لڑتی ہے۔ تیسری قسم شریعت میں جہاد کے نام سے موسوم ہے۔ جب کہ چوتھی صورت میں یہ وہ لڑائی ہے جو ملکوں کی آپس میں ہوتی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کو اپنی اطاعت میں لانے کے لئے یا اپنے اوپر حملے سے بچنے کے لئے جنگ کرتا ہے۔“(۱)

ابن خلدون اس تعریف میں حرب کی وجوہات اور اقسام بیان کرتے ہیں۔ حرب کے اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ مسلمانوں کے خلاف بیرونی جارحیت اور ظلم وتعدی کا جواب

حرب کا اہم سبب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے ملک پر کفار حملہ کریں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کریں تو مسلمانوں کے لئے اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾(۲)

---

(۱) جہاد، جنگ اور دہشت گردی، مجتبی محمد راٹھور، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۱۳۴

(۲) سورۃ البقرہ: ۲/ ۱۹۰

ترجمہ: لڑو اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

ایک اور جگہ ارشاد الٰہی ہے:

﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙالَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾(۱)

ترجمہ: جن (مسلمانوں) سے (کافر) جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں بیشک ان کی مدد پر اللہ قادر ہے۔ یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے۔

ان آیات قرآنی میں اللہ تعالی مسلمانوں کو ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دے رہے ہیں جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ ابو الاعلی مودودی ان دونوں آیات قرآنی سے مندرجہ ذیل احکام نکالتے ہیں:

ا۔ جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو مسلمانوں کے لئے اپنے دفاع کے لئے جنگ کرنا ضروری ہے۔

ب۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار اور انکی ملکیتوں پر قبضہ کریں اور ان کے حقوق سلب کریں تو ان کے ساتھ مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیے۔

ت۔ جب مسلمانوں سے ان کے مذہبی عقائد اور ان کے مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم کیا جائے تو مسلمانوں کو اپنی مذہبی آزادی کے لئے جنگ کرنا جائز ہے۔

ث۔ جب دشمن غلبہ حاصل کر کے مسلمانوں کے علاقے پر قبضہ کر کے مسلمانوں کو نکال دیں اور مسلمانوں کے اقتدار کو ختم کر دیں تو مسلمانوں کو طاقت حاصل کر کے دشمن سے اپنا علاقہ واپس لے لینا چاہیے۔(۲)

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ محمد طاہر القادری(۳) اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''جہاں ظلم کی تلوار اٹھتی ہوئی نظر آئے وہاں ظلم کے خلاف دیوانہ وار جنگ کی جائے

---

(۱) سورۃ الحج: ۲۲/۳۹۔۴۰

(۲) الجہاد فی الاسلام، ابو الاعلی مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جون ۱۹۸۸ء، ص: ۶۳

(۳) محمد طاہر القادری: آپ ۱۹ فروری ۱۹۵۱ء کو جھنگ میں پیدا ہوئے۔ آپ منہاج ویلفیئر فاؤنڈیشن، عوامی تعلیمی منصوبہ، منہاج یونیورسٹی اور پاکستان عوامی تحریک کے بانی ہیں (پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری: ایک تجزیاتی مطالعہ، ابو الحسن علوی، محدث فورم، لاہور، ۱۱ اگست ۲۰۱۱ء)

کیونکہ یہ نیکی ہے اور نیکی کے کاموں میں تعاون حکم الٰہی ہے"[1]

گویا کہ مسلمانوں کو اجازت ہے کہ وہ بیرونی جارحیت اور ظلم و تعدی کو برداشت نہ کریں بلکہ ڈٹ کر اس کا مقابلہ کریں۔ ان کو ان کی زیادتی کا منہ توڑ جواب دینا چاہیے۔

۲۔ راہ حق کی حفاظت

حرب کا اہم سبب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے سے روکا جائے اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں ان پر ظلم و ستم کیا جائے تو ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ سورۃ انفال میں جن کافروں کے خلاف جنگ کرنے اور ان کو ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا ایک قصور یہ بتایا گیا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ﴾[2]

ترجمہ: بلاشک یہ کافر لوگ اپنے مالوں کو اس لئے خرچ کر رہے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں سو یہ لوگ تو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہی رہیں گے، پھر وہ مال ان کے حق میں باعث حسرت ہو جائیں گے، پھر مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگوں کو دوزخ کی طرف جمع کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کافر اور منکر لوگوں کے بارے میں بتایا ہے جو اپنے اموال حق سے روکنے کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ بیشک یہ لوگ اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے اپنا مال خرچ کر لیں۔ لیکن ان کے حصے میں سوائے حسرت اور مغلوبیت کے کچھ نہیں آئے گا اور آخرت میں ان کا ٹھکانہ جہنم ہو گا۔ بتیان القرآن میں اس آیت قرآنی کی تشریح اس طرح کی گئی ہے:

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ کفار اپنا مال مشرکین کو دیتے ہیں تاکہ وہ اس مال کے ذریعے قوت حاصل کر کے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کا یہ مال خرچ کرنا عنقریب ان کے لیے ندامت کا سبب ہو گا۔ کیونکہ ان کے اموال خرچ ہو جائیں گے اور ان کی تمنا پوری نہیں ہو سکے گی ۔ کیونکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں اور کلمۃ الکفر کو کلمۃ اللہ پر غالب کر دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ کو بلند کرتا ہے اور کلمۃ الکفر کو پست کرتا ہے پھر مسلمانوں کو غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کرنے والوں کو قیامت کے دن جمع کرے گا اور ان کو عذاب دے گا۔ پھر ان کو اپنے ساتھ

---

(۱) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۲۸۳

(۲) سورۃ انفال: ۸/ ۳۶

زندہ رہنے والوں اور مرنے والوں کے انجام پر اور اپنے انجام پر حسرت اور ندامت ہوگی۔"[1]

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار اسلام سے اس قدر دشمنی رکھتے ہیں کہ اس سے روکنے کے لیے وہ اپنی محبوب ترین چیز مال خرچ کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ وہ اسلام کی راہ روکنے کے لئے جتنا زور لگا لیں لیکن اس کا نتیجہ ان کے حق میں سوائے پچھتاوے کے اور کچھ نہ نکلے گا۔

ایک اور جگہ پہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ﴾[2]

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔

سورۃ توبہ میں جن مشرکین سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے:

﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾[3]

ترجمہ: انہوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا اور اس کی راہ سے روکا بہت برا ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی راہ سے روکنا ایک بڑا جرم ہے جس کے خلاف جنگ کرنا اور ان کا زور توڑنا ضروری ہے کیونکہ یہ مسلمانوں کا اخلاقی حق بھی ہے اور دینی فرض بھی۔ جوہری صدوا کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"صدعنه يصد صدوداً أعرض وصده عن الأمر صداً منعه وصرفه عنه"[4]

ترجمہ: صد عنہ یصد صدوداً۔ کا معنی اعراض کرنا۔ اور صدہ عن الامر صداً کا معنی منع کرنا اور اس سے پھیر دینا آتا ہے۔

الجہاد فی الاسلام میں ان تمام آیات کے بارے میں بیان ہوتا ہے:

"ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ صد عن سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ سے روکنا بھی ایک ایسا جرم ہے جس کے خلاف جنگ ضروری ہے۔ اللہ کی راہ سے مراد وہی دین حق ہے جس کو قرآن مجید میں صراط المستقیم کہا گیا ہے۔ یہ قرآن مجید کے انداز بیان کی

---

(۱) تبیان القرآن، غلام رسول سعیدی، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، فروری ۲۰۰۰ء، ۴/۶۲۸

(۲) سورۃ محمد: ۴۷/۱

(۳) سورۃ التوبہ: ۹/۹

(۴) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۴/۱۲۰

انتہائی خوبی ہے کہ اس نے دین کو راستہ سے تعبیر کیا ہے۔ گویا وہ ایک طریق ہے جو سیدھا منزل تک لے جاتا ہے۔"(۱)

آگے بیان ہوتا ہے:

"اب غور کیجیے کہ اسلام سے روکنے کا کیا مطلب ہے؟ اسلام کو جب راستہ کہا گیا ہے تو ضرور ہے کہ اس کے روکنے کی بھی وہی صورت ہو گی جو ایک راہگذر سے روکنے کی ہوتی ہے۔ کسی راستہ کو روکنے کے لئے قدرۃ تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ جو لوگ دوسرے راستے پر چل رہے ہوں انہیں اس راستے پر نہ آنے دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو اس راستہ پر چل رہے ہیں انہیں اس سے زبردستی ہٹا دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اس پہ چلنے والوں کے راستے پہ کانٹے بچھا دیے جائیں، ان کو خوف زدہ کرنے کی کوشش کی جائے اور انہیں اس طرح دق کیا جائے کہ وہ چلنے سے عاجز آ جائیں۔ یہی تینوں مفہوم صد فی سبیل اللہ کے بھی ہیں یعنی اسلام قبول کرنے سے لوگوں کو روکنا، مسلمانوں کو زبردستی مرتد بنانے کی کوشش کرنا اور مسلمانوں کے لئے اسلام کے مطابق زندگی بسر کرنے کو مشکل بنا دینا۔" (۲)

گویا کہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اتنا سنگین جرم ہے کہ ان کے ان اعمال کو جن کو یہ لوگ نیکی اور خیر کے کام سمجھ کر کرتے تھے۔ ان میں سے کسی بھی عمل کا کوئی اجر ثواب ان کو نہیں ملے گا۔

۳۔ عہد کی خلاف ورزی

اگر مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ امن کا معاہدہ طے پایا ہوا ہو اور غیر مسلم اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں تو ایسی صورت میں ان کے خلاف جنگ کرنا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ﴾ (۳)

ترجمہ: اگر یہ لوگ عہد و پیمان کے بعد بھی اپنی قسمیں توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو تم بھی ان سرداران کفر سے بھڑ جاؤ۔ ان کی قسمیں کوئی چیز نہیں ممکن ہے کہ اس طرح وہ بھی باز آ جائیں۔

ایک اور جگہ پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

(۱) الجہاد فی الاسلام، ص:۶۶

(۲) ایضا

(۳) سورۃ التوبہ: ۹/ ۱۲

﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۝ اَلَّذِیْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِیْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا یَتَّقُوْنَ۝﴾(۱)

ترجمہ: تمام جانداروں سے بدتر، اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو کفر کریں، پھر وہ ایمان نہ لائیں۔ جن سے تم نے عہد پیمان کر لیا پھر بھی وہ اپنے عہد و پیمان کو ہر مرتبہ توڑ دیتے ہیں اور بالکل پرہیز نہیں کرتے۔

ان آیات قرآنی میں ان لوگوں کے بارے میں بتایا گیا ہے جو لوگ مسلمانوں سے عہد شکنی کریں۔ ان کے عہد کا کوئی اعتبار نہیں رہے گا۔ معاہدہ توڑنے میں ان کا مقصد اسلام کے خلاف کاروائیاں کرنا اور دین اسلام کو طعن و تضحیک کا نشانہ بنانا ہے تو اس صورت میں ان سے جنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عہد شکنی ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی اعلان جنگ کے مترادف ہے تا آنکہ تجدید عہد نہ ہو۔ اگر عہد شکنی اور معاہدوں کی خلاف ورزی پر جہادی جذبے سے کام نہ لیا جائے اور عملاً عہد شکنوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے تو معاہدوں کی حیثیت کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں رہے گی۔ اس طرح طاقتور کو اپنی من مانی کرنے کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور معاشرے کا توازن ہی نہیں بگڑتا بلکہ امن و امان کی صورت حال بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی ضروری ہو جاتی ہے۔"(۲)

گویا کہ جو عہد کی خلاف ورزی کرے تو اس صورت میں ان سے جنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

۴۔ مظلوم مسلمانوں کی حمایت

جنگ کا ایک سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسی جگہ پر ہو جہاں وہ اپنی کمزوری کی وجہ سے دشمنوں کے ظلم و ستم کا شکار ہوں اور ان میں اتنی طاقت نہ ہو تو وہ وہاں سے ہجرت کر سکیں یا دشمن سے لڑ سکیں۔ تو ایسی صورت میں دوسرے مسلمان جو آزاد ہوں اور وہ جنگ کرنے کی قوت رکھتے ہوں تو ان پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے مظلوم بھائیوں کو کفار کے ظلم سے نجات دلانے کے لئے جنگ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

(۱) سورۃ الانفال: ۸/ ۵۵۔۵۶

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۲۸۹

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا﴾(1)

ترجمہ: اور بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتواں مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کے چھٹکارے کے لئے جہاد نہ کرو؟ جو یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے حمایتی مقرر کر دے اور ہمارے لئے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو متنبہ فرمایا کہ تم ان کمزور مردوں، عورتوں اور ننھے ننھے بچوں کو کفار سے نجات دلانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے؟ اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے علماء نے کہا کہ جس علاقے میں مسلمان اس طرح ظلم و ستم کا شکار اور کفار کے نرغے میں گھرے ہوئے ہوں تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ ان کافروں سے ظلم و ستم سے بچانے کے لئے جہاد کریں، یہ جہاد دوسری قسم کا ہے یعنی دین کی نشر و اشاعت اور کلمۃ اللہ کے غلبے کے لئے لڑنا۔ جہاد، جنگ اور دہشت گردی میں اس کے بارے میں بیان ہوتا ہے:

"اگر کوئی مسلم ریاست حق دفاع میں کمزور ہو۔ تو اس کے قریب والی مسلمان ریاستوں پر اس کی مدد لازم ہوتی ہے۔ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی مسلمان ملک کے لوگ کفار کے حملے کے زد میں ہوں تو ان کے پڑوسی علاقوں پر یہ فریضہ عائد ہو گا۔ اگر وہ دفاع کی اہلیت نہ رکھتے ہوں یا اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو اس کے بعد علاقوں پر یہ فریضہ عائد ہو جائے گا۔"(2)

گویا کہ مظلوموں کی مدد کے لیے مسلمانوں کے لئے جہاد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس طرح ایک تو اللہ کی راہ میں لڑنے کی سعادت حاصل ہو جائے گی اور دوسرا مظلوموں کی مدد ہو جائے گی۔

۵۔ اندرونی دشمنوں کا استیصال

بیرونی دشمنوں کے علاوہ کچھ اندرونی دشمن ہوتے ہیں جو ظاہری طور دوست ہوتے ہیں لیکن باطن میں اسلام کے خلاف ہوتے ہیں۔ یہ لوگ منافق کی جماعت میں شامل ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

---

(۱) سورۃ النساء: ۴/۷۵

(۲) جہاد، جنگ اور دہشت گردی، ص: ۱۴۰

﴿يٰاَيُّهَاالنَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾(۱)

ترجمہ: اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھو، اور ان پر سخت ہو جاؤ ان کی اصلی جگہ دوزخ ہے جو نہایت بد ترین جگہ ہے۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ کو کفار اور منافقین سے جہاد اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ آپ ﷺ کے بعد اس کے مخاطب آپ ﷺ کی امت ہے۔ کافروں کے ساتھ منافقین سے بھی جہاد کرنے کا حکم ہے۔ اس میں جہاد اور سختی کے حکم کا تعلق دنیا سے ہے اور آخرت میں ان کے لئے جہنم ہے جو بد ترین جگہ ہے۔ منافقوں سے جہاد کے طریقوں کے بارے میں مفسرین اس طرح بیان کرتے ہیں: حضرت ابن عباسؓ اور ضحاکؒ نے فرمایا:

"باللسان وترك الرفق وتغليظ الكلام"(۲)

ترجمہ: زبان سے منافقوں سے جہاد کرو۔ ان سے کلام میں نرمی نہ کرو اور درشتی کرو۔

قتادہؓ(۳) نے کہا:

"بإقامته الحدود"(٤)

ترجمہ: ان پر شرعی حدود قائم کرو۔

حضرت ابن مسعودؓ (۵) نے فرمایا:

"يجاهدهم بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه"(٦)

ترجمہ: اگر ہاتھ سے ہو سکے تو ہاتھ سے جہاد کرے۔ ہاتھ سے ممکن نہ ہو تو زبان سے جہاد کرے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے جہاد کرے

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ منافقوں نے اسلام کو زک پہنچانے اور مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے اور ان کے اندر فتنہ برپا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس وجہ سے منافقوں کے ساتھ درگزر کا معاملہ نہ کیا جائے بلکہ سختی کا معاملہ کیا جائے۔ جس حد تک ضروری ہو ان کے خلاف طاقت بھی استعمال کی جائے۔

---

(۱) سورۃ التوبہ: ۹/۷۳

(۲) التفسیر المظہری، ۴/۲۶۶

(۳) قتادہؓ: آپ کا نام قتادہ بن نعمان اور کنیت ابو عمرو تھی۔ آپ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ ۲۳ھ میں فوت ہوئے (اسد الغابہ، ۲/۴۰۷)

(۴) التفسیر المظہری، ۴/۲۶۶

(۵) حضرت ابن مسعودؓ: آپ کا نام عبد اللہ بن مسعود اور کنیت ابو عبد الرحمن تھی۔ آپ صحابی اور پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ کا ساٹھ سال کی عمر میں انتقال ہوا (الاعلام، ۴/۱۳۷)

(۶) التفسیر المظہری، ۴/۲۶۶

ایک اور جگہ پہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِذَاجَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُه وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (۱)

ترجمہ: تیرے پاس جب منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم اس بات کے گواہ ہیں کہ بیشک آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یقیناً آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعاً جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنارکھا ہے پس اللہ کی راہ سے رک گئے۔ بیشک برا ہے وہ کام جو یہ کررہے ہیں۔

ان آیات قرآنی میں منافقوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق قطعی طور پر جھوٹے ہیں ۔کیونکہ وہ زبان سے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ لیکن دل سے گواہی نہیں دیتے صرف زبان سے دھوکا دینے کے لئے اظہار کرتے ہیں۔ انہوں نے تو اپنی قسموں کو ڈھال بنارکھا ہے پھر یہ دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ لوگ بہت ہی بری حرکتیں کررہے ہیں۔ گویا کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ اندرونی دشمنوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان سے جنگ کرنا ضروری ہے۔

٦۔ حفاظت امن

دشمن کی ایک قسم وہ ہے جو دارالسلام کے اندر رہ کر یا باہر سے آکر دارالسلام میں فساد برپا کرتی ہے، ڈاکے ڈالتی ہے، عدل و انصاف اور امن و امان کو برباد اور قتل و غارت کرتی ہے۔ حکومت اسلامی کے امن و سکون کو تباہ کرتی ہے اور تشدد کے ذریعے اسلامی حکومت کو ختم کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ تو ان سے جنگ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان کے متعلق قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے:

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَاوَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾(۲)

ترجمہ: جو اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں ان کی سزا یہی ہے کہ وہ قتل کر دیے جائیں یا سولی چڑھا دیے جائیں یا مخالف جانب سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں۔ یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے۔ یہ تو ہوئی انکی دنیاوی ذلت اور خواری، اور آخرت میں ان کے لئے بڑا بھاری عذاب ہے۔

---

(۱) سورۃ المنافقون:٦٣/ ١۔٢

(۲) سورۃ المائدہ:٥/ ٣٣

ان آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد کے لیے دوڑتے ہیں۔ ان کے لئے سزائیں مقرر کر دی گئی ہیں۔ اس آیت قرآنی کی وضاحت میں عبد الرحمن کیلانی اپنی کتاب تیسیر القرآن میں چار قسم کی سزاؤں کو جرائم کی نوعیت کے لحاظ سے اس طرح بیان کیا ہے کہ:

۱. اگر مجرم نے قتل تو کر دیا ہو مگر مال لینے کی نوبت نہ آئی ہو تو اسے قصاص میں قتل کیا جائے گا۔
۲. اگر قتل بھی کر دیا ہو اور مال بھی لوٹ لیا ہو تو اسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔
۳. اگر صرف مال ہی چھینا ہو قتل نہ کیا ہو تو اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت میں کاٹے جائیں گے۔
۴. اگر ابھی قتل بھی نہ کیا اور مال بھی چھیننے سے پہلے گرفتار ہو جائے تو اسے جلاوطن کیا جائے گا۔[۱]

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی کسی ملک کا امن و سکون فساد کے ذریعے تباہ کرنا چاہتا ہے تو ان کا استیصال کرنا ضروری ہے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”مفاد عامہ کے لئے اسلام فتنہ و فساد کا کلی طور پر استیصال چاہتا ہے کیونکہ سازشوں اور شر انگیزیوں کے اعصاب شکن ماحول میں نہ تو پر امن معاشروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ عالمی سطح پر قیام امن کی کوئی ضمانت ہی دی جاسکتی ہے۔ یہ استیصال معاشی، سیاسی اور معاشرتی استحصال کی ہر شکل کا ہونا چاہیئے۔ اس کے بغیر ہر شعبہ زندگی انقلاب آفرین تبدیلیوں سے آشنا نہیں ہو سکتا اور نہ اسلامی شعائر کا احترام ہی برقرار رہ سکتا ہے۔“[۲]

گویا کہ اگر کوئی کسی ملک کا امن و سکون فساد کے ذریعے تباہ کرنا چاہتا ہے تو اس سے جنگ کرنا اور انہیں قتل کرنا ضروری ہے۔

۷۔ قتل سفراء

بین الاقوامی تعلقات کو استوار کرنے کے لئے سفارتی آداب کو اچھے طریقے سے ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔ سفیر کو قتل کرنے سے سفارتی آداب میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور یہ جنگ کا الٹی میٹم ہوتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں سفیروں کو قتل کرنا ایک عام سی بات تھی۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) تیسیر القرآن، ۱/ ۵۳۰

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۲۸۶

"زمانہ جاہلیت میں عسکری قوت کے نشے میں بد مست بادشاہ، سردار اور حکمران غیر ملکی سفراء تک کو قتل کروادیا کرتے تھے، نہ کوئی ضابطہ اخلاق تھااور نہ کوئی بین الاقوامی قانون واضح کیا گیا تھا"[۱]

آپ ﷺ نے سفیروں کو قتل کرنے کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ ایک دفعہ مسیلمہ کذاب نے اپنے قاصد[۲] کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجاتو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا))[۳]

ترجمہ: اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہو تا تو میں تیری گردن اڑادیتا۔

صلح حدیبیہ میں جب آپ ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو قریش مکہ کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجاتو ان کے شہید ہونے کی افواہ مشہور ہوئی۔[۴] آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے خون پر بیعت لی تو اس موقع پر جنگ ضروری ہو گئی تھی۔ جنگ مؤتہ کا سبب بھی یہ تھا کہ عیسائیوں کے رئیس شرحبیل بن عمرو[۵] نے آپ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ؓ[۶] کو شہید کر دیا[۷] لہذا قصاص کے لئے آپ ﷺ نے لشکر کشی کی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی کسی سفیر کو قتل کرتا ہے تو ان سے جنگ کرنا جائز ہے۔

یہ وہ اسباب ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی سبب واقع ہو جائے تو دشمنوں سے جنگ ضروری ہو جاتی ہے۔

---

(۱) سیرۃ الرسول ﷺ، ۱۳۹/۷

(۲) عبادہ بن حارث

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر: ۲۷۶۱، ۳۸۹/۴/۷

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۱۲۱/۲

(۵) شرحبیل بن عمرو: اس کا تعلق بنو غسان سے تھا۔ یہ شام میں عمال تھا۔ اس نے آپ ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ؓ کو شہید کر دیا تھا۔ اس لئے غزوہ مؤتہ واقع ہوئی (زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳۳۶/۳)

(۶) حارث بن عمیر ؓ: آپ کا تعلق بنو لہب سے تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں خط دے کر ملک شام کی طرف بھیجا۔ راستے میں شرحبیل بن عمرو نے شہید کر دیا (اسد الغابہ، ۲۱۶/۱)

(۷) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ۳۸۱/۳

فصل دوم

حرب کے اسلامی حدود

فصل دوم

حرب کے اسلامی حدود

کہا جاتا ہے کہ جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے لیکن اسلام اس نظریہ کی نفی کرتا ہے۔ اسلام نے لڑائی میں کچھ حدود مقرر کیے ہیں جن کی پابندی کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے جنگ کے حدود وضوابط کی پابندی اپنے فوجیوں اور کمانڈروں پر لازمی قرار دی ہے۔ حرب کے اسلامی حدود مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ غفلت میں حملہ کرنے سے احتراز

اسلام نے منافقت، ریاکاری اور دھوکہ دہی کو ناپسند کیا ہے اور جنگی قوانین میں بھی منافقت، ریاکاری اور دھوکہ دہی سے منع کیا ہے۔ عرب والوں کا یہ طریقہ تھا کہ رات کے وقت جب دشمن بے خبر سو جاتا تھا تو وہ اپنے دشمن پر اچانک حملہ کر دیتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اس عادت کو ناپسند کیا اور صبح سے پہلے دشمن پر حملہ کرنے سے منع کیا۔ انس بن مالکؓ غزوہ خیبر کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ))(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب کسی دشمن قوم پر رات کے وقت پہنچتے تو جب تک صبح نہ ہو جاتی حملہ نہ کرتے تھے۔

اس حدیث کی رو سے دشمن پر رات کے وقت جب وہ غفلت کی حالت میں ہو تو ان پر حملہ کرنا ناجائز ہے۔ عبد الرحمن الرحمانی(۲) اس حدیث کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

> ”اس کا صاف معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ صبح کا انتظار اس لئے فرماتے کہ مجاہدین خوب بصیرت کے ساتھ جنگ کر سکیں۔ ان پر کسی دشمن کی کمین گاہ سے لاشعوری میں حملہ نہ ہو سکے، بے خبری کے عالم میں اور دونوں لشکروں کے غلط ملط ہونے کی بناء پر مسلمان آپس میں ہی ایک دوسرے کو نہ مار ڈالیں“(۳)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب دعا النبی ﷺ الناس الی الاسلام، حدیث نمبر: ۲۹۴۵، ۷/ ۴۵۰

(۲) عبد الرحمن الرحمانی: آپ کا تعلق ہندوستان کے ضلع جالندھر سے تھا۔ تین سال کی عمر میں آپ نے پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ آپ مقتدر عالم، باوقار مبلغ، صاحب بصیرت اور دور اندیش مفتی، علم و فن کا امام اور تقریر و تحریر کے میدان کے شہسوار تھے۔ آپ کا انتقال ۲۲ دسمبر ۲۰۰۹ء کو ہوا (مفتی عبد الرحمن الرحمانی غفرہ اللہ لہ ولوالدیہ، حافظ عبید الرحمن ثاقب، مجلس علمی و تعلیمی فورم، ۸ نومبر ۲۰۱۴ء)

(۳) الجہاد الاسلامی، عبد الرحمن الرحمانی، دار الاندلس، ص: ۶۸۱

گویا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب دشمن سویا ہوا ہو اور وہ غافل ہو تو اس کے بیدار ہونے تک اس پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ علماء نے ایک صورت میں رات کو دشمن پر حملہ کرنے کی اجازت دی ہے۔ جب دشمن کے ساتھ جنگ ہو رہی ہو اور دشمن کو اس جنگ کی اطلاع دی جا چکی ہو تو ایسی صورت میں جائز ہے۔[1] جیسا کہ حدیث شریف میں بیان ہوا ہے:

((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ وَ أَنْعَامُهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَهُمْ وَسَبَى ذَرَارِيَّهُمْ وَأَصَابَ يَوْمَئِذٍ جُوَيْرِيَةَ))[2]

ترجمہ: کہ نبی کریم ﷺ نے بنو مصطلق پر جب حملہ کیا تو وہ بالکل غافل تھے اور ان کے مویشی پانی پی رہے تھے۔ ان کے لڑنے والوں کو قتل کیا گیا، عورتوں بچوں کو قید کر لیا گیا۔ انہیں قیدیوں میں جویریہ ؓ بھی تھیں۔

گویا کہ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جب ان سے جنگ ہو رہی ہو تو غفلت کی حالت میں بھی ان پر حملہ ہو سکتا ہے۔ عبد الرحمن الرحمانی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"جب دشمن مکار اور دغاباز ہو اور اس کے ظلم وزیادتی اور مکروفریب مستقبل میں امن و سلامتی کو خطرات لاحق ہوں یا وہ اپنی دسیسہ کاریوں، فریب کاریوں اور درپردہ سازشوں سے جبر و تشدد کا بازار گرم کیے ہوئے ہو تو ان خصوصی حالات اور مصلحتوں کی بناء پر آپ ﷺ نے چھاپہ مار کاروائیاں کی ہیں اور شب خون مارے ہیں۔"[3]

ویسے عام حالات میں اسلام نے دشمن پر جنگ کا اعلان کیے بغیر غفلت کی حالت میں ان پر ٹوٹ پڑنا اور ان کے قتل وغارت سے منع کیا ہے۔

۲۔ آگ میں جلانے کی ممانعت

دور جاہلیت میں لوگ اپنے دشمن کو زندہ جلا دیتے تھے۔ عبد الرحمن الرحمانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"زندہ دشمن کی زخموں سے چور اور قریب المرگ لاشوں کو نذر آتش کر ڈالنا بھی جاہلیت کے جنگی قواعد وضوابط میں سے ایک مکروہ ترین اور قبیح ترین جنگی قاعدہ وضابطہ تھا۔"[4]

---

(۱) جہاد اسلامی قرآن وحدیث کی روشنی میں، خلیل احمد حامدی، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، اگست ۱۹۶۶ء، ص:۲۴۹

(۲) صحیح بخاری، کتاب العتق، باب من ملک من العرب رقیقا، حدیث نمبر: ۲۵۴۱، ۶/ ۳۹۷

(۳) الجہاد الاسلامی، ص:۶۸۱

(۴) ایضا، ص:۶۸۳

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے اس وحشیانہ حرکت سے منع کیا اور فرمایا:

((لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ))[۱]

ترجمہ: آگ کا عذاب دینا سوائے آگ پیدا کرنے والے کے کسی کو سزاوار نہیں۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آگ کا عذاب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا ہے۔ انعام المعبود میں اس کے بارے میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''ہماری شریعت میں کسی حیوان کو احراق بالنار درست نہیں۔ آگ کے مالک کے سوا کوئی آگ سے عذاب نہیں دے سکتا۔''[۲]

گویا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں کسی کو آگ سے جلانے سے منع کیا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے ہمیں لڑائی پر روانہ کرتے ہوئے ہدایت کی کہ اگر فلاں دو شخص تم کو ملیں تو ان کو جلا دینا مگر جب ہم رخصت ہونے لگے تو دوبارہ بلایا اور یہ فرمایا:

((إِنِّي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلَانًا وَفُلَانًا وَإِنَّ النَّارَ لَا يُعَذِّبُ بِهَا إِلَّا اللَّهُ فَإِنْ وَجَدْتُمُوهُمَا فَاقْتُلُوهُمَا))[۳]

ترجمہ: میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں شخص کو جلا دینا مگر آگ کا عذاب سوائے خدا کے کوئی نہیں دے سکتا اس لئے اگر تم انہیں پاؤ تو بس قتل کر دینا۔

اس حدیث میں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے انسانوں کو آگ میں جلانے سے منع فرمایا ہے۔ مہلب[۴] اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ليس هذا النهي على التحريم بل على سبيل التواضع، ويدل على جواز التحريق فعل الصحابة، وقد سمل النبي صلى الله عليه وسلم أعين العرنيين بالحديد المحمي، وقد حرق أبو بكر البغاة بالنار بحضرة الصحابة، وحرق خالد بن الوليد بالنار ناسا من أهل الردة، وأكثر علماء المدينة يجيزون تحريق الحصون والمراكب على أهلها قاله النووي والأوزاعي''[۵]

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار، حدیث نمبر: ۲۶۷۵، ۴/۳۰۹

(۲) انعام المعبود لطالبات سنن ابو داؤد، مولانا محبوب احمد، مکتبہ العلم، لاہور، ۲۷ ۱۴ھ، ص: ۴۰۷

(۳) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب لا یعذب بعذاب اللہ، حدیث نمبر: ۳۰۱۶، ۷/۵۶۷

(۴) مہلب: آپ کا نام مہلب بن احمد بن ابی صفراہ تھا۔ آپ کا تعلق اندلس سے تھا۔ آپ نے شرح صحیح بخاری کے مصنف تھے۔ آپ نے ۴۳۵ھ میں وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۳۴/۸۴)

(۵) فتح الباری، ۶/۱۵۰

ترجمہ: یہ نہی تحریمی نہیں بلکہ بطور تواضع کی ہے اور دلالت کرتا ہے جلانے کے جواز پر فعل اصحاب کے اور حضرت ﷺ نے عرینیوں کی آنکھوں میں لوہے کی سیخیں گرم کر کے پھیریں، اور تحقیق حضرت ابو بکرؓ نے باغیوں کو اصحاب کے سامنے آگ کے ساتھ جلایا، اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے مرتدوں کو جلایا، اور مدینہ کے اکثر علماء قلعوں کا اور سواریوں کا ان کے اہل پر جلانا جائز رکھتے ہیں یہ نووی اور اوزاعی نے کہا۔

ابن منیر[1] اس کے بارے میں کہتے ہیں

"لا حجة فيما ذكر للجواز لأن قصة العرنيين كانت قصاصا أو منسوخة "[2]

ترجمہ: اس چیز میں حجت نہیں ہے کہ جواز کے لئے ذکر کی گئی، اس لئے کہ عرینیوں کا قصہ بطور قصاص تھا یا منسوخ۔

ابن قدامہ[3] اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اس کی تحریق بالنار بالاتفاق ناجائز ہے اور قابو پانے اور اس کے قید کرنے سے پہلے، اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر بدون تحریق ان پر قابو پانا جائز ہو تو ان کی تحریق جائز نہیں، البتہ جس صورت میں بدون تحریق قابو پانا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں اکثر اہل علم کے نزدیک تحریق جائز ہے۔"[4]

اس تعریفات سے ثابت ہوا بعض صحابہ کرامؓ نے اس کو قصاص، لڑائی میں اور کفر میں جائز جانا۔ لیکن یہ مکروہ ہے اس لئے کسی انسان کو مجرم یا قیدی کو آگ سے جلانا جائز نہیں ہے۔ خالد علوی اس کا مقابلہ عصر حاضر سے کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اب اس کا مقابلہ کریں دور حاضر کے اسلحہ سے جس میں آتش و آہن کی بارش ہوتی ہے کہ ظالمانہ رویہ کس کا ہے؟ اور کس پر دہشت گردی کا عنوان درست بیٹھتا ہے؟ اجتماعی تباہی کی کاروائیاں دور حاضر کی حربی حکمت عملی ہے جس کا اخلاق، دیانت

---

(۱) ابن منیر: آپ کا نام احمد بن منیر بن احمد اور کنیت ابو الحسن اور لقب مہذب الدین تھا۔ آپ کا تعلق شام سے تھا۔ آپ کی وفات ۵۴۸ھ میں ہوئی (سیر اعلام النبلاء، ۳۹/ ۲۱۵)

(۲) فتح الباری، ۶/ ۱۵۰

(۳) ابن قدامہ: آپ کا نام عبد اللہ بن احمد ابن محمد بن قدامۃ تھا۔ آپ شعبان ۵۴۱ھ کو جماعیل کے مقام پر پیدا ہوئے۔ آپ محدث، عالم، فقیہ، قاضی اور مفکر تھے۔ آپ ۶۴۷ھ میں فوت ہوئے (البدایۃ والنہایۃ، ۱۳/ ۱۱۷)

(۴) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/ ۴۰۲

اور شرافت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک طرح کی درندگی ہے جو کمزوروں اور نہتوں کو شکار کرتی ہے۔"(۱)

اسلام نے دشمن کو جلانے سے روکا گیا ہے اور اس عمل سے سختی سے منع کیا ہے۔ اس لئے کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے انسان کو جلائے۔

۳۔ قتل صبر کی ممانعت

اسلام میں دشمن کو باندھ کر اور تکلیفیں دے کر اور ناروا طریقے سے قتل کرنے سے منع فرمایا۔ عبید بن یعلیؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم عبد الرحمن بن خالدؓ (۲) کے ساتھ جنگ پر گئے۔ وہاں ان کے سامنے دشمن کے چار آدمی پکڑے ہوئے لائے گئے انہوں نے ان آدمیوں کو باندھ کر قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس بات کی خبر جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ(۳) کو ہوئی تو انہوں نے کہا:

((سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْهَى عَنْ قَتْلِ الصَّبْرِ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ كَانَتْ دَجَاجَةٌ مَا صَبَرْتُهَا فَبَلَغَ ذَلِكَ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ فَأَعْتَقَ أَرْبَعَ رِقَابٍ))(۴)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے قتل صبر سے منع فرمایا ہے۔ خدا کی قسم اگر مرغی بھی ہوتی تو میں اس کو اس طرح باندھ کر نہ مارتا۔ اس کی خبر جب عبد الرحمن بن خالدؓ کو پہنچی تو انہوں نے چار غلام آزاد کر دیے (یعنی اپنی غلطی کا کفارہ ادا کیا)۔

اس حدیث میں کسی انسان کو باندھ کر اذیتیں دے کر قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ محمد شمس الحق العظیم آبادی(۵) قتل صبر کی تعریف بیان کرتے ہیں:

"قتل الصبر أن يمسك بحي ثم يرمى بشيء حتى يموت"(۶)

---

(۱) اسلام اور دہشت گردی، ڈاکٹر خالد علوی، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۷

(۲) عبد الرحمن بن خالدؓ: آپ کا تعلق قریش سے تھا۔ آپ کے والد بھی صحابی تھے۔ آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ کا شمار قریش کے شہسواروں اور بہادروں میں ہوتا تھا۔ آپ کا انتقال ۴۰ھ میں ہوا (اسد الغابۃ، ۲/۱۹۲)

(۳) حضرت ابو ایوب انصاریؓ: آپ کا نام خالد بن زید تھا۔ آپ بیعت عقبہ اور تمام غزوات میں شامل ہوئے۔ آپ نے قسطنطنیہ شہر کے پاس پچاس یا اکاون ہجری میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے (اسد الغابۃ، ۳/۱۴۲)

(۴) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی قتل الاسیر بالنبل، حدیث نمبر: ۲۶۸۸، ۴/۳۲۵

(۵) محمد شمس الحق العظیم آبادی: آپ ۱۲۷۳ھ کو دیانوان میں پیدا ہوئے۔ آپ ہند کے مشہور عالم، محقق اور محدث تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے ۱۳۲۹ھ کو وفات پائی (ترجمۃ الشیخ محمد شمس الحق الصدیقی العظیم آبادی، حازم زکی البکری، النسابون العرب ۱۵، اگست ۲۰۱۱ء)

(۶) عون المعبود شرح سنن ابو داؤد، محمد شمس الحق العظیم آبادی (۱۳۲۹ھ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۷/۲۵۰

ترجمہ: کسی زندہ کو پکڑنا پھر کوئی چیز اس پہ پھینکنا یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

الدر المنضود میں قتل صبر کی تعریف اس طرح بیان ہوئی ہے:

"جس شخص کو اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور پکڑ کر قتل کیا جائے یہ قتل صبر ہے۔"(۱)

ان تعریفات سے ثابت ہوا کہ کسی انسان کو پکڑ کر تیر وغیرہ سے قتل کرنا۔ عصر حاضر میں دشمنوں کو کس طرح اذیتیں دی جاتیں ہیں اس کے بارے میں طاہر القادری اس طرح بیان کرتے ہیں:

"مہذب دنیا کے انویسٹی گیشن سنٹرز پر اذیتیں دے دے کر راز اگلوائے جاتے ہیں ۔ ظلم، تشدد، بربریت اور درندگی کی انتہا کر دی جاتی ہے۔ بوسنیا سے سری لنکا تک پھیلے ہوئے ان اذیت خانوں سے اٹھنے والی دلخراش چیخیں امن عالم کے ٹھیکیداروں کی جمہوریت پسندی اور انسانی حقوق کی پاسداری کے تمام کھوکھلے دعووں کی قلعی کھول رہی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم میں جرمنی میں جنگی قیدیوں پر کیا گزری، کمیونزم کا عذاب نازل ہوا تو سائبیریا کے ویرانے بے گناہ انسانوں کے چلتے پھرتے لاشوں سے آباد ہو گئے۔"(۲)

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ دشمن کو باندھ کر اور دور سے نشانے لے کر قتل کرنا بہت ہی وحشی عمل ہے۔ اس لئے اسلام نے اس سے منع فرمایا۔

۴۔ لوٹ مار کی ممانعت

زمانہ جاہلیت میں اہل عرب مال غنیمت کے حصول کے لئے لڑائی چھیڑ دیتے تھے۔ تجارتی قافلوں کو لوٹنا ان کے لئے عام سی بات تھی۔ لیکن اسلام نے علاقہ میں لوٹ مار سے منع کیا۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو دشمن سے صلح ہونے کے بعد ان کے مال کو لوٹنے سے منع کیا۔ جنگ خیبر میں یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی صلح ہونے کے بعد اسلامی فوج کے کچھ لوگوں نے غارت گری شروع کر دی۔ تو یہودیوں کے سردار نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی آپ ﷺ سے شکایت کی اور یہ کہا:

((يَا مُحَمَّدُ أَلَكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا حُمُرَنَا وَتَأْكُلُوا ثَمَرَنَا وَتَضْرِبُوا نِسَاءَنَا))(۳)

ترجمہ: اے محمد ﷺ! کیا آپ ﷺ کے لئے زیبا ہے کہ ہمارے گدھوں کو ذبح کریں، ہمارے پھل کھائیں اور ہماری عورتوں کو ماریں۔

---

(۱) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/ ۴۱۶

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۱۳۷

(۳) سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفی، باب فی تعشیر اہل الذمہ، حدیث نمبر: ۳۰۵۰، ۴/ ۶۵۶

اس میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے جب اس قسم کی حرکات اور ان کے مالوں میں بے احتیاطی کی۔ تو وہاں کا سردار آپ ﷺ کی خدمت میں ان کی شکایت لے کر حاضر ہوا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فورا مسلمانوں کو اکٹھا کیا اور فرمایا:

((أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللَّهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ أَلَا وَإِنِّي وَاللَّهِ قَدْ وَعَظْتُ وَأَمَرْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ أَوْ أَكْثَرُ وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ وَلَا أَكْلَ ثِمَارِهِمْ إِذَا أَعْطَوْكُمْ الَّذِي عَلَيْهِمْ))[1]

ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص اپنی مسند پر تکیہ لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف انہی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے اچھی طرح سن لو میں نے تم کو نصیحت کی اور حکم کیا اور چند باتوں کی ممانعت کی اور یہ سب چیزیں اتنی ہی ہیں جتنی کہ قرآن میں ہیں یا اس سے زائد۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر حلال نہیں کیا اہل کتاب کے گھروں میں داخلہ مگر اجازت سے اور نہ ان کی عورتوں کو مارنا جائز ہے اور نہ ان کے پھل کھانا مگر جب کہ وہ پھل وغیرہ تم کو اس طرح دیئے جائیں جس طرح دینا ان پر مقرر کیا گیا ہے (یعنی بطور جزیہ)۔

آپ ﷺ نے اس سردار کے اعتراض کو برحق سمجھا اور مسلمانوں کو ان الفاظ میں لوٹ مار سے روکا۔ ایک دفعہ سفر جہاد میں لشکر کے لوگوں نے کچھ بکریاں لوٹ لیں اور ان کا گوشت پکا کر کھانا چاہا۔ آپ ﷺ کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے آکر ان کی دیگچیاں الٹ دیں اور آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:

((إِنَّ النُّهْبَةَ لَيْسَتْ بِأَحَلَّ مِنَ الْمَيْتَةِ))[2]

ترجمہ: یعنی لوٹ کھسوٹ کا مال مردار سے بہتر نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے مشکل وقت میں بھی دوسروں کا مال کھانے کی اجازت نہیں دی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح مردار کا گوشت حلال نہیں اسی طرح لوٹ کا مال حلال نہیں۔ ابو عمار عمر فاروق سعیدی اس حدیث کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"جس طرح مردار کا گوشت حلال اور جائز نہیں، یہی حال لوٹ کے اس مال کا ہے جو بلا استحقاق لیا جائے۔"[3]

---

(۱) سنن ابو داؤد، کتاب الخراج والامارۃ والفئ، باب فی تعشیر اہل الذمہ، حدیث نمبر: ۳۰۵۰، ۴/ ۶۵۶

(۲) ایضا، کتاب الجہاد، باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ فی ارض العدو، حدیث نمبر: ۲۷۰۵، ۴/ ۳۴۰

(۳) سنن ابو داؤد، (مترجم: ابو عمار عمر فاروق سعیدی)، (محقق: ابو طاہر زبیر علی زئی)، ۳ / ۱۹۰

اسلام میں دوسرے کے مالوں کو لوٹنے سے روکا گیا ہے۔ دوسروں کے مالوں کو لوٹنا معاشرتی اقدار کے خلاف ہے۔ اس لئے اس عمل سے احتراز کرنا چاہیے۔

۵۔ تباہ کاری کی ممانعت

جب کوئی فوج کسی علاقے پر چڑھائی کرتی ہے تو دشمن پر دہشت پھیلانے کے لئے پھلوں اور کھیتوں کو تباہ کیا جاتا ہے، شہری املاک کو نقصان پہنچایا جاتا ہے اور مکانات کو منہدم کر دیتے ہیں مگر اسلام نے اس چیز کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اسلام نے اس کو فساد سے تعبیر کیا ہے اور ایسے عمل سے منع کیا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ﴾[۱]

ترجمہ: جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین پر فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتا ہے۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ حرث و نسل دو ایسی بنیادی چیزیں ہیں، جن پر انسانی زندگی اور معاشرہ کا دارو مدار اور انحصار ہے۔ سو ان کی تباہی دراصل انسان اور پورے انسانی معاشرے کی خرابی اور تباہی کا سامان کرنا ہے۔ مجاہد[۲] اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"انه إذا ولى عمل بالعدوان والظلم فامسك الله المطر وأهلك الحرث والنسل"[۳]

ترجمہ: کہ جب کسی ملک کا والی اور بادشاہ ہوتا ہے تو ظلم اور زیادتی کرتا ہے پھر اس ظلم کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش روک لیتے ہیں اور کھیتی اور مویشی ہلاک کر دیتے ہیں۔

غرض کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلانے سے روکا گیا ہے۔

اسلام میں دشمن کے علاقے میں اشد ضرورت کے علاوہ درخت کاٹنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے حکم پر مسلمانوں نے غزوہ بنو نضیر میں اشد ضرورت کے تحت کھجور کے کچھ ایسے درخت جو غذائی مقاصد کے لئے استعمال نہیں ہوتے تھے وہ کاٹ لئے تھے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

﴿مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ﴾[۴]

---

(۱) سورۃ البقرہ: ۲/ ۲۰۵

(۲) مجاہد: آپ کا نام مجاہد بن جبر اور کنیت ابو الحجاج تھی۔ آپ قرات اور تفسیر کے عالم تھے۔ آپ نے ۱۰۲ھ یا ۱۰۳ھ میں وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۴/ ۴۵۴)

(۳) التفسیر المظہری، ۱/ ۲۴۵

(۴) سورۃ الحشر: ۵۹/ ۵

ترجمہ: تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا اور اس لئے بھی کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ رسوا کرے۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں نے جب بنو نضیر کی بستی کا محاصرہ کیا تو اس کے اطراف میں جو نخلستان واقع تھے ان میں بہت سے درخت فوجی کارروائی کے سلسلے میں رکاوٹ پیدا کر رہے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں نے فوجی ضرورت و مصلحت کے تحت ان درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ محاصرہ کرنے میں آسانی ہو سکے۔ اور جو درخت محاصرے میں رکاوٹ نہیں تھے انھیں کھڑا رہنے دیا۔ صحیح بخاری میں اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا جاتا ہے:

((حَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ وَهِيَ الْبُوَيْرَةُ))(۱)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجور کے بعض درخت نذر آتش کروا دیئے اور بعض کٹوا دیئے تھے جو بویرہ(۲) میں تھے۔

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے بویرہ سے کچھ درخت نذر آتش اور کچھ کٹوا دیئے تھے۔ ابن حجر اس کی وضاحت بیان کرتے ہیں کہ:

"قَالَ السُّهَيْلِيُّ فِي تَخْصِيصهَا بِالذِّكْرِ إِيمَاء إِلَى أَنَّ الَّذِي يَجُوز قَطْعه مِنْ شَجَر الْعَدُوّ مَا لَا يَكُون مُعَدًّا لِلِاقْتِيَاتِ، لِأَنَّهُمْ كَانُوا يَقْتَاتُونَ الْعَجْوَة وَالْبَرْنِيّ دُون اللِّينَة "(۳)

ترجمہ: سہیلی خاص طور پر لینہ کا ذکر کئے جانے سے یہ اشارہ نکالتے ہیں کہ دشمن کے درختوں میں سے صرف انہی کو کاٹنا جائز ہے جو غذا کے کام میں نہ آتے ہوں، کیونکہ عجوہ اور برنی کو کھایا کرتے تھے لینہ کو نہیں کھاتے تھے۔

اس سے واضح ہوا کہ بنو نضیر کے درختوں کو محض جنگی ضروریات کی وجہ سے کاٹا گیا اور اس عمل میں آپ ﷺ کا مقصد دشمن سے انتقام لینا نہیں تھا۔ کیونکہ اگر انتقام لینا ہوتا تو وہ درخت کاٹے جاتے جو وہ غذا کے طور پر استعمال کرتے تھے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بنی نضیر، حدیث نمبر: ۴۰۳۱، ۱۰/۵۹

(۲) بویرہ: وادی القری کے قریب ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں بہت سے درخت ہیں (النسبۃ الی المواضع والبلدان، جمال الدین عبد اللہ الطیب بن عبد اللہ بن احمد الحمیری، مرکز وثائق والبحوث، ابو ظہبی، ۲۰۰۴ء، ۱/۱۳۴)

(۳) فتح الباری، ۷/۳۳۳

جمہور محققین کے نزدیک خصوصی حالات میں جنگی ضروریات کے تحت درختوں کو کاٹنے اور جلا کر میدان صاف کرنے کی اجازت ہے ۔ امام احمد[1] کی اس بارے میں رائے یہ ہے:

"قَدْ تَكُونُ فِي مَوَاضِعَ لَا يَجِدُونَ مِنْهُ بُدًّا فَأَمَّا بِالْعَبَثِ فَلَا تُحَرَّقْ"[2]

ترجمہ: یہ ایسے مواقع پر ہو سکتا ہے جب کہ کاٹنا اور جلانا بالکل ناگزیر ہو ورنہ بلاضرورت نہیں جلانا چاہیے۔

گویا کہ ضرورت کے تحت درختوں کو کاٹا جا سکتا ہے۔ زمین میں تباہی مچانے کے عمل کو طاہر القادری بیان کرتے ہیں:

"تاریخ عالم گواہ ہے کہ سکندر اعظم[3] کا لشکر ہو یا نپولین بونا پاٹ[4] کی فوج، فاتحین اعظم جہاں جہاں سے گزرے آبادیوں میں ویرانیاں پھیلاتے گئے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مذہبی پیشواؤں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر آگے بڑھتے گئے۔ شاداب فصلوں کو روندتے گئے، املاک کو تباہ و برباد کرتے گئے، فریق مخالف کے خون سے درو دیوار کو رنگین بناتے رہے اور دشمن کی بیٹی کو اپنے عشرت کدوں کی زینت بناتے گئے۔ اور بچوں کے سر نیزوں پر سجا کر اپنی انا کی تسکین کا سامان کرتے رہے لیکن اسلام نے اس طرز عمل کی سختی سے ممانعت کر دی۔"[5]

اسلام سے پہلے دشمن کے علاقے میں تباہ کاری پھیلانا عام تھا۔ دشمن سے انتقام لینے کے لئے اس کے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا جاتا تھا۔ اسلام نے سختی سے اس عمل سے روکا ہے اس لئے اس سے باز رہنا چاہیے۔

---

(۱) امام احمد: آپ کا نام احمد بن محمد بن حنبل اور کنیت ابو عبداللہ تھی۔ آپ ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے۔ آپ مذہب حنبلی کے امام تھے ۔ آپ نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ نے ۲۴۱ھ میں وفات پائی (الاعلام، ۱/۲۰۳)

(۲) الجامع الکبیر، کتاب السیر عن رسول اللہ ﷺ، باب فی التحریق والتخریب، حدیث نمبر: ۱۵۵۲، ۳/۱۷۴

(۳) سکندر اعظم: سکندر اعظم انسانی تاریخ کے عظیم جرنیل، فاتح اور بادشاہ تھے اور تاریخ نے اس کے کارناموں کی وجہ سے اسے الیگزینڈر دی گریٹ کا نام دیا۔ وہ بیس سال کی عمر میں مقدونیہ کا بادشاہ بنے، وہ ۲۳ سال کی عمر میں مقدونیہ سے نکلے اور کئی سلطنتیں فتح کیں۔ ۳۲۳ قبل مسیح میں ۳۳ سال کی عمر میں بخت نصر کے محل میں انتقال کر گیا (اصل سکندر اعظم، جاوید چوہدری، ایکسپریس نیوز، ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۵ء)

(۴) نپولین بوناپارٹ: نپولین بوناپارٹ عظیم فرانسیسی سپہ سالار اور شہنشاہ تھے۔ نپولین ۱۷۶۹ء میں کورسیکا کے شہر اجاسیو میں پیدا ہوا۔ نپولین کے زیر قیادت فرانسیسی فوجوں نے بہت سارے یورپی علاقوں پر قبضہ کیا۔ نپولین کا انتقال ۱۸۲۱ء کو ہوا (نپولین بوناپارٹ، اردو پوائنٹ، لاہور)

(۵) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/۱۳۹

٦۔مثلہ کی ممانعت

عہد جاہلیت میں دشمن سے انتقام لینے کے نشے میں دشمن کی لاشوں کے اعضاء کاٹ دیتے تھے۔ دشمنوں کی لاشوں کی بے حرمتی کی جاتی تھی۔ عبدالرحمن الرحمانی عہد جاہلیت میں دشمنوں کی لاشوں کو مثلہ کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "عہد جاہلیت کی قومی اور لسانی جنگوں میں انتقام کے جوش اور غیض و غضب کی آگ ٹھنڈی کرنے کے لئے دشمن کی بے حس و حرکت لاشوں کا مثلہ کرنا، ان کے اعضاء کاٹ کر انہیں ناقابل شناخت بنا ڈالنا۔ مردہ دشمن کے کلیجے چبا ڈالنا، حتی کہ احترام انسانیت کی تمام مسلمہ اقدار کو بالائے طاق رکھ دینا، معمول کی ایک عام کاروائی تھی۔ بلکہ فخر و غرور کے اظہار کا مقبول ترین طریقہ تھا۔"(۱)

دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی اور ان کے اعضاء کی قطع وبرید سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مثلہ کرنے سے روکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ (۲) سے روایت ہے:

((نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ))(۳)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع فرمایا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے لوٹ مار اور مثلہ سے منع فرمایا ہے۔ محمد علاء الدین(۴) مثلہ کی وضاحت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"نهينا عن المثلة بعد الظفر، أما قبله فلا بأس بها "(۵)

ترجمہ: کسی (کافر) کا مثلہ اس پر قابو پانے کے بعد ناجائز ہے اور قابو پانے سے پہلے کوئی حرج نہیں (جیسے بھی ممکن ہو قتل کرسکتے ہیں)۔

آپ ﷺ جب کوئی فوج روانہ کرتے تو آپ ﷺ فوج کے امیر کو یہ تاکید فرماتے:

---

(۱) الجہاد الاسلامی، ص:۶۸۳

(۲) حضرت عبداللہ بن یزید انصاریؓ: آپ اکابر صحابہ میں سے تھے۔ آپ کی کنیت ابو موسی تھی۔ آپ بیعت رضوان اور بعد کے معرکوں میں شریک ہوئے تھے۔ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ آپ نے وہیں مکان بنایا اور عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۴/۲۶۷)

(۳) صحیح بخاری، کتاب المظالم والغضب، باب النہبی بغیر اذن، حدیث نمبر: ۲۴۷۴، ۶/۲۹۱

(۴) محمد علاء الدین: آپ کا نام محمد بن علی بن محمد تھا۔ آپ علاء الدین الحصکفی کے نام سے مشہور تھے۔ آپ دمشق کے مفتی تھے۔ آپ ۱۰۲۵ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۰۸۸ھ میں وفات پائی (الاعلام، ۶/۲۹۴)

(۵) الدر المختار، محمد علاء الدین الحصکفی ابن الشیخ علی الحنفی، دار الفکر، بیروت۔ لبنان، ۱۳۸۶ھ، ۴/۱۳۱

((وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا))(۱)

ترجمہ: بدعہدی نہ کرو، غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرو۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امیروں کو لڑائی میں بدعہدی، غنیمت میں خیانت نہ کرو اور مثلہ نہ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ سعید احمد (۲) نے اس کے بارے میں اس طرح بیان کیا ہے کہ:

"جہاد میں دشمن کو قتل کرنا تو ناگزیر ہے لیکن اس کی لاش بگاڑنے کی اجازت نہیں"(۳)

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ کسی انسان کے جسم کے اعضاء کو کاٹنا منع ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو مثلہ کیے بغیر اچھے طریقے سے قتل کرنے والے کو اہل ایمان میں سے قرار دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((أَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ))(۴)

ترجمہ: لوگوں کو اچھے طریقے سے قتل کرنے والے اہل ایمان ہیں۔

اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان لوگوں کو قتل کرنے میں بہت ہی محتاط ہوتے ہیں۔ محمد عاقل اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہیں کہ:

"اس حدیث میں گویا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اہل ایمان کسی کو قتل کرنے میں مثلہ نہیں کرتے" (۵)

اسلام میں دشمنوں کی لاشوں کی بے حرمتی سے روکا گیا ہے اور انہیں دفن کرنے کا حکم دیا ہے۔ ابو یعلی (۶) احکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں

"اسلامی لشکر کے امیر کی ذمہ داری ہے کہ وہ کفار کی لاشوں کو زمین پر پڑا رہنے کے بجائے انہیں گڑھوں میں دفن کرا دے۔" (۷)

---

(۱) الجامع الکبیر، کتاب السیر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فی وصیتہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القتال، حدیث نمبر: ۱۶۱۷، ۳/۲۱۴

(۲) سعید احمد: آپ ۱۹۴۲ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق شمالی گجرات سے ہے۔ آپ کا نام احمد ہے۔ آپ دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں۔ آپ نے درس و تدریس کے ساتھ بہت سی تصانیف لکھیں (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند۔ مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم، احمد قاسمی، الغزالی فورم، ۲۳ جنوری ۲۰۱۰ء)

(۳) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، ۴/۳۳۸

(۴) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی النہی عن المثلۃ، حدیث نمبر: ۲۶۶۶، ۴/۳۰۰

(۵) الدر المنضود علی سنن ابو داود، ۴/۳۹۹

(۶) ابو یعلی: آپ کا نام محمد بن الحسین بن محمد بن خلف اور کنیت ابو یعلی ہے۔ آپ کا تعلق بغداد سے ہے۔ آپ ۳۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ ۴۵۸ھ میں فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء، ۳۵/۷۴)

(۷) الاحکام السلطانیۃ للفراء، قاضی ابو یعلی (۴۵۸ھ)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع دوم، ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۰ء، ۱/۲۱۰

جنگ احد میں قریش کی عورتوں نے مسلمان شہیدوں کے ناک کان کاٹ کر ان کے ہار بنائے تھے۔ حضرت ابو سفیان ؓ کی بیوی ہندہ ؓ نے حضرت حمزہ ؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا۔[۱] اسلام نے جوش انتقام میں دشمن کی مردہ لاشوں کی قطع وبرید اور لاشوں کے ساتھ وحشیانہ حرکتوں سے منع کیا ہے کیونکہ وہ اس عمل سے زندوں کا بدلہ مردوں سے لیا کرتے تھے۔

۷۔ بدعہدی کی ممانعت

عہد توڑنا ایک بدترین جرم ہے اور اسلام نے اس فعل کو بدترین گناہ قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ بدعہدی کریں۔ بدعہدی اور معاہدین (ذمیوں) پر ظلم کرنے کی مذمت میں بے شمار احادیث آئی ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ))[۲]

ترجمہ: جس نے کسی عہد والے کو بغیر کسی وجہ جواز کے قتل کیا تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ کہ جو انسان کسی ذمی کو بغیر کسی وجہ کے قتل کرے گا تو اللہ تعالی نے اس پر جنت حرام کر دے گا۔ الدرالمنضود میں اس حدیث کا مفہوم بیان ہوتا ہے کہ:

"کہ دخول اولی کی نفی ہے کہ اس کے لئے ابتدا دخول جنت کو حرام کر دیا سزا بھگتنے کے بعد جائے گا"[۳]

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے منافق کی ایک خصلت بدعہدی کو قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَلَّةٌ مِنْ نِفَاقٍ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ))[۴]

ترجمہ: کہ جس شخص میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہو جائیں تو وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں منافق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی جب تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب عہد کرے تو توڑ ڈالے جب وعدہ کرے تو وعدے کی خلاف ورزی کرے اور جب جھگڑا کرے تو آپے سے باہر ہو جائے۔

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۷۰

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الوفاء للمعاہد، حدیث نمبر: ۲۷۶۰، ۴/ ۳۸۹

(۳) الدرالمنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/ ۴۷۰

(۴) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان خصال المنافق، حدیث نمبر: ۱۰۶، ۱/ ۷۸

اس حدیث میں منافق کی چار خصلتیں بیان کی گئی ہے جن میں ایک بد عہدی بھی ہے۔نووی اس حدیث کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

"أن معناه ان هذه الخصال خصال نفاق وصاحبها شبيه بالمنافقين فى هذه الخصال ومتخلق باخلاقهم فان النفاق هو اظهار ما يبطن خلافه وهذا المعنى موجود فى صاحب هذه الخصال ويكون نفاقه فى حق من حدثه ووعده وائتمنه وخاصمه وعاهده من الناس لا أنه منافق فى الاسلام فيظهره وهو يبطن الكفر ولم يرد النبى صلى الله عليه و سلم بهذا أنه منافق نفاق الكفار المخلدين فى الدرك الاسفل من النار وقوله صلى الله عليه و سلم كان منافقا خالصا معناه شديد الشبه بالمنافقين بسبب هذه الخصال قال بعض العلماء وهذا فيمن كانت هذه الخصال غالبة عليه فأما من يندر ذلك منه فليس داخلا فيه فهذا هو المختار فى معنى الحديث "[1]

ترجمہ:حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں خصلتیں ہوں وہ ان خصائل میں اور اخلاق میں منافقوں کے مشابہ ہے کیونکہ نفاق یہی ہے کہ ظاہر باطن کے خلاف ہو۔اور جس شخص میں یہ خصلتیں ہوں گی،ان کا ظاہر باطن کے خلاف ہوا اور نفاق انہی لوگوں کے حق میں اثر کرے گا،جن سے وہ وعدہ کرے گا یا گفتگو کرے گا یا جھگڑا کرے گا یا امانت لے گا۔اور اسلام کے حق میں یہ نفاق اثر نہیں کرے گا۔کیونکہ اسلام میں اس کا ظاہر باطن کے خلاف نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کا یہ مقصود نہیں ہے کہ ان خصلتوں کا رکھنے والا ایسا منافق ہے جو کافر ہوتا ہے جس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے۔اور یہ جو فرمایا کہ وہ پکا منافق ہو گا۔اس سے غرض یہ ہے کہ ان خصلتوں کے سبب منافق کے بہت مشابہہ ہو گا۔بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس شخص کے باب میں ہے جس سے ایسی خصلتیں عموماً وقوع میں آتی ہوں۔لیکن جس سے شاذونادر یہ باتیں ہو جائیں وہ اس میں داخل نہیں ہے اور حدیث کے معنی میں یہی مختار ہے۔

خطابی [2] اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

"أن معناه التحذير للمسلم أن يعتاد هذه الخصال التى يخاف عليه أن تفضى به إلى حقيقة النفاق"[3]

---

(۱)المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۲/۴۷

(۲)خطابی: آپ کا نام حمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب اور کنیت ابو سلیمان تھی۔آپ ۳۱۹ھ کو پیدا ہوئے۔آپ عالم، حافظ، محدث اور صاحب تصانیف تھے۔آپ ربیع الآخر ۳۸۸ھ کو بست میں فوت ہوئے(سیر اعلام النبلاء، ۱۴/۳۳)

(۳)المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۲/۴۷

ترجمہ: کہ مقصود اس حدیث سے ڈرانا ہے مسلمانوں کو کہ وہ ان خصلتوں کی عادت نہ ڈالیں ورنہ خوف ہے حقیقتاً منافق ہو جائیں گے۔

گویا کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ مسلمانوں کو عہد توڑنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے انہیں اپنے وعدوں کو پورا کرنا چاہیے۔ خالد علوی بد عہدی کے بارے میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

"خارجہ تعلقات میں ایفائے عہد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ غالب قومیں ہمیشہ بد عہدی کرتی ہیں اور اس کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیتی ہیں۔ لیکن مسلمانوں کو اس امر کا شدت سے پابند بنایا گیا کہ وہ بد عہدی سے پرہیز کریں۔"[۱]

غرض کہ مسلمانوں کو عہد توڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اسلام سے پہلے وفائے عہد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ جب کبھی دشمن سے انتقام لینے کا بہترین موقع مل جاتا تھا تو وہ اپنے تمام عہد و پیمان توڑ کر رکھ دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے اس فعل سے منع فرمایا ہے۔

۸۔ بد نظمی اور انتشار کی ممانعت

عرب والوں کی یہ عادت تھی کہ جب وہ جنگ کے لئے نکلتے تو راستے میں جو انہیں ملتا وہ اسے تنگ کرتے۔ جس جگہ ڈیرے ڈالے جاتے تو فوج چاروں طرف پھیل جاتی اور راستے بند ہو جاتے۔ آپ ﷺ نے اپنی فوج کو اس فعل سے منع فرمایا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ جہاد پر تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنی فوج کی بد نظمی کی شکایت ملی تو آپ ﷺ نے ان سب کو اکٹھا کیا اور ان کو یہ فرمایا:

((مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا جِهَادَ لَهُ))[۲]

ترجمہ: جو کوئی منزل کو تنگ کرے گا یا راہ گیروں کو لوٹے گا تو اس کا جہاد نہیں ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے لوگوں کے راستے کو روکنے اور راہ گیروں کو لوٹنے سے منع فرمایا ہے۔ اس طرح کے عمل کرنے سے ان کا جہاد معتبر نہیں ہو گا۔ محمد عاقل اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"معلوم ہوا کوئی عبادت چاہے وہ کتنی ہی عظیم ہو اگر اس کو بے قاعدہ اور بے اصولی کے ساتھ کیا جائے گا تو وہ اس سے کالعدم اور باطل ہو جائے گی، ہر کام کا قاعدہ ہی میں ہونا ضروری ہے، بے پرواہی کے ساتھ کام کرنے سے مقصود حاصل نہیں ہوتا، جو کام اللہ تعالی نے ڈر کر اور قاعدہ میں ہو گا وہی معتبر ہے اور عبادت کہلانے کے مستحق۔"[۳]

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) اسلام اور دہشت گردی، ص: ۵۰

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب من یومر انضمام العسکر وسعتہ، حدیث نمبر: ۲۶۲۸، ۴/ ۲۶۷

(۳) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/ ۳۷۱

((إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي الشِّعَابِ وَالْأَوْدِيَةِ ، إِنَّمَا ذَلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ))(۱)

ترجمہ: تمہارا اس طرح وادیوں اور گھاٹیوں کو منتشر ہو جانا یہی شیطانی فعل ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے مسلمان فوج کو تنبیہ کر رہے ہیں کہ ان کا ایک جگہ اکٹھا نہ ہونے اور وادیوں اور گھاٹیوں پر منتشر ہو جانے کو شیطانی فعل قرار دیا ہے۔ اس حکم کے بعد مسلمانوں کی فوج کا کسی جگہ پر پڑاؤ کی حالت کے بارے میں ابو ثعلبہ خشنیؓ (۲) بیان کرتے ہیں:

((لَوْ بَسَطْتُ عَلَيْهِمْ كِسَاءً لَعَمَّهُمْ))(۳)

ترجمہ: ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر ایک چادر تان دی جائے تو سب نیچے آجائیں۔

آپ ﷺ کے پہلے حکم کے بعد مسلمان فوجیوں کی یہ حالت ہوگئی کہ وہ مختصر ہی جگہ میں سما جاتے تھے۔ محمد عاقل اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لشکر مجاہدین کو چاہیے کہ جب وہ دوران سفر کسی منزل پر اتریں تو سب لوگ یکجا اور اکٹھے رہیں تاکہ دیکھنے والوں پر مجمع کا اثر اور اس کی ہیبت واقع ہو۔"(۴)

اسلام سے پہلے جب عرب جنگ کے لئے جاتے تھے تو وہ راستے میں بہت بدنظمی اور انتشار پھیلاتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے اپنی فوج کو بدنظمی اور انتشار پھیلانے سے منع کیا ہے۔

۹۔ قتل اسیر کی ممانعت

اسلام سے پہلے اسیران جنگ کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا تھا اور انتقام میں انہیں انتہا درجہ کی اذیتیں دے کر مار دیا جاتا تھا۔ جنگ اوارہ میں بنی شیبان کے جتنے قیدی منذر بن امرؤ القیس (۵) کے ہاتھ لگے۔ ان کو کوہ اوارہ کی چوٹی پر بیٹھا کر قتل کیا۔(۶)

---

(۱) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۷۸۸۸، ۴/۱۹۳

(۲) ابو ثعلبہ خشنیؓ: آپ مشہور صحابی تھے اور اپنی کنیت کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ آپ کے نام کے بارے میں بہت سی آراء ہیں، مثلاً جرثم، جرہوم، عمر، لاسق، ناشر، ناشب اور غرنوق وغیرہ۔ آپ شام میں رہتے تھے۔ آپ بیعت رضوان میں شامل تھے۔ آپ ۷۵ھ میں فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۵۹)

(۳) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۱۷۸۸۸، ۴/۱۹۳

(۴) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/۳۷۰

(۵) منذر بن امرؤ القیس: منذر حیرہ کا بادشاہ تھا۔ اس نے دو دفعہ حکومت کی۔ ان کی والدہ کا نام معاویہ بنت جشم تھا۔ یہ ۵۵۴ء میں معرکہ یوم حلیمہ میں فوت ہوئے (آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا)

(۶) الاموال للقاسم بن سلام، القاسم بن سلام الہروی، (محقق: خلیل محمد ہراس) دار الفکر، بیروت، ۱/۲۹۵

آپ ﷺ نے قیدیوں کے قتل سے منع فرمایا۔ جنگ بدر کے قیدیوں کو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کے حوالے کرتے ہوئے ان کے ساتھ نرمی کرنے کی تاکید فرمائی۔ اس وجہ سے صحابہ کرام ؓ خود کھجور کھا کے ان کو کھانا کھلاتے تھے ۔ ان کے اتنے اچھے برتاؤ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کو کھانا کھلانے والوں کو نیکوکار قرار دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝﴾ (۱)

ترجمہ: اور (یہ وہ لوگ ہیں جو) مسکین، یتیم اور قیدی کو اس کی (یعنی اللہ کی) محبت میں کھانا کھلاتے ہیں (ان کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ) ہم تم کو محض اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا کھلاتے ہیں نہ ہم تم سے کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔

ان آیات قرآنی میں نیک بندوں کی صفت بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی محبت کی وجہ سے مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے کھلاتے ہیں۔ وہ لوگ ان سے کوئی بدلہ اور شکریہ نہیں چاہتے۔ قیدی کو کھانا کھلانے کے بارے میں تفسیر بیان القرآن میں بیان ہوتا ہے کہ:

"قیدی اگر مظلوم ہے کہ ظلماً قید کر دیا گیا ہے تو تب تو اس کی اعانت کا مستحسن ہونا ظاہر ہے اور اگر ظالم ہے کہ جزائے ظلم میں قید ہوا ہے تو شدت حاجت کے وقت اس کا اطعام بھی مستحسن ہے۔"(۲)

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیدیوں سے اچھا سلوک کرنا چاہیے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ جب مکہ شہر میں داخل ہونے لگے تو فوج میں اعلان فرمایا تھا کہ:

"لا يجهزن على جريح، ولا يتبعن مدبر، ولا يقتلن أسير، ومن أغلق بابه فهو آمن "(۳)

ترجمہ: کسی زخمی پر حملہ نہ کیا جائے، کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، کسی قیدی کو قتل نہ کیا جائے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ امان میں ہے۔

اس سے ثابت ہوتا کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر قیدیوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسیروں کو اذیتیں دینا اور انہیں قتل کرنا انتقامی کاروائیوں کا حصہ تھا اور اسلام نے اس سب سے روکا ہے۔

---

(۱) سورۃ الدہر: ۷۶/ ۸-۹

(۲) تفسیر بیان القرآن، محمد اشرف علی تھانوی، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور، ۳/ ۲۱۹

(۳) فتوح البلدان، احمد بن یحیی بن جابر البلاذری، موقع یعسوب، حدیث نمبر: ۱۳۵، ۱/ ۴۶

۱۰۔ قتل سفیر کی ممانعت

زمانہ جاہلیت کے بادشاہ، سردار اور حکمران اپنی عسکری قوت کے نشے میں بدمست غیر ملکی سفراء کو قتل کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے سفیروں اور قاصدوں کے قتل سے منع فرمایا۔ ایک دفعہ مسیلمہ کذاب نے اپنا گستاخانہ پیغام دے کر اپنے قاصد [۱] کو نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ أَعْنَاقَكُمَا)) [۲]

ترجمہ: اگر قاصدوں کا قتل ممنوع نہ ہوتا تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ قاصدوں کے قتل کی ممانعت کے بارے میں فرما رہے ہیں۔ ابو عمار عمر فاروق سعیدی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"سفیر یا قاصد امام المسلمین کے سامنے بھی کفر کا اظہار کرے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا" [۳]

گویا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسلام نے سفیر کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ سفیر کو قتل کرنے سے سفارتی آداب میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اس سے دونوں ملکوں کے درمیان حالات کشیدہ ہو جاتے ہیں۔

۱۱۔ غیر مقاتلین کو قتل کرنے کی ممانعت

اسلام صرف ان لوگوں سے ہی جنگ کرنے کی اجازت دیتا ہے جو جنگ میں براہ راست شریک ہیں۔ جنکا جنگ سے کوئی تعلق نہیں ان کو قتل کرنا جائز نہیں، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللهَ لاَ يُحِبِّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ [۴]

ترجمہ: اور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت قرآنی میں اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑائی کا حکم دیا گیا ہے جو ان سے لڑتے ہیں اور ظلم و زیادتی سے پرہیز کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس آیت قرآنی سے چار احکام خارج ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ کے راہ میں لڑائی کا مطلب اعلائے کلمۃ اللہ اور عظمت دین کے لئے جہاد کرنا ہے۔

---

(۱) عبادہ بن حارث

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الرسل، حدیث نمبر: ۲۷۶۱، ۴/ ۳۸۹

(۳) سنن ابو داؤد اردو، ۲۳۱/۳

(۴) سورۃ البقرہ: ۱۹۰/۲

۲. یہ آیت سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں اتری۔ پس آپ ﷺ ان سے لڑائی کرتے جو آپ ﷺ سے لڑتے اوران سے لڑائی نہ کرتے جو لڑائی سے باز رہتے۔

۳. جو لڑائی کے قابل نہیں مثلاً بوڑھے، بچے اور رہبان عورتیں وغیرہ ان سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے۔

۴. یہاں تمام کفار مراد ہیں کیونکہ وہ تمام ہی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے والے ہیں اور قاصدین مقاتلین کے حکم میں ہیں۔[۱]

گویا کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو ان لوگوں سے لڑنے کی اجازت دی جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں اور ساتھ یہ شرط رکھ دی ہے کہ مسلمان کسی پر زیادتی نہیں کریں گے۔

دشمن کے لشکر میں اگر عورتیں، بچے اور بوڑھے شامل ہو لیکن وہ لڑائی میں شریک نہ ہو تو مسلمانوں کے لئے جائز نہیں کہ وہ ان پر ہاتھ اٹھائیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ)) [۲]

ترجمہ: نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو، نہ بچوں اور عورتوں کو، اور مال غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اصلاح کرتے رہو اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے بوڑھے ضعیف، بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔ محمد عاقل اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"اس حدیث میں شیخ فانی کے قتل سے منع کیا گیا ہے اور اسی طرح نابالغ بچے اور عورت کے قتل سے"[۳]

گویا کہ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جنگ میں بوڑھے، بچے اور عورتوں شریک نہیں ہوتے اور ان کا جنگ میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اس لئے انہیں قتل نہیں کرنا چاہیے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں عورت کی لاش دیکھی تو آپ ﷺ نے ناراض ہو کر فرمایا:

((مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فِيمَنْ يُقَاتِلُ))[٤]

ترجمہ: یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی۔

---

(۱) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/۱۰۸

(۲) سنن ابو داؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، حدیث نمبر: ۲۶۶۹، ۴/ ۳۰۴

(۳) الدر المنضود علی سنن ابو داؤد، ۴/۳۶۳

(۴) سنن ابو دوود، کتاب الجہاد، باب فی قتل النساء، حدیث نمبر: ۲۲۹۵، ۷/ ۲۷۴

اس حدیث میں بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں ایک مقتول عورت کو دیکھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لڑائی کرنے والوں میں شامل نہیں تھی تو پھر اسے کیوں قتل کیا گیا۔ خطابی اس حدیث کے بارے میں لکھتے کرتے ہیں:

"في الحديث دليل على أن المرأة إذا قاتلت قتلت"(۱)

ترجمہ: یہ حدیث دلیل کرتی ہے اس بات پہ کہ جب عورت قتال کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔

گویا کہ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ عورت جب جنگ میں شریک نہیں ہو گی تو اسے قتل نہیں کرنا چاہیے۔

اسلام سے پہلے جنگ میں مقاتلین اور غیر مقاتلین میں فرق نہیں رکھا جاتا تھا۔ دشمن کے ہر فرد کو دشمن سمجھا جاتا تھا چاہے وہ جنگ میں حصہ لے رہا ہو یا نہ رہا ہو۔ عورتیں، بیمار، بوڑھوں، بچوں اور زخمیوں کا لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ فاتح مفتوح قوموں کی عورتوں کی تذلیل کرتے تھے۔ اسلام نے ان لوگوں سے جو جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہیں ان پر ظلم و ستم سے منع کیا ہے۔

۱۲۔ دشمن سے مڈ بھیر کی آرزو نہیں کرنی چاہیے

دشمن سے مڈ بھیر کی آرزو نہیں کرنی چاہئے اور اگر دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو صبر اور مستقل مزاجی سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أَيُّهَا النَّاسُ لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ فَإِذَا لَقِيتُمُوهُمْ فَاصْبِرُوا وَاعْلَمُوا أَنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ))(۲)

ترجمہ: اے لوگو! تم دشمن سے دوبدو ہونے کی خواہش نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے عافیت و سلامتی طلب کرو اور جب تم دشمن سے مقابلہ کرو تو صبر کرو اور سمجھ لو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے۔

اس حدیث میں آپ ﷺ نے دشمن سے مڈ بھیر کی آرزو نہ کرنے کا حکم دیا ہے اور جنگ کے وقت صبر کرنا لازم قرار دیا ہے۔ فتح الباری میں اس حدیث کی وضاحت بیان ہوئی ہے کہ:

"إنما نهى عن تمني لقاء العدو لما فيه من صورة الإعجاب والإنكال على النفوس والوثوق بالقوة وقلة الاهتمام بالعدو، وكل ذلك يباين الاحتياط والأخذ بالحزم"(۳)

ترجمہ: کہ دشمن سے ملنے (لڑائی) سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں خود پسندی اور تکیہ کرنا ہے اور قوت پر اعتبار کرنا اور دشمن کے لئے قلت اہتمام ہے اور کل یہ مخالف ہے احتیاط کے اور حزم پر عمل کرنے کے۔

---

(۱) عون المعبود شرح سنن ابو داؤد، ۷/ ۲۳۶

(۲) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا لم یقاتل اول النہار، حدیث نمبر: ۲۹۶۵، ۷/ ۴۷۹

(۳) فتح الباری، ۶/ ۱۵۶

ابن بطال[1] اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حکمة النهي أن المرء لا يعلم ما يؤول إليه الأمر "[2]

ترجمہ: نہی کی حکمت یہ ہے کہ آدمی نہیں جانتا کہ انجام کار کیا ہو گا۔

گویا کہ ان سے ثابت ہوا کہ لڑائی کو طلب کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۱۳۔ اظہار اسلام پر قتال سے دستبرداری

جنگ کے دوران کسی مرحلے میں اگر مد مقابل مغلوب ہو کر ہی سہی یہ اقرار کریں کہ اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو اس سے لڑائی نہیں کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾[3]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں۔

اس آیت قرآنی میں بڑی سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ بغیر تحقیق کے فیصلہ کرنا جائز نہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ کسی سلام کرنے والے کو خواہ مخواہ غیر مسلم نہیں سمجھنا چاہیے۔ عبد الرحمن کیلانی اس آیت قرآنی کی وضاحت بیان کرتے ہیں:

"اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت کے احکام ظاہر کے مطابق جاری ہوتے ہیں اور باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ چونکہ ایسا گمان شرعی نقطہ نظر سے غلط ہے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے واقعہ کی پوری طرح چھان بین کا حکم دیا۔ تحقیق کے بغیر چھوڑ دینے میں اگر یہ امکان ہے کہ ایک کافر جھوٹ بول کر اپنی جان بچا لے تو قتل کرنے میں اس کا بھی امکان ہے کہ ایک بے گناہ مومن تمہارے ہاتھ سے مارا جائے اور تمہارا ایک کافر کو چھوڑ دینے میں غلطی کرنا اس سے بدرجہا بہتر ہے کہ تم ایک مومن کو قتل کرنے میں غلطی کرو۔"[4]

---

(۱) ابن بطال: آپ کا نام علی بن خلف بن بطال اور کنیت ابو الحسن تھی۔ آپ نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ آپ نے ۴۴۹ھ کو وفات پائی (سیر اعلام النبلاء، ۳۵/۴۷)

(۲) فتح الباری، ۶/ ۱۵۶

(۳) سورۃ النساء: ۴/ ۹۴

(۴) تیسیر القرآن، ۱/ ۴۴۶

گویا کہ ثابت ہوا کہ کسی کا اسلام کا اظہار کرنے پر اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک لشکر کو روانہ کرتے ہوئے ہدایت فرمائی:

((إِذَا رَأَيْتُمْ مَسْجِدًا أَوْ سَمِعْتُمْ مُؤَذِّنًا فَلَا تَقْتُلُوا أَحَدًا))[۱]

ترجمہ: جب تم کسی جگہ مسجد دیکھو یا مؤذن کی اذان سنو تو پھر کسی ایک شخص کو بھی قتل نہ کرنا۔

اس سے بتایا گیا ہے کہ مسلمان لشکر کسی علاقے میں مسجد دیکھیں یا مؤذن کی اذان سنیں تو انہیں کسی شخص کو بھی قتل نہیں کرنا چاہیے۔ سعید احمد اس کی شرح بیان کرتے ہیں:

"حضور اقدس ﷺ ہر لشکر کو خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا ہدایت دیا کرتے تھے کہ جس بستی پر حملہ کرنا اگر وہاں اسلام کی کوئی فعلی علامت مثلاً مسجد ہو یا کوئی قولی علامت مثلاً اذان سنی جائے تو اندھا دھند حملہ نہ کر دیا جائے بلکہ مسلمانوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا موقع دیا جائے پھر جنگ شروع کی جائے"[۲]

گویا کہ اس سے ثابت ہوا کہ مسجد یا اذان کا سنائی دینا اس بات کی علامت ہے کہ وہ علاقہ مسلمانوں کا ہے اور ان پر حملہ نہیں کرنا چاہیے۔ طاہر القادری اظہار اسلام پر قتال سے دستبرداری کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اسلام قتل برائے قتل کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ دوران جنگ اگر مدمقابل کسی مرحلے پر (مغلوب ہو کر ہی سہی) اس امر کا برملا یا اشارتاً اظہار کر دے کہ وہ مسلمان ہے اور اس نے اسلام قبول کر لیا ہے تو فوراً لڑائی سے ہاتھ کھینچ لینے کا حکم ہے، اب کسی صورت میں بھی اس پر وار کر کے اسے موت کی گھاٹ نہیں اتارا جا سکتا، خواہ اس فرد نے اپنی جان بچانے کے لئے ہی اسلام قبول کیوں نہ کیا ہو۔"[۳]

اسلام نے ان تمام وحشیانہ افعال سے منع کیا جو دور جاہلیت میں جنگ میں اختیار کیے جاتے تھے۔ اسلامی جنگ اپنے مقصد اور مقصد کے حصول کے طریقوں کے لحاظ سے پاکیزہ ہے۔ جنگی معاملات میں دنیا کا کوئی نظام اتنی باریکیاں نہیں رکھتا اور نہ ہی کسی فوج میں اتنا نظم وضبط ہے جتنا اسلامی جنگ میں ہے۔

---

(۱) الجامع الکبیر، کتاب السیر عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال، حدیث نمبر:۱۵۴۹، ۳/ ۱۷۲

(۲) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، ۴/ ۴۸۵

(۳) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۱۲۵

فصل سوم: آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات اور حکمت عملی

مبحث اول

آنحضرت ﷺ کے بحیثیت سپہ سالار اعظم اوصاف و کمالات

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سپہ سالار اعظم حکمت عملی

مبحث اول

آنحضرت کے ﷺ بحیثیت سپہ سالارا عظم اوصاف وکمالات

حضرت محمد ﷺ سپہ سالار کی حیثیت سے تین چیزوں میں دنیا کے تمام سپہ سالاروں میں ممتاز واعلیٰ نظر آتے ہیں
:

۱. آپ ﷺ فوج کے بلند ہمت اور صاحب عزم وثبات کے حامل قائد تھے۔

۲. آپ ﷺ نے تمام لڑائیاں ظلم وجور، قتل وغارت اور انسانوں کو غلام بنانے کے لئے نہیں لڑیں۔ بلکہ آپ ﷺ نے جو بھی جنگیں لڑیں ان کا مقصد حمایت حریت عامہ، نشراسلام اور ارکان اسلام کی حفاظت تھا۔

۳. تمام سپہ سالاروں کو اپنی قوم کی حمایت حاصل ہوتی تھی لیکن آپ ﷺ نے ایک نئی قوم تشکیل دی جن میں مختلف قوموں کے لوگ شامل تھے۔[۱]

دور حاضر میں حربی قیادت کو بلند مقام پر فائز کرنے کے لئے اور حربی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے سپہ سالار کی کچھ صفات کا ذکر کیا ہے مثلاً:

۱. عزم کا پختہ اور ارادے کا پکا ہونا چاہیے۔

۲. شریف اور نیک ہونا چاہیے۔

۳. جسمانی طور پر مضبوط ہونا چاہیے۔

۴. بہادر ہونا چاہیے۔

۵. فوری طور پر فیصلہ کرنے کی استعداد ہونی چاہیے۔

۶. فتح وشکست ہر حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھے۔

۷. دور اندیش ہونا چاہیے۔

۸. فوجی افسروں اور سپاہیوں کی نفسیات اور استعداد سے واقفیت رکھتا ہو۔ ان کے ساتھ محبت وخلوص سے پیش آئے اور ان پر مکمل بھروسہ ہو۔

۹. اقدر انسانی کا خاص خیال رکھے۔[۲]

ان صفات کا کسی ایک سپہ سالار کے اندر موجود ہونے کا امکان کم ہیں لیکن یہ تمام صفات آپ ﷺ کے خصائص کے مقابلے میں کم ہیں۔ ذیل میں آپ ﷺ کے بعض اوصاف وکمالات کا ذکر کیا جاتا ہے:

---

(۱) انسان کامل ﷺ، ص: ۲۹۰

(۲) ایضاً، ص: ۳۱۲

ا۔ عزم راسخ اور ارادہ محکم

آپ ﷺ نے مشرکین کے غیظ وغضب اور مخالفتوں کا مقابلہ کیا لیکن اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹے۔ آپ ﷺ نے قوی اور مضبوط ارادے سے خوفناک سے خوفناک صورت حال کا مقابلہ کیا اور اس پر قابو پایا۔ آپ ﷺ نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مکہ میں تمام مشکلات اور اذیتوں کا صبر سے مقابلہ کیا اور عزم راسخ کے ذریعے مدینے کے اندر یہودیوں اور منافقوں کی چالوں کو ختم کیا۔ اس کے بعد مدینے سے باہر کی قوت کو توڑا اور اردگرد کی تمام قوتوں سے مقابلہ جاری رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے دین کو غالب کر دیا۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی عزم راسخ کی بہترین مثال ہے۔ ایک دفعہ مکہ میں کفار کے مظالم سے تنگ ہو کر ایک صحابی ؓ نے آپ ﷺ سے فرمایا کہ آپ ﷺ ہمارے لئے کیوں دعا نہیں کرتے۔ یہ سن کر آپ ﷺ کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آپ ﷺ نے ان کو فرمایا:

((لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ لَيُمْشَطُ بِمِشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ عِظَامِهِ مِنْ لَحْمٍ أَوْ عَصَبٍ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَيُوضَعُ الْمِنْشَارُ عَلَى مَفْرِقِ رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَيْنِ مَا يَصْرِفُهُ ذَلِكَ عَنْ دِينِهِ وَلَيُتِمَّنَّ اللَّهُ هَذَا الْأَمْرَ حَتَّى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلَى حَضْرَمَوْتَ مَا يَخَافُ إِلَّا اللَّهَ))(۱)

ترجمہ: تم سے پہلے ایسے لوگ تھے کہ ان کی ہڈیوں پر گوشت یا پٹھوں کے نیچے لوہے کی کنگھیاں کی جاتی تھیں (مگر) یہ شدید تکلیف بھی انہیں ان کے دین سے نہیں ہٹاتی تھی اور بعض کے بیچ سر میں آرا رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے پھر بھی انہیں کوئی چیز ان کے دین سے نہ ہٹاتی تھی اور واللہ اللہ تعالی اس دین کو کامل کرے گا حتی کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک اس طرح بے خوف ہو کر سفر کرے گا کہ اسے اللہ تعالی کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہو گا۔

اس حدیث میں آپ ﷺ ان تکالیف کا ذکر فرما رہے ہیں جو مکہ میں صحابہ کرام ؓ نے اللہ تعالی کی راہ میں اٹھائیں۔ ان تکالیف کے باوجود انہوں نے اپنے دین کو نہیں چھوڑا۔ ابن حجر اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”صحابہ کرام ؓ کی تکلیف خود آپ ﷺ کی تکلیف تھی۔ اس وجہ سے کہ اس سے آپ ﷺ کو نہایت رنج ہوتا تھا۔ اس وجہ سے کہ ان کی کل تکلیف آپ ﷺ کے سبب سے تھی۔ کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایمان لانے کی وجہ سے ان کو کافر یہ سب تکلیف پہنچاتے تھے۔“(۲)

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مالقی النبی ﷺ واصحابه من المشرکین بمکہ، حدیث نمبر: ۳۸۵۲، ۹/ ۴۳۵

(۲) فتح الباری، ۷/ ۱۶۶

غزوہ احد میں آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کیا کہ دشمن کا کس طرح مقابلہ کیا جائے تو انہوں نے حملے کی رائے دی تو آپ ﷺ زرہ پہن کر تیار ہو گئے۔ پھر صحابہ کرام ؓ نے آپ ﷺ کو رک جانے کو کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((لا يَنْبَغِي لِنَبِيٍّ أَنْ يَلْبَسَ لأْمَتَهُ فَيَضَعَهَا حَتَّى يُقَاتِلَ))(۱)

ترجمہ: کسی نبی کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے تو بغیر لڑے ہوئے اسے اتار دے۔

غرض کہ آپ ﷺ جب کسی چیز کا ارادہ کر لیتے تھے تو اس سے پیچھے نہیں ہٹتے تھے۔ آپ ﷺ نے راسخ عزم اور محکم ارادوں کی وجہ سے کامیابی حاصل کی اور اپنے دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا۔

۲۔ ذاتی شجاعت

آپ ﷺ کے اندر عظیم جرات و شجاعت کی خصوصیت پائی جاتی تھی۔ آپ ﷺ کی جرات و شجاعت کی وجہ سے کئی مرتبہ میدان جنگ کے نقشے بدلے۔ آپ ﷺ کی جرات و شجاعت کا اظہار کئی واقعات سے ہوتا ہے مثلاً:

ا۔ آپ ﷺ نے اپنی ذاتی جرات و شجاعت کی وجہ سے معرکہ بدر کو قبول کیا حالانکہ آپ ﷺ کی فوج دشمن کی فوج کے مقابلے میں دو حصے کم تھی۔ اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو اس لڑائی میں شکست ہوتی تو اس کا اسلام کے مستقبل پر خطرناک اثر ہوتا۔(۲)

ب۔ جنگ احد میں آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کی ایک جماعت کے ساتھ اس گھیرے سے باہر نکل آئے جو مشرکین نے مسلمانوں کے گرد ڈالا ہوا تھا اور آپ ﷺ نے مسلمانوں کو اس مضبوط نرغے سے بچالیا۔ آپ ﷺ نے ذاتی جرات و شجاعت کے ساتھ دشمن کا حمراء الاسد کے مقام تک تعاقب کیا۔(۳)

ت۔ جنگ احزاب میں قریش کے دس ہزار کے لشکر کے سامنے آپ ﷺ ثابت قدم رہے۔(۴)

ث۔ جنگ حنین میں ابتدا میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو انہوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ حضرت براء بن عازب ؓ (۵) مسلمانوں کے بھاگنے کی کیفیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) مدارک التنزیل وحقائق التاویل، ۱/۱۷۷

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲/۲۷۴

(۳) الطبقات الکبری، ۲/ ۴۹

(۴) ایضاً، ۲/ ۶۶

(۵) حضرت براء بن عازب ؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو عمرو اور بعض کے نزدیک ابو عمارہ تھی۔ جنگ بدر میں آپ کم سن ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے اور غزوہ احد میں شریک ہوئے۔ آپ نے ۲۴ھ میں ملک رے کو فتح کیا۔ آپ کوفہ چلے گئے اور وہیں گھر بنالیا۔ آپ نے مصعب بن زبیر کے زمانے میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۱/۱۰۷)

((لَا وَاللَّهِ مَا وَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ فَلَقِيَهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَغْلَتِهِ الْبَيْضَاءِ وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ))(١)

ترجمہ: کہ نہیں اللہ گواہ ہے نبی کریم ﷺ نے پیٹھ نہیں پھیری تھی البتہ جلد باز لوگ (میدان سے) بھاگ پڑے تھے (اور وہ لوٹ میں لگ گئے تھے) قبیلہ ہوازن نے ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے لیکن نبی کریم ﷺ اپنے سفید خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن حارث اس کی لگام تھامے ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ فرما رہے تھے «أنا النبي لا كذب أنا ابن عبد المطلب"» میں نبی ہوں جس میں جھوٹ کا کوئی دخل نہیں۔ میں عبدالمطلب کی اولاد ہوں۔

اس حدیث میں تین باتیں آپ ﷺ کی شجاعت کے واضح دلائل ہیں:

١. فوج میں بھگدڑ مچی ہے اور آپ ﷺ خچر پر سوار ہیں کسی گھوڑے پر نہیں کہ جلدی میں آپ ﷺ کسی محفوظ مقام پر پناہ لے لیں۔

٢. سفید رنگ کا خچر ہے اور وہ دشمن کو دور سے نظر آسکتا ہے۔

٣. آپ ﷺ وہ نعرہ لگا رہے ہیں جو دشمن کی دشمنی کا اصل سبب ہے۔(٢)

علماء کرام آپ ﷺ کا خچر پر سوار ہونے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

"في ركوبه صلى الله عليه وسلم البغلة يومئذ دلالة على النهاية في الشجاعة والثبات"(٣)

ترجمہ: اس دن آپ ﷺ کا خچر پر سوار ہونا آپ ﷺ کی شجاعت اور ثابت قدمی پر دلالت کرتا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ حنین کے دن آپ ﷺ نے دس صحابہؓ کے ساتھ ثابت قدم رہے اور ان کا مقابلہ کیا۔(٤) اگر اس وقت آپ ﷺ مقابلہ نہ کرتے تو ہوازن و ثقیف مسلمانوں کو موت کی گھاٹ اتار دیتے اور امت مسلمہ فنا ہو جاتی۔

---

(١) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب بغلة النبی ﷺ البیضاء، حدیث نمبر: ٢٨٧٤، ٧/ ٣٤٠

(٢) نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، عبدالرحمن گیلانی، مکتبہ السلام، لاہور، جون ٢٠١٠ء، ص:٩٧

(٣) فتح الباری، ٨/ ٣٠

(٤) الطبقات الکبری، ٢/ ١٥١

ج۔ مدینہ میں قریش مکہ کے حملے کا خطرہ تھا اور خوف و ہراس کی فضا تھی۔ اس وقت کوئی آواز سنی گئی اور آپ ﷺ اکیلے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اس آواز کی حقیقت معلوم کرنے گئے۔ اس بارے میں حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ النَّاسِ وَأَشْجَعَ النَّاسِ وَلَقَدْ فَزِعَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ لَيْلَةً فَخَرَجُوا نَحْوَ الصَّوْتِ فَاسْتَقْبَلَهُمْ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ اسْتَبْرَأَ الْخَبَرَ وَهُوَ عَلَى فَرَسٍ لِأَبِي طَلْحَةَ عُرْيٍ وَفِي عُنُقِهِ السَّيْفُ وَهُوَ يَقُولُ لَمْ تُرَاعُوا لَمْ تُرَاعُوا))(۱)

ترجمہ: کہ نبی اکرم ﷺ سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور سب لوگوں سے زیادہ بہادر تھے ایک مرتبہ مدینہ والوں کو کچھ خوف ہو گیا اور ایک طرف سے کچھ آواز آرہی تھی تو لوگ اس آواز کی طرف گئے آنحضرت ﷺ سب سے آگے تشریف لے گئے اور آپ ﷺ نے اس واقعہ کی تحقیق کی آپ ﷺ ابو طلحہ کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار تھے اور گلے میں تلوار حمائل تھی اور آپ ﷺ فرمارہے تھے کہ ڈرومت کوئی خوف نہیں۔

اس حدیث میں آپ ﷺ کی شجاعت و بہادری کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ فیض الباری میں اس حدیث کی شرح اس طرح بیان ہوتی ہے:

"اس حدیث سے حضرت ﷺ کی کمال شجاعت معلوم ہوئی کہ خوف کی حالت میں رات کو تنہا آگے بڑھ جانا کمال شجاعت کی دلیل ہے"(۲)

اس سے پتا چلتا ہے کہ اس طرح کے خوفناک واقعات جن میں ایک بہادر آدمی بھی حوصلہ ہار دیتا ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے خطروں کی پروا نہیں فرمائی اور ان خطرناک حالات میں ثابت قدم رہے۔ کیونکہ اگر آپ ﷺ ثابت قدم نہ رہتے تو مسلمان کبھی کامیابی حاصل نہ کر سکتے۔

۳۔ واضح اور فوری احکام

سپہ سالار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ فوج کو احکام صحیح، واضح اور فوری طور پر جاری کرے تاکہ ان احکام پر پالیسی بنائی جائے اور میدان جنگ میں اسی پالیسی کے مطابق عمل کیا جائے۔ احکام کا واضح، فوری اور صحیح ہونے کا انحصار دو چیزوں پر ہوتا ہے۔

ا۔ سپہ سالار کی عقلی بصیرت

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الحمائل والتعلیق السیف بالعنق، حدیث نمبر: ۲۹۰۸، ۴/۳۹

(۲) فیض الباری ترجمہ فتح الباری، محمد ابو الحسن سیالکوٹی، تصدیر: حافظ محمد اسماعیل، مکتبہ اصحاب الحدیث، لاہور، اگست ۲۰۰۹ء، ۴/۳۸۸

۲. معلومات کا حصول

ا۔ سپہ سالار کی عقلی بصیرت

آپ ﷺ نے عقلی بصیرت سے کام لے کر لوگوں کو خوشخبریاں سنا کر اسلام کی طرف مائل کیا اور برے کاموں کے انجام سے آگاہ کیا۔ آپ ﷺ نے بڑے بڑے عقلمندوں سے بحث کیں۔ آپ ﷺ کی بصیرت اور عقلمندی کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ غزوہ بدر میں آپ ﷺ نے بصیرت و حکمت سے صفوں کو ترتیب کیا۔(۱)

ب۔ غزوہ احد میں آپ ﷺ نے پچاس تیر اندوزوں کو گھاٹی میں متعین فرمایا کیونکہ آپ ﷺ کو اندازہ تھا کہ دشمن وہاں سے حملہ کر سکتا تھا۔(۲)

ت۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو سفیان ؓ کو پہاڑ کی تنگ جگہ پر کھڑا کیا جائے تاکہ وہ مسلمانوں کے لشکر کو گزرتے ہوئے دیکھے تاکہ وہ اپنی قوم کو اپنی آنکھوں دیکھے حالات کو دلیل اور یقین کے ساتھ بتائے۔(۳)

ث۔ قریش کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ صلح آپ ﷺ کی مثالی بصیرت و فراست کا نمونہ ہے۔

۲۔ معلومات کا حصول

آپ ﷺ ہمیشہ اپنے دشمن کے ارادوں کو وقت سے پہلے پتا چلا لیا کرتے تھے اور ان کے ارادوں کے عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی تباہ و برباد کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ مندرجہ ذیل طریقوں سے معلومات حاصل کرتے تھے:

۱. جنگی طلایہ دستوں کے ذریعے
۲. جاسوسوں کے ذریعے
۳. شخصی اطلاعوں سے
۴. قیدیوں سے
۵. عقلمند لوگوں سے مشورہ کے ذریعے۔(۴)

آپ ﷺ نے تمام لڑائیوں میں مندرجہ ذیل طریقوں سے معلومات حاصل کیں۔ انہی دو بنیادوں پر آپ ﷺ کے فیصلے واضح، فوری اور صحیح ہوتے۔

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۵

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۳/ ۱۱

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/ ۱۴۶

(۴) انسان کامل ﷺ، ص: ۳۱۷

۴۔ مسئولیت کا تحمل

سپہ سالار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے تمام فیصلوں کی مسئولیت کا بوجھ اٹھائے۔ آپ ﷺ نے ابتدائے وحی سے لے کر آخر تک جنگی اور غیر جنگی واقعات میں اس عظیم ذمہ داری کو نبھایا۔ صحابہ کرام ؓ ہر کام میں آپ ﷺ کے ساتھ تعاون کرتے تھے لیکن ہر بات کی ذمہ داری آپ ﷺ کی ذات پر تھی۔ مثلا:

ا۔ سریہ عبداللہ بن جحش میں آپ ﷺ کی ہدایات کے برعکس ایک آدمی کو قتل کر دیا گیا[1] تو آپ ﷺ نے اس کا خون بہا ادا کیا۔

ب۔ ابو بصیر ؓ کو جب آپ ﷺ نے قریش کو واپس کر دیا تو اس نے اپنے محافظوں میں سے ایک شخص کو قتل کر دیا[2] تو آپ ﷺ نے اس کا خون بہا ادا کیا۔

گویا کہ تمام معاملات جن کا فیصلہ آپ ﷺ نے کیا یا وہ جو صحابہ کرام ؓ کے مشورہ سے طے کیے گئے۔ ان سب کی ذمہ داری آپ ﷺ خود اٹھاتے تھے۔

۵۔ غیر متبدل مزاج

آپ ﷺ کو اپنے اعصاب میں قابو حاصل تھا اور آپ ﷺ کی طبیعت میں قدرتی طمانیت تھی۔ فتح و شکست دونوں حالتوں میں آپ ﷺ کی طبیعت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

ا۔ جنگ احد میں آپ ﷺ نے اپنے حواس کو قابو میں رکھا۔ مشرکین نے جب آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو گھیرے میں لے لیا تو آپ ﷺ نے سلامتی سے مسلمانوں کو اس میں سے نجات دلائی۔[3]

ب۔ غزوہ حنین والے دن آپ ﷺ نے میدان جنگ میں مستقل مزاجی کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ اپنی جگہ پر جمے رہے اور بھاگے ہوئے لوگوں کو دوبارہ جمع کر دیا۔[4]

ت۔ جسطرح آپ ﷺ مشکل حالات میں اپنے حواس کو قابو میں رکھتے تھے اسی طرح کامیابی کے موقع پر بھی نظم و ضبط کو برقرار رکھا اس چیز کی بڑی مثال مکہ کی فتح کا دن ہے۔ اس دن آپ ﷺ اپنے حواس کو قابو میں رکھا، دشمن سے انتقام لینے کے بجائے عفو و درگزر کا مظاہرہ کیا اور انہیں معاف کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ کی زندگی کی سب سے بڑی فتح کے دن آپ ﷺ اللہ کی مکمل بندگی کی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کا مکہ میں فاتحانہ داخل ہوتا ہے لیکن آپ ﷺ کے دل میں نہ تو فتح اور کامیابی کا نشہ

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۶

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۱/ ۲۸۴

(۳) الرحیق المختوم، ص: ۲۶۴

(۴) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۵۱

ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے احساسات پر گھمنڈ اور غرور طاری ہے بلکہ آپ ﷺ کا سر عجز وانکساری اور اللہ کے شکر کے ساتھ جھکا ہوا ہے اور اونٹنی کے پالان کو چھو رہا ہے۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالی کی حمد اور بڑائی کے الفاظ جاری ہو رہے ہیں۔(۱)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ غیر معتدل طبیعت کے مالک تھے۔ جس میں کوئی تبدیلی واقعہ نہیں ہوتی تھے اور آپ ﷺ کا مزاج ہمیشہ غیر تغیر پذیر رہا۔

۶۔ دور اندیشی

آپ ﷺ نے تمام واقعات میں خواہ وہ جنگی ہو یا غیر جنگی دور اندیشی کا مظاہرہ کیا۔ اس کی چند ایک مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ میثاق مدینہ آپ ﷺ کے تدبر اور دور اندیشی کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے مدینہ اور اس کے مضافات میں رہنے والے لوگوں کو بہتر شرائط پر متفق کر دیا۔(۲)

ب۔ صلح حدیبیہ کی شرائط کو صحابہ کرام ؓ کے تردد کے باوجود آپ ﷺ نے قبول کر لیں۔ اس کا نتیجہ مسلمانوں کو مکہ کی عظیم الشان فتح کی شکل میں بر آمد ہوا اور مسلمانوں کے لشکر کی تعداد جو صلح حدیبیہ کے وقت چودہ سو تھی اور وہ فتح مکہ میں دس ہزار تک پہنچ گئی۔(۳)

ت۔ مکہ کی فتح کے روز لگ رہا تھا کہ قریش ہتھیار ڈال دیں گے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ نے بد ترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تدابیر سوچیں اور آپ ﷺ نے اپنی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ اس طرح وہ مکہ میں چاروں طرف سے داخل ہوئے۔(۴)

آپ ﷺ نے تدبر اور دور اندیشی سے کام لے کر ہر چھوٹے بڑے معاملے میں غور وفکر کرتے اور ہر کام کی پوری تیاری کرتے۔ اس لئے کبھی بھی ممکن نہیں ہوا کہ دشمن نے بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کیا ہو۔ آپ ﷺ کی دور اندیشی کی وجہ سے حالات ہمیشہ آپ ﷺ کے کنٹرول میں رہے۔

۷۔ نفسیات اور صلاحیتوں کی معرفت

رسول اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرام ؓ کی نفسیات اور صلاحیتوں سے واقف تھے۔ آپ ﷺ ہر شخص کو وہی کام سونپتے جس میں اس کام کو کرنے کی صلاحیت ہوتی اسی وجہ سے ان کاموں کو صحابہ کرام ؓ آسانی سے سرانجام دیتے۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۵

(۲) الرحیق المختوم، ص: ۱۹۲

(۳) المغازی، ۲/ ۸۰۰

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۸

آپ ﷺ جانتے تھے کہ کون مشورہ اور رائے دینے کے قابل ہے اور کس کے اندر سپاہی بننے کی صلاحیت ہے۔ آپ ﷺ نے جن کو سرایا کے لئے منتخب کیا انہوں نے اس میں کامیابی حاصل کیں، جن کو معلومات حاصل کرنے کی ذمہ داری سونپی انہوں نے یہ ذمہ داری پوری کیں اور جن کو والی بنایا گیا انہوں نے اپنے فرائض کو بہترین طریقے سے ادا کیا۔ اس کی چند ایک مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جنگ احد کے دن آپ ﷺ نے ایک تلوار ہاتھ میں پکڑی اور فرمایا:

((مَنْ يَأْخُذُ هَذَا السّيْفَ بِحَقّهِ؟))[1]

ترجمہ: اس تلوار کا حق ادا کرنے کے لئے کون آدمی یہ تلوار مجھ سے لیتا ہے؟۔

کئی لوگ آپ ﷺ کی طرف بڑھے۔ لیکن آپ ﷺ نے تلوار کسی کو نہیں دی یہاں تک کہ ابو دجانہ ؓ[2] آگے بڑھے اور عرض کیا:

((فَمَا حَقّهُ ؟))[3]

ترجمہ: اس تلوار کا کیا حق ہے؟۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَنْ تضْرِبَ بِهِ الْعَدُوّ حَتّى يَنْحَنِيَ"[4]

ترجمہ: تو دشمن پر اتنی ضربیں لگا کہ تلوار ٹیڑھی ہو جائے۔

ابو دجانہ ؓ نے اس تلوار کا حق ادا کیا اور اس تلوار سے شدید لڑائی کی۔ جب مسلمان محاصرے میں آگئے تو انہوں نے اپنے جسم کو رسول اکرم ﷺ کے لئے ڈھال بنا دیا اور اپنی پیٹھ رسول اکرم ﷺ پر جھکا دی اور تیر ابو دجانہ ؓ کی پیٹھ پر برستے رہے۔

ب۔ جنگ خیبر میں آپ ﷺ نے ایک جھنڈا تیار کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((لأُعْطِيَنّ هَذِهِ الرّايَةَ رَجُلا يُحِبُّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ، وَيَفْتَحُ اللَّهُ عَلَى يَدَيْهِ))[5]

---

(۱) المعجم الکبیر، ۹/۱۹

(۲) ابو دجانہ ؓ: آپ کا نام سماک بن خرشہ یا اوس بن خرشہ تھا۔ آپ انصاری تھے۔ آپ بدر میں شریک ہوئے اور یمامہ میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۷/۱۱۹)

(۳) المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم النیسابوری (محقق: مصطفی عبد القادر عطا)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء، کتاب معرفۃ الصحابہ، باب ذکر مناقب ابی دجانہ، حدیث نمبر: ۵۰۱۹، ۳/۲۵۶

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۸

(۵) المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابہ، باب و من مناقب امیر المومنین علی بن ابی طالب، حدیث نمبر: ۴۵۷۵، ۳/۱۱۷

ترجمہ: میں یہ جھنڈا کل اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو چاہتا ہے اور اللہ اور اللہ کا رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بھی اس کو چاہتا ہے جس سے اللہ اور اس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم محبت کرتے ہیں اور جس کے ہاتھ پہ اللہ تعالیٰ فتح دے گا۔

دوسرے دن آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت علیؓ کو طلب کیا اور جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ کیونکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جانتے تھے کہ حضرت علیؓ کے اندر بہادری کے وہ اوصاف موجود ہیں جو اس موقع پر درکار تھے۔

ت۔ حضرت حسان بن ثابتؓ زندگی بھر اسلام کا دفاع بلیغ اشعار کے ذریعے کیا اور کفار کے ہجو کی بلیغ اشعار سے مدافعت کرتے رہے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جانتے تھے کہ ان کا دل جنگ کے لئے طاقتور نہیں۔ اس لئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم انہیں سپاہی کے طور پر میدان جنگ میں نہیں لے کر گئے بلکہ احد اور خندق کے دن ان کے ذمے عورتوں کی حفاظت کا کام لگایا۔(۱)

ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اپنے صحابہ کرامؓ کی نفسیات، خوبیوں اور صلاحیتوں سے مکمل طور پر واقف تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحابہ کرامؓ کی صلاحیتوں کے مطابق ان سے کام لیتے تھے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی کامیابیوں کی بنیادی وجہ بھی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی یہی صفت تھی۔

۸۔ باہمی اعتماد

جس طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ذات پر صحابہ کرامؓ کو بھروسہ تھا اسی طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو صحابہ کرامؓ پر اعتماد تھا۔ اسی وجہ سے صلح حدیبیہ میں صحابہ کرامؓ کا آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم پر اعتماد ہی کی وجہ سے انہوں نے اس صلح کو فوراً قبول کیا۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا اپنے صحابہ کرامؓ پر اعتماد ہی کی وجہ سے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جنگ بدر میں اپنی فوج کو اپنے سے تین گنا زیادہ طاقت والی دشمن کی فوج سے مقابلے میں کھڑا کیا اور اسی طرح جنگ احد میں اپنی فوج کو اپنے سے پانچ گنا زیادہ طاقت والی دشمن کی فوج سے لڑا دیا۔(۲)

۹۔ جسمانی قابلیت اور بدنی قوت

ایک اچھے سپہ سالار کے لئے قوی جسم اور مضبوط بدن ہونا ضروری ہے اور وہ ہر طرح کے مصائب و مشکلات کو برداشت کر سکے۔ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے جسمانی کمالات کا اندازہ جنگ بدر، احد، خندق اور حنین سے لگایا جا سکتا ہے۔ خندق کھودنے کے دوران ایک سخت پتھر آ گیا جو کسی سے نہیں ٹوٹتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اس کے بارے میں بتایا تو آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس جگہ پر گئے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ہتھوڑے کی ضرب سے وہ پتھر ٹوٹ گیا۔(۳) آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ہر معاملے میں ایسی بہادری کا مظاہرہ کرتے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے طاقتور صحابہ کرامؓ بھی اس چیز سے عاجز نظر آتے۔ رکانہ عرب کا

---

(۱) نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بحیثیت سپہ سالار، ص: ۱۰۵

(۲) انسان کامل صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ص: ۳۲۳

(۳) الروض الانف، ۶/ ۲۰۱

ایک بہادر پہلوان تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ اگر کوئی مجھے پچھاڑ دے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے اس کے چیلنج کو منظور کیا اور اسے پچھاڑ دیا۔[1] گویا کہ آپ ﷺ جسمانی قابلیت اور بدنی قوت کی صفات سے مالا مال تھے۔

۱۰۔ بے داغ شخصیت

آپ ﷺ کی بے داغ شخصیت کی وجہ سے آپ ﷺ دنیا کے تمام سپہ سالاروں سے ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی یتیموں، فقیروں، بیوہ عورتوں، بھوکوں، کمزوروں اور غلاموں پر رحم اور شفقت و مہربانی میں گذاری اور آپ ﷺ نے کبھی غیر شائستہ حرکت کا تصور بھی نہیں کیا۔ حضرت خدیجہ ؓ نزول وحی کے وقت آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتی ہیں:

((وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ))[2]

ترجمہ: اللہ کی قسم! آپ ﷺ کو اللہ کبھی رسوا نہیں کرے گا، آپ ﷺ تو اخلاق فاضلہ کے مالک ہیں، آپ ﷺ تو کنبہ پرور ہیں، بے کسوں کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیتے ہیں، مفلسوں کے لیے آپ ﷺ کماتے ہیں، مہمان نوازی میں آپ ﷺ بے مثال ہیں اور مشکل وقت میں آپ ﷺ امر حق کا ساتھ دیتے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت خدیجہ ؓ آپ ﷺ کی توصیف بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کی نیک عادتوں، خصلتوں اور لوگوں پر احسان کے بارے میں بتایا ہے۔ سعید احمد اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

”حضرت خدیجہ ؓ نے ابتدائی مرحلہ کی نفی کر دی کہ اللہ تعالی آپ ﷺ کو رسوا بھی نہیں کریں گے۔ کیونکہ آپ ﷺ پانچ ایسے کام کرتے ہیں جو رفاہ عام کے ہیں۔ اور جو بھی رفاہ عام کے کام کرتا ہے وہ کبھی رسواء نہیں ہوتا۔“[3]

گویا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رفاہ عام کے کام کرنے والوں سے لوگ محبت کرتے ہیں اور وہ رسوائی سے دوچار نہیں ہوتے۔

آپ ﷺ کی عظیم الشان شخصیت اور کردار کی وجہ سے اسلام کے اتنے بڑے دشمن حضرت ابو سفیان ؓ نے ہرقل کے دربار میں آپ ﷺ کی تعریف بیان کی۔[4]

---

(۱) رہبر کامل ﷺ، حکیم عبد المجید سوہدروی، مسلم پبلیکیشنز، لاہور، جنوری ۲۰۱۵ء، ص: ۱۳۵

(۲) صحیح بخاری، باب بدء الوحی، حدیث نمبر: ۳، ۱/ ۳

(۳) تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری، سعید احمد، زمزم پبلشرز، کراچی، اگست ۲۰۱۱ء، ۱/ ۱۴۳

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۲۹

۱۱۔ فوج سے ہمدردی اور مساوات

آپ ﷺ کو اپنی فوج سے ہمدردی تھی اور ہر کام میں ان کا ساتھ دیتے تھے۔ ذیل کی مثالوں سے اس کا پتا چلتا ہے:

ا۔ غزوہ بدر کے موقع پر سواریوں کی کمی تھی۔ آپ ﷺ کے حصے میں جو اونٹ آیا اس میں حضرت علیؓ اور مرثد بن ابی مرثد غنویؓ (۱) بھی شریک تھے۔ صحابہ کرامؓ جب اپنی باری پر آپ ﷺ کو سوار ہونے کی پیشکش کرتے تو آپ ﷺ فرماتے:

((مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَى عَلَى الْمَشْيِ مِنِّي ، وَمَا أَنَا بِأَغْنَى عَنِ الأَجْرِ مِنْكُمَا))(۲)

ترجمہ: نہ تو تم مجھ سے زیادہ پاپیادہ چل سکتے ہو اور نہ ہی میں تم سے کم ثواب کا محتاج ہوں۔

اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ ہر کام میں مساوات کا خیال رکھتے تھے۔

ب۔ غزوہ احزاب میں خندق کھودی گئی اور خندق کھودنا بہت مشکل کام تھا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔ آپ ﷺ کے خندق کھودنے کے بارے میں حضرت براء بن عازبؓ بیان کرتے ہیں:

((رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْأَحْزَابِ يَنْقُلُ التُّرَابَ وَقَدْ وَارَى التُّرَابُ بَيَاضَ بَطْنِهِ))(۳)

ترجمہ: میں نے غزوہ احزاب میں اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھا۔ آپ ﷺ خود مٹی ڈھو رہے تھے اور آپ ﷺ کے گورے گورے پیٹ کو مٹی نے ڈھانپ لیا تھا۔

اس میں بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ساتھ مل کر خندق کھودی۔ محمد ابو الحسن اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں:

"حضرت ﷺ کے کھودنے کے ساتھ اپنے نفس کے حرص دلانی ہے مسلمانوں کے لئے عمل پر تا کہ لوگ اس میں آپ ﷺ کی پیروی کریں"(۴)

---

(۱) مرثد بن ابی مرثد غنویؓ: آپ صحابی تھے۔ آپ بدر میں اپنے باپ کے ساتھ شریک ہوئے۔ آپ نے جب ہجرت کی تو نبی اکرم ﷺ نے ان کے اور اوس بن صامت کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ آپ بہت مضبوط اور طاقتور تھے (اسد الغابة، ۱/۳)

(۲) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۴۰۰۹، ۱/۴۲۲

(۳) صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب حفر الخندق، حدیث نمبر: ۲۸۳۷، ۷/۲۷۷

(۴) فیض الباری ترجمہ فتح الباری، ۴/۴۰۲

اس سے پتا چلتا ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے۔ غزوہ احزاب میں جب خندق کھودی گئی تو آپ ﷺ بھی اس کام میں شریک ہوئے۔

ت۔ غزوہ احزاب میں سخت بھوک کی وجہ اگر صحابہ کرام ؓ نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھا تو آپ ﷺ نے دو دو پتھر باندھے تھے۔ (۱)

ث۔ رسول اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ کرام ؓ سے بہت محبت اور ہمدردی تھی اس کی شہادت اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (۲)

ترجمہ: تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر ﷺ تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں جن کو تمہارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہارے فائدے کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں۔ ایمانداروں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں۔

اس آیت قرآنی میں رسول اکرم ﷺ کی چار صفات کا ذکر کیا گیا ہے:

۱. اللہ نے آپ ﷺ کو بہترین انسان بنایا تاکہ لوگوں کے لیے نمونہ اور مثال بن سکیں۔
۲. انسانی ہمدردی ان میں بہت زیادہ تھی۔ کسی کی تکلیف پر پریشان ہو جاتے تھے۔
۳. ہمدردی اس حد تک کرتے کہ ہر شخص کو دکھ، تکلیف اور پریشانی سے بچانے کے لیے ہر وقت ہر طرح کوشش کرتے تھے۔
۴. ایمان والوں کے ساتھ بھی ان کا یہی رویہ تھا کہ ان پر اور بھی زیادہ شفقت اور مہربانی کی جائے کیونکہ وہ فرمانبردار ہوتے ہیں۔ (۳)

ان واقعات سے آپ ﷺ کی اپنی فوج سے ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔

۱۲۔ حصول مقصد کے لئے کم سے کم جانی ومالی نقصان

ایک عظیم سپہ سالار کی پالیسی یہ ہوتی ہے کہ فتح کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور کم سے کم جانی ومالی نقصان بھی ہو۔ آپ ﷺ نے غیر مقاتل کو قتل کرنے سے منع کیا۔ کھیتوں اور بستیوں کو جلانے سے منع کیا اور صرف ایسے

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۱/۲۶۴

(۲) سورۃ التوبہ: ۹/۱۲۸

(۳) مفہوم القرآن، رفعت اعجاز، بیت القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۱۱ء، ۳/۲۷

لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی جو میدان جنگ میں لڑیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے آٹھ سال کے عرصے میں جنگیں لڑیں اور مقتولین کی تعداد ایک ہزار تک بھی نہیں پہنچی۔ (۱)

آپ ﷺ کے یہ وہ ذاتی اوصاف و کمالات ہیں جن کی وجہ سے آپ ﷺ تمام سپہ سالاروں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ سپہ سالار کا سب سے بہترین ہتھیار اس کی فوج کی تعداد یا اس کے ہاتھ میں جدید اسلحہ نہیں بلکہ اس کی اپنی شخصیت اور کردار ہیں اور اسی شخصیت اور کردار کی وجہ سے وہ فتح حاصل کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ چونکہ ایک بلند پائے کے اعلیٰ ترین انسان تھے اس لئے آپ ﷺ ایک قابل فخر چوٹی کے سالار بھی تھے۔ عصر حاضر میں ہر سپہ سالار کو آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنا چاہیے۔

---

(۱) نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، ص: ۱۲۲

مبحث دوم

آنحضرت ﷺ کی بحیثیت سپہ سالار اعظم حربی حکمت عملی

میدان جنگ میں اترنے سے پہلے ایک کامیاب سپہ سالار ایسی حکمت عملی اپناتا ہے جس سے کم وسائل کے ساتھ مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکیں۔ سپہ سالار کے اوصاف و کمالات اور فوج کی بہترین تربیت بے اثر ہو جاتی ہے اگر جنگی حکمت عملی معیاری نہ ہو۔ جنگی حکمت عملی سے ہی سپہ سالار کی صلاحتیں اور فوج کی قوت کھل کر سامنے آتی ہے اور ان کو نتیجہ خیز بناتی ہے۔ بعض اوقات اعلی ترین حکمت عملی فوج کی بڑی بڑی غلطیوں کو چھپا دیتی ہے اور اسی جنگی حکمت عملی سے وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی ہر جنگ میں حربی حکمت عملی ہر طرح سے بہترین اور بے مثل ہوا کرتی تھی۔ آپ ﷺ نے جتنی لڑائیاں لڑیں ان میں آپ ﷺ شرکت سے پہلے اپنے محدود وسائل کے ساتھ بھرپور انتظامات کیے اور جنگ کی ایسی منصوبہ بندی کی کہ قلت کے باوجود کثرت پر فتح حاصل کرلی۔ آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی مندرجہ ذیل امور کے تحت متعین ہوتی تھی۔

ا۔ مقصد کا تعین اور اس پر عمل

آپ ﷺ اپنے مقصد کا تعین فرماتے کیونکہ کسی مقصد کے بغیر جنگ لڑنا ہی غلط ہے اور پھر اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے مناسب پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ مندرجہ ذیل واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقصد کا تعین فرماتے تھے:

ا۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد سب سے پہلا جو معاہدہ مسلمانوں، مشرکین اور یہود کے درمیان طے کیا۔ اس میں آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ قریش مکہ کے خلاف ہر ممکن حد تک محاذ مضبوط کیا جائے تاکہ کوئی مشرک یا یہودی قریش کی جان و مال کو تحفظ فراہم نہ کریں۔[1] اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ پر ظلم و زیادتی کیں تو آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ نے مکہ چھوڑ دیا۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس معاہدے میں واضح طور پر بیان کیا کہ کوئی مشرک کے مال اور جان کو پناہ نہیں دے گا۔

ب۔ آپ ﷺ کا مقصد متعین کرنے کی واضح مثال صلح حدیبیہ کی ہے۔ اس میں آپ ﷺ کا مقصد قریش پر اخلاقی اثرات ڈالنا اور تبلیغ اسلام کے لئے امن کا راستہ ہموار کرنا تھا۔ آپ ﷺ قریش کے ساتھ جنگ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ جنگ کے بغیر انہیں متاثر کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ ﷺ نے سفر حدیبیہ کا مقصد عمرہ، امن اور جنگ بندی قرار دیا اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ احرام

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۲/۱۳۶

باندھا، قربانیاں ساتھ لیں اور صرف قافلے والوں جیسے ہتھیار ساتھ رکھے۔ جب آپ ﷺ کو قریش کی فوج کا مقابلے کے لئے آنے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے وہ راستہ چھوڑ کر غیر معروف راستہ اختیار کیا۔ پھر حدیبیہ کے مقام پر دونوں کے درمیان مذاکرات ہوئے اور قریش کے ساتھ صلح کا معاہدہ طے پا گیا اور اسلام قبول کرنے والوں کا اضافہ ہوا۔ (۱)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ مقصد کا تعین فرمایا اور پھر اس کے مطابق عمل فرمایا۔

۲۔ غیر متوقع حملہ

غیر متوقع حملہ جنگ کے میدان میں سب سے موثر، طاقتور اور دیرپا حربہ ہوتا ہے۔ جنگ میں غیر متوقع حملہ کرنا چاہیے جس کی دشمن کو توقع نہ ہو اور وہ اس کے لئے تیار ہی نہ ہو۔ جنگ میں ہمیشہ وہ سپہ سالار کامیاب ہوتا ہے جو غیر متوقع کاروائی کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی ہمیشہ اس حربہ پر منحصر رہی۔ آپ ﷺ نے بنو قریظہ، غزوہ خیبر، فتح مکہ اور بنو عیان وغیرہ کے ساتھ لڑائیوں میں اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ کامیاب غیر متوقع حملے کے لئے مندرجہ ذیل امور ضروری ہیں:

۱. جنگی ضروریات کے لئے اپنے ارادے اور طاقت کو مخفی رکھنا چاہیے۔

۲. ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف تیزی سے حرکت کرنا چاہیے۔

۳. غیر متوقع راستوں پر چلنا چاہیے۔

۴. غیر متوقع وقت کا انتخاب کرنا چاہیے۔

۵. غیر متوقع ہتھیاروں کا استعمال کرنا چاہیے۔

۶. نئے جنگی اسلوب اپنانے چاہیے۔ (۲)

یہ تمام امور آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی میں شامل رہے۔ مدینہ منورہ مسلمانوں کا مرکز تھا لیکن یہ کفار کے جاسوسوں سے بھرا پڑا تھا اور وہ ہر وقت مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کے مقاصد کو ناکام بنانے میں مصروف رہتے تھے ۔مگر وہ سب آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی کے آگے بے بس تھے۔ آپ ﷺ ہمیشہ اپنے ارادوں کو ان سے مخفی رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے سوائے تبوک کے اور تمام غزوات میں اپنی روانگی کو مخفی رکھا۔ جب آپ ﷺ کسی غزوہ کا ارادہ کرتے تو توریہ (۳) کر لیتے۔

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۲۳

(۲) نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمت عملی، محمد یسین سروہی، مشتاق بک کارنر اردو بازار، لاہور، ص:۵۲

(۳) توریہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسا کام یا ایسی بات کرنا جس کا ظاہری مقصد کچھ اور ہو اور اصل مقصد کچھ اور ہو (انسان کامل ﷺ، ص:۳۳۷)

اس کے بارے میں حضرت کعب بن مالکؓ [1] بیان کرتے ہیں:

((وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدُ غَزْوَةً إِلَّا وَرَّى بِغَيْرِهَا)) [2]

ترجمہ: اور رسول اللہ ﷺ جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کا جب کسی سے جہاد کا ارادہ ہوتا تو آپ ﷺ کسی اور جگہ کا نام مشہور کروا دیتے۔ اس طرح آپ ﷺ اپنے دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے تھے۔ ابن حجر اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر آپ ﷺ چاہتے کہ ایک جگہ جہاد کو جائیں گے تو لوگوں میں ایسا مشہور کر دیتے کہ اور جگہ جائیں گے اور یہ اس لئے تھا کہ دشمن غافل رہیں۔" [3]

اپنے راز کو مخفی رکھنے کی بہترین مثال وہ خط ہے جو آپ ﷺ نے عبد اللہ بن جحشؓ کو دے کر روانہ کیا [4] اور ساتھ یہ حکم دیا کہ اس خط کو دو دن کا سفر طے کر کے پڑھنا اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا۔ وہاں جا کے جب انہوں نے خط پڑھا تو اس میں دشمن کی اطلاعات حاصل کرنے کا حکم تھا۔ آپ ﷺ نے غزوہ فتح مکہ میں بھی اپنے ارادے کو مخفی رکھا یہاں تک کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ آپ ﷺ نے کس طرف روانگی کا ارادہ کیا ہے۔ [5] آپ ﷺ نہایت رازداری سے دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ فتح کرنے کے لئے تشریف لے آئے اور قریش مکہ کو کانوں کان اس کی خبر نہ ہو سکی۔

مقام کے لحاظ سے غیر متوقع حملہ کی مثالیں غزوہ بنی لحیان اور غزوہ خیبر ہیں۔ غزوہ بنی لحیان میں آپ ﷺ نے حملہ بنی لحیان پر کرنا تھا لیکن اپنی فوجوں کا رخ شمال کی طرف کیا۔ تاکہ بنی لحیان کو آپ ﷺ کی اصلی نقل و حرکت کا علم نہ ہو سکے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اچانک پلٹ کر بنی لحیان پر حملہ کر دیا۔ اس غیر متوقع حملے پر دشمن بوکھلا گیا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ غزوہ خیبر میں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے ایک دستے کو مقام رجیع [6] کی طرف روانہ فرمایا۔ [7] اس طرح ایک طرف آپ ﷺ نے غطفان والوں کو اس شبہ میں ڈالا کہ آپ ﷺ کا رخ انکی جانب ہے اور دوسری طرف خیبر کے یہودی اس وہم میں مبتلا تھے کہ آپ ﷺ کا رخ ان کی جانب ہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے

---

(۱) حضرت کعب بن مالکؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ کی کنیت بعض کے نزدیک ابو عبد اللہ، بعض کے نزدیک ابو بشیر اور بعض کے نزدیک ابو عبد الرحمن تھی۔ آپ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے۔ آپ غزوہ احد اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ آپ بدر اور تبوک میں شریک نہیں ہوئے۔ آپ کا انتقال خلافت معاویہ میں شام میں ہوا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۵/ ۶۱۰)

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ تبوک، حدیث نمبر: ۲۹۴۷، ۷/ ۴۵۴

(۳) فتح الباری، ۶/ ۱۱۳

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۵

(۵)) المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۶۸، ۲/ ۱۶۸

(۶) رجیع: یہ مقام مکہ اور عسفان (غطفان اور خیبر) کے درمیان تھا (معجم ما استعجم، ۱/ ۱۷۹)

(۷) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۳۵

ان دونوں کو شک میں ڈالے رکھا اور دونوں حلیفوں کو ایک دوسرے کی امداد سے روک دیا۔ پھر آپ ﷺ نے ایک چھوٹا دستہ غطفان والوں کی طرف روانہ کرکے بڑی فوج سے خیبر والوں کا محاصرہ کیا۔

وقت کے لحاظ سے غیر متوقع حملے کی مثال غزوہ بنی قریظہ ہے۔ اس میں آپ ﷺ ایسے وقت میں ان کی طرف روانہ ہوئے کہ انہیں اس وقت آپ ﷺ کے حملے کی توقع نہ تھی۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس جنگ میں کامیابی حاصل کی۔ (۱)

اسلوب جنگ کے لحاظ سے غیر متوقع حملہ کی مثال مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ غزوہ بدر میں پہلی دفعہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صفیں بنا کر جنگ لڑی۔ (۲) اس سے پہلے قریش جنگ مغلوبہ ہی کو جانتے تھے۔

ب۔ جنگ احزاب میں حضرت سلیمان فارسی ؓ کے مشورے سے خندق کھودی گئی۔ اس سے پہلے عرب والے محاصرہ میں اپنی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کے طریقے سے لاعلم تھے۔ (۳)

ت۔ آپ ﷺ نے اسلوب جنگ کے لحاظ سے طائف کے محاصرے میں دو نئے ہتھیاروں منجنیق اور دبابہ سے کام لے کر ان پر غیر متوقع حملہ کیا۔ (۴)

۳۔ مناسب طاقت کا حصول

آپ ﷺ نے آغاز وحی سے ہی دعوت اسلامیہ کی نشر واشاعت کے لئے کام کرنا شروع کر دیا۔ آپ ﷺ کا اسلام کی دعوت کو پھیلانے کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کی قوت بڑھے۔ آپ ﷺ کا مدینہ کی طرف ہجرت کا مقصد تمام وسائل قوت کو ایک جگہ اکٹھا کرنا تھا۔ میجر جنرل اکبر خان اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ہمارے مقصد کے لئے یہ اسباب و وجوہ کافی ہیں۔ انہیں ہم اس بات کی دلیل میں پیش کر رہے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے وفاعی منصوبہ کا نام ہجرت رکھا تھا اور اس میں مصلحت یہ تھی کہ دشمن کو غلط فہمی ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ آنحضرت ﷺ میدان چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ صحابہ کرام ؓ کو اس کا علم تھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی سنہ واقعہ ہجرت سے شروع کرکے اس کی اہمیت کا اعلان کیا۔ دنیا

---

(۱) انسان کامل ﷺ، ص: ۳۳۸

(۲) الطبقات الکبری، ۲/۱۵۔ سیرۃ ابن ہشام، ۲/۲۹۴

(۳) الروض الانف، ۶/۱۹۵

(۴) سیرت النبی ﷺ، ۱/۳۲۸

میں آج تک کسی قوم نے اپنی شکست یا کمزوری کی دائمی یادگار قائم کی۔ یہ انسانی نفسیات کے خلاف ہے۔[1]

جب مدینہ ایک دفاعی مرکز کے طور پر مستحکم ہو گیا تو پھر اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے لڑائی شروع کی۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ ہر جنگ میں پہلے سامان مکمل کیا اور اس کے بعد جنگ کی۔ آپ ﷺ نے قبائل کے ساتھ معاہدات کئے اور ان کو اپنا حلیف بنایا پھر آہستہ آہستہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ اللہ کے فضل سے اسلام کو وہ طاقت اور قوت حاصل ہو گئی جس نے عرب و عجم کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

۴۔ وسائل کا مناسب استعمال

وسائل کے مناسب استعمال سے مراد یہ ہے کہ امن کے قیام کے لئے کم سے کم طاقت کا استعمال کیا جائے۔ اس کا مقصد اپنے سے بڑی طاقت والے دشمن کو روکنے کے لئے موجودہ وسائل کو مناسب طریقے سے کام میں لایا جائے اور اپنے مقصد کو حاصل کر لیا جائے اور ایسے اسباب مہیا ہو جائیں جو زمان و مکان دونوں لحاظ سے مسلمانوں کے لئے مفید ہوں۔ آپ ﷺ نے تمام جنگوں میں طاقت کو استعمال کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔

۵۔ امن پسندی

امن سے مراد یہ ہوتا ہے کہ دشمن سے باحفاظت رہنے کے لئے اپنی قوت اور مواصلات کی نگہبانی کی جائے۔ تاکہ دشمن غیر متوقع طور پر حملہ نہ کر دے۔ سپہ سالار کا اہم فرض ہے کہ وہ اپنی فوج، سامان اور ذرائع و رسائل کی حفاظت کرے۔ امن اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب اپنی فوج دشمن کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہے اور دشمن کو اپنی فوج کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہ کرنے دی جائے۔ آپ ﷺ نے تمام غزوات میں اپنی فوجوں کی حفاظت کے لئے انتظامات کیے اور آپ ﷺ نے پوری کوشش کی کہ دشمن کو کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ نے معلومات حاصل کرنے کے لئے طلایہ گرد دستے مقرر کیے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ غزوات سے واپسی کے وقت لشکر کا ساقہ (پچھلا حصہ) مقرر فرماتے تھے۔ اس سے آپ ﷺ کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ دشمن کے غیر متوقع حملہ سے فوج کو محفوظ رکھا جائے۔[2] آپ ﷺ تمام کاموں میں رازداری سے کام لیتے تھے اور آپ ﷺ نے یہ حکم جاری کیا ہوا تھا کہ کوئی بھی اہم واقعہ رونما ہو جائے تو سب سے پہلے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی جائے۔ آپ ﷺ نے اپنے رازوں کی حفاظت کے لئے ایک نظام مرتب کیا ہوا تھا۔ آپ ﷺ تمام معاملات کو پہچان لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حاطبؓ کے رقعے کے بارے میں پتا چلا لیا۔[3] آپ ﷺ نے ابوسفیان کی آمد کا راز معلوم کروا لیا کہ وہ صلح کی مدت

---

(۱) حدیث دفاع، میجر جنرل اکبر خان، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۴ء، ص: ۱۸۰

(۲) انسان کامل ﷺ، ص: ۳۴۰

(۳) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۵/۱۴۵

بڑھانے مدینہ آرہے ہیں۔ آپ ﷺ یہود اور منافقین کی حرکات معلوم کر لیتے تھے اور ان کی چالوں کو ناکام بنا دیتے تھے۔ آپ ﷺ اس چیز کے خواہش مند تھے کہ اپنے رازوں کی حفاظت کی جائے اور دشمن کے رازوں سے باخبر رہنا چاہیے تاکہ امن برقرار رہے۔

۶۔ عمل سریع کی قوت

ایک سپہ سالار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنی جنگی قوت کی نقل و حرکت کو اتنا تیز رکھے کہ وہ اپنی منزل مقصود پر بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے پہنچ جائے۔ آپ ﷺ نے اس اصول کو ہمیشہ مد نظر رکھا اور مسلمان فوجیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تیزی سے حرکت کرتی تھیں اور اپنی منزل مقصود پر مناسب وقت پر پہنچتی تھیں۔ اس طرح دشمن کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے اور اپنے ارادے میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی ان کی سرکشی کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی فوج کی نقل و حرکت بے حد سریع تھی۔ مسلمانوں کی فوجیں مدینہ سے دور دراز علاقے دومتہ الجندل، تبوک، فلسطین کے علاقے اور طائف تک پہنچ گئیں۔ انہوں نے اکثر رات کو سفر طے کیا اور سفر کی تمام مشکلات برداشت کیں۔

۷۔ تعاون

تعاون سے مراد ہے کہ تمام فوجوں کا ایک ہی مقصد کی طرف رخ کرنا تاکہ جلد اس مقصد کو حاصل کیا جائے۔ اگر فوج آپس میں باہمی تعاون کا جذبہ رکھتی ہو تو کامیابی حاصل کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی تمام جنگوں میں تعاون کی قوت کو جاری رکھا۔ آپ ﷺ نے ہر شخص کو وہی کام سونپا جو وہ کر سکتا تھا۔ آپ ﷺ نے مجاہدوں کے درمیان تعاون پر بہت زور دیا۔ غزوات میں ایک دوسرے سے تعاون کرنے کی مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جنگ بدر میں تیر اندازوں کی جماعت نے تلوار چلانے والوں کے ساتھ تعاون کیا اور تلوار کی دوبدو جنگ سے پہلے قریش کو عظیم جانی نقصان پہنچا دیا۔ اس سے تلوار چلانے والوں کی مہم آسان ہو گئی اور قریش کا مقابلہ کرنے کی قوت کو ختم کر دیا۔ (۱)

ب۔ اگر لشکر سپہ سالار سے تعاون نہ کرے تو کامیابی دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ جس طرح میدان احد میں واقع ہوا جب تیر اندازوں نے اپنے سپہ سالار کی بات پر عمل نہیں کیا تو مسلمان مشکل میں مبتلا ہو گئے (۲) اور جونہی دوبارہ تعاون ہوا تو کفار اسی وقت میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔

---

(۱) انسان کامل ﷺ، ص: ۳۴۱

(۲) الرحیق المختوم، ص: ۲۶۴

ت۔ غزوہ حنین میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کی پسپائی کو ساقہ (پچھلا حصہ) کی مدد سے عظیم فتح میں تبدیل کر دیا۔[1]

آپ ﷺ نے تعاون کا وہ جذبہ پیدا فرمایا کہ ہر شخص نے اپنے اپنے طور پر جنگی خدمات سر انجام دیں۔ جنگ احد اور حنین میں بلند آوازوں نے خوب کردار ادا کر کے بہترین تعاون کا ثبوت دیا۔ دونوں جنگوں میں آپ ﷺ کی زندگی کی خوشخبری سنا کر یا بلند آواز سے آپ ﷺ کے پاس آکر لڑنے کی دعوت دے کر فتح کا سامان مہیا کیا۔

۸۔ امور ادار یہ

اگر جنگ کے انتظامات خراب ہو اور سپہ سالار کتنا بھی بہادر کیوں نہ ہو اچھے نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔ اسلام میں امور ادار یہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ پیدل فوج کے ساتھ گھوڑوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ﴾[2]

ترجمہ: تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی۔

اس آیت قرآنی میں مسلمانوں کو دشمنانِ حق کے مقابلے کیلئے ہر ممکن قوت تیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور انہیں کہا گیا ہے کہ تم ان دشمنان حق کے مقابلے کے لیے جو بھی قوت تم سے ہو سکے تیار کرو اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے مقابلہ کے لیے تیار رہو۔ مفسرین نے قوت سے مختلف چیزیں مراد لیں ہیں:

۱. ابن اسحاق وابن ابی حاتم کے مطابق قوت سے مراد گھوڑے تیار کرنا۔[3]

۲. ابن ابی شیبہ کے مطابق قوت سے مراد گھوڑے سے لے کر تیر تک اور جو اس کے علاوہ دیگر ہتھیار ہیں۔[4]

گویا کہ مسلمانوں کو اپنے دشمن سے مقابلہ کرنے کے لئے اپنی طاقت کے مطابق ہر وقت تیار رہنا چاہیے ۔ضرورت اور زمانہ کے حالات کے مطابق جس قدر اسلحہ حرب اور مسلح افواج تیار رکھ سکتے ہیں وہ تیار رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ قرآن مجید میں لوہے کا ذکر آیا ہے جس سے ہر طرح کے ہتھیار تیار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾[5]

---

(۱) جنگ سیرۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں، غلام غوث ہزاروی، مکی دار الکتب، لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء، ص:۳۵

(۲) سورۃ الانفال:۸/ ۶۰

(۳) الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، ۴/ ۸۳

(۴) ایضا

(۵) سورۃ الحدید:۵۷/ ۲۵

ترجمہ: اور ہم نے لوہے کو اتارا جس میں سخت ہیبت اور قوت ہے اور لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

اس آیت قرآنی میں لوہے کی نعمت اور اس کی غرض وغایت کا ذکر بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت زور بھی ہے اور دوسرے بہت سے فوائد و منافع بھی۔ لوہے سے جنگی ہتھیار بنتے ہیں جیسے تلوار، نیزہ، بندوق وغیرہ جن سے دشمن پر وار کیا جا سکتا ہے اور اپنا دفاع بھی۔ جنگی ہتھیاروں کے علاوہ بھی لوہے سے اور بھی بہت سی چیزیں بنتی ہیں جو گھروں میں اور مختلف صنعتوں میں کام آتی ہیں جیسے چھریاں، چاقو، قینچی، سوئی اور عمارت وغیرہ کا سامان اور چھوٹی بڑی مشینیں اور سازو سامان وغیرہ۔ اس آیت قرآنی کی تفسیر عبد الرحمن کیلانی اپنی کتاب تیسیر القرآن میں اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ”لوہا سے مراد ڈنڈا یا طاقت اور قوت نافذہ بھی ہے جو عدالتوں کو حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو لوگ لاتوں کے بھوت ہوں وہ باتوں سے کبھی نہیں مانتے اور جنگی یا سیاسی قوت اور سامان جنگ بھی جو بالعموم لوہے سے ہی تیار کیا جاتا ہے جیسے توپ و تفنگ، تیر، تلوار، میزائل، بندوقیں، رائفلیں اور کلاشنکوفیں وغیرہ۔ تاکہ ان رکاوٹوں کو دور کیا جا سکے جو اسلام کے نفاذ کی راہ میں حائل ہوں۔ ربط مضمون کے لحاظ سے لوہا سے مراد اسلحہ اور جنگی قوت لینا ہی زیادہ مناسب ہے۔ یہ تینوں چیزیں ہر رسول کو عطا کی گئیں جو کہ نظام عدل کے قیام اور اللہ کے دین کے نفاذ اور فتنہ و فساد کے قلع قمع کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔“(۱)

غرض کہ لوہا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت ہے۔ اس کے بہت زیادہ فوائد ہیں اور اس کا اصل مقصد جہاد فی سبیل اللہ کے لئے قوت کا ذریعہ بنے۔

آپ ﷺ کی انتظامی قابلیت بے مثل تھی اور آپ ﷺ نے ہمیشہ امور اداریہ کا خاص خیال رکھا۔ آپ ﷺ اسلحہ، بار برداری، پانی اور راشن وغیرہ ہر چیز کا خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ ہر لشکر کے افسر مقرر فرماتے۔ آپ ﷺ نے ہجرت کے بعد مسلمانوں کے دستے مختلف علاقوں میں بھیجے تاکہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں اور کسی قبیلہ سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کریں اور کسی سے دوستانہ معاہدہ کر کے اپنا حلیف بنائے اور اگر کوئی خطرناک دشمن ہو تو اسے مغلوب کریں۔ آپ ﷺ نے غزوہ موتہ میں تین علمبردار نامزد فرمائے۔(۲) غزوہ تبوک میں آپ ﷺ نے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ کو مقرر فرمایا۔(۳)

---

(۱) تیسیر القرآن، ۴/ ۳۸۲

(۲) الروض الانف، ۴/ ۱۶۴

(۳) ایضا، ۷/ ۳۸۸

۹۔ مشاورت

آپ ﷺ ہر معاملات میں صحابہ کرام ؓ سے مشاورت کرتے تھے لیکن جنگوں میں خصوصی طور پر صلاح و مشورے سے جنگی حکمت عملی وضع کرتے تھے اوراس کے بعد منصوبہ بندی کے ساتھ سختی سے عمل کرتے۔اس سے صرف ڈسپلن ہی قائم نہیں رہتا تھا بلکہ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں خود اعتمادی پیدا ہوتی تھی اور بعد میں یہی خود اعتمادی فتح کا پیش خیمہ ثابت ہوتی تھی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے مختلف موقعوں پر مشاورت فرمائی مثلاً:

ا۔ آپ ﷺ نے غزوہ بدر کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کے مشورے پر قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا کر دیا۔[۱]

ب۔ غزوہ احد کے موقع پر آپ ﷺ شہر کے اندر رہ کر مقابلہ کرنا چاہتے تھے لیکن نوجوان صحابہ ؓ چاہتے تھے کہ شہر سے باہر رہ کر دشمن کا مقابلہ کیا جائے تو آپ ﷺ نے ان کی بات مانی۔[۲]

ت۔ غزوہ احزاب میں حضرت سلیمان فارسی ؓ کے مشورے پر مدینہ کے اردگرد خندق کھودی گئی تھی۔[۳]

غرض کہ آپ ﷺ ہر اہم کام میں صحابہ کرام ؓ سے مشاورت لیتے تھے اور ان کے مشوروں پر عمل فرماتے تھے۔

۱۰۔ تجارتی راستوں کی ناکہ بندی

جنگ کی ایک بہترین حکمت عملی ہے کہ جنگ میں دشمن کی تجارتی شاہراہوں پر نظر رکھی جاتی ہے اور دشمن کی سپلائی لائن کاٹ کر اس کی جنگی صلاحیتوں کو مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ ہمیشہ دشمن کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھتے تھے۔ تجارتی راستوں کی ناکہ بندی سے دشمن کو احساس ہوتا تھا کہ اگر اس نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو مسلمان اس کے تجارتی راستوں کی ناکہ بندی کر کے اس کے تجارتی قافلوں کا راستہ روک دیں گے۔[۴] مکہ سے شام جانے والی تجارتی شاہراہ پر دستے بھیجنے کا آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ انکی تجارتی شاہراہ کو بند بھی کیا جا سکتا ہے۔

۱۱۔ افواج کی صف بندی

آپ ﷺ نے فوج کی صف بندی کر کے مجاہدین کے حملہ کرنے کی صلاحیت کو بہتر بنایا۔ آپ ﷺ جب جہاد کے لئے نکلتے تو لشکر کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے۔ پہلا حصہ مقدمتہ الجیش کہلاتا اس کے پیچھے لشکر کا بڑا حصہ ہوتا اور آخر میں مؤخر دستہ ہوتا۔ سفر کے دوران تینوں حصوں میں مواصلاتی رابطہ قائم ہوتا۔ میدان جنگ میں آپ ﷺ لشکر

---

(۱) الرحیق المختوم، ص:۳۱۴

(۲) سیرت النبی ﷺ، ۱/ ۲۳۴

(۳) الروض الانف، ۶/ ۱۹۵

(۴) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۵۵۲

کی ترتیب خود فرماتے۔ میدان جنگ میں سب سے پہلے پہنچتے اور جنگی اہمیت والے مقامات پر قبضہ کر کے اپنی مرضی کی جگہ پر لشکر کو اترنے کا حکم دیتے۔ غزوہ بدر کے موقع پر آپ ﷺ نے دشمن کو نشیبی زمین پر خیمہ زن ہونے پر مجبور کر دیا۔ جب بارش ہوئی تو نشیب میں پانی کھڑا ہو گیا اور وہ چلنے کے قابل نہیں رہے۔[1] اس جگہ میں سورج کا رخ مسلمانوں کی پشت کی جانب تھا اور کفار کے بالکل سامنے تھا۔ جس سے ان کی آنکھیں بار بار چندھیا جاتیں تھیں۔ اس سے دشمن کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگ احد میں آپ ﷺ نے تیر اندازوں کا ایک دستہ پہاڑی کے اوپر متعین فرمایا تاکہ دشمن عقب کے جانب سے حملہ آور نہ ہو سکیں۔[2]

جب کھلی جنگ ہوتی تو آپ ﷺ اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم فرماتے میمنہ، میسرہ، قلب اور محفوظ۔ آپ ﷺ فوج کی ترتیب اس طرح فرماتے کہ نیزہ بردار اگلی صفوں میں ہوتے، تیر اندازوں کو دونوں بازوؤں پر مقرر کیا جاتا اور شمشیر زن پیچھے ہوتے۔[3]

۱۲۔ رازداری اور جاسوسی نظام

آپ ﷺ نے اپنے منصوبوں کو ہمیشہ مخفی رکھا اور صحابہ کرام ؓ کو بھی ہدایت فرماتے کہ ہر مرحلہ پر مکمل رازداری سے کام لیں۔ غزوہ تبوک کے علاوہ کسی مہم میں بھی صحابہ کرام ؓ کو منزل کا پتا نہیں تھا۔[4] غزوہ بنی مصطلق میں آپ ﷺ نے خفیہ لکھائی کا طریقہ ایجاد کیا اور خفیہ الفاظ استعمال کئے۔ آپ ﷺ جنگ میں دوست اور دشمن کی پہچان کے لئے کچھ الفاظ بطور کوڈ رکھے ہوئے تھے جیسے غزوہ بدر میں احد احد اور غزوہ احد میں امت امت کے الفاظ بطور کوڈ استعمال کئے۔ آپ ﷺ دشمن کی نقل و حرکت سے باخبر رہنے کے لئے مختلف دستے روانہ فرماتے تھے جیسے غزوہ بدر سے پہلے آپ ﷺ نے آٹھ دستے روانہ فرمائے۔ آپ ﷺ اپنی جنگی سرگرمیوں کو اس حد تک خفیہ رکھتے تھے کہ غزوہ احزاب میں خندق کی کھدائی کا علم کفار کو مدینہ پہنچ کر ہوا۔ فتح مکہ میں مدینہ سے اسلامی لشکر کی روانگی کی خبر مکہ والوں کو نہیں ہوئی یہاں تک کہ ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ تبوک کا سفر غیر معروف راستوں سے طے کیا گیا۔ آپ ﷺ دشمن کی جنگی تیاریوں سے آگاہ ہونے کے لئے نو مسلم صحابہ ؓ کو بھیجا کرتے تھے اور دشمن ان افراد کے اسلام قبول کرنے سے لاعلم ہوتے تھے اس لئے انہیں دشمن کی معلومات حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوتی۔[5]

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۵

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۳/۱۱

(۳) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/۵۵۴

(۴) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/۱۸۱

(۵) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/۵۵۷

۱۴۔ نفسیاتی حربے

فریقین ایک دوسرے کے حوصلے پست کرنے کے لئے نفسیاتی حربے استعمال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مختلف غزوات میں ایسے اقدامات کیے کہ جس سے قریش کے حوصلے پست ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبہ کو ختم کر دیا۔

ا۔ غزوہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور اکثر صحابہ کرام ؓ زخمی تھے۔ آپ ﷺ نے اس اعصاب شکن ماحول میں قریش کا تعاقب کیا۔[1] اس جرأت مندانہ اقدام سے اردگرد کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی اور دوسری طرف قریش کو بھی یقین ہو گیا کہ مسلمانوں میں نقصانات کے باوجود اتنا دم خم ہے کہ وہ حملہ آور کو منہ توڑ جواب دے سکیں۔

ب۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلامی لشکر کو اردگرد کی پہاڑیوں پر بکھیر کر رات کے وقت سب کو آگ لگانے کا حکم دینا بھی ایک نفسیاتی حربہ تھا۔[2] اس سے ایک دو جگہ پر معمولی مزاحمت کے علاوہ مکہ والوں کو جرأت نہ ہو سکی کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کریں۔

ت۔ غزوہ حنین میں جب ایک مرحلے میں اسلامی لشکر میں شکست کے آثار پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے رجزیہ اشعار پڑھتے ہوئے دشمن کی طرف پلٹے۔ اس جرأت کو دیکھتے ہوئے صحابہ کرام ؓ بھی واپس پلٹے اور دشمن پر ٹوٹ پڑے اور فتح حاصل کی۔[3]

ث۔ محاصرہ طائف کے دوران بنو ثقیف کے وہ غلام جو مسلمانوں سے آملے تو انہیں آپ ﷺ نے آزاد کر کے ان کے دل جیت لئے۔[4]

آپ ﷺ کی جنگی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی حربی حکمت عملیوں سے مشکل حالات میں بھی حسن انتظام کا ثبوت دیا اور چاروں طرف کے دشمنوں سے قلیل تعداد کے ساتھ مقابلہ کیا اور فتح پائی۔

---

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۴۸

(۲) ایضا، ۲/ ۱۳۵

(۳) الروض الانف، ۷/ ۲۸۴

(۴) الرحیق المختوم، ص: ۴۱۸

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا حربی کردار

فصل چہارم

فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا حربی کردار

آپ ﷺ کی حربی زندگی میں بہترین حکمت عملیاں وہ ہیں جو آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے لئے اختیار کیں۔ آپ ﷺ کی حربی تدابیر ہی کی وجہ سے مکہ کے رہنے والوں کو بلا کسی شدید خون ریزی کے ایک ہی دن ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کردیا ۔اسلام کی عظیم الشان تاریخ میں فتح مکہ کواس اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے کہ یہ پہلاواقعہ ہے جس میں مکہ کے اندر دس ہزار مجاہد آپ ﷺ کی قیادت میں بھرپور عسکری تیاری کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور وہ بغیر کسی بڑے نقصان کے فتح حاصل کرتے ہیں۔مکہ کو فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ اپنے ان بدترین دشمنوں کے لئے عام معافی کا اعلان کرتے ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کو رات کی تاریکی میں وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھااور ہر طرح کی اذیت اور دکھ آپ ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کو پہنچائے تھے۔فتح مکہ میں آپ ﷺ کا حربی کردار ہر لحاظ سے برتر، امن پسند، خون ریزی سے متنفر، دور اندیش، محتاط اور انسان کے خیر خواہ کے طور پر نظر آئے گا۔فتح مکہ میں آپ ﷺ کا جو حربی کردار تھااور آپ ﷺ نے جو حربی تدابیر اختیار کیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔رازداری کا مکمل اہتمام

آپ ﷺ نے قریش کی وعدہ خلافی کی وجہ سے مکہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس چیز کا خاص خیال رکھا کہ کسی کو آپ ﷺ کے ارادے کا علم نہ ہوسکے۔ آپ ﷺ نے غزوے کے لئے سامان حرب کو تیار کرنے کا حکم دیا لیکن آپ ﷺ کے اکابر صحابہ کرام ؓ اور ازواج مطہرات ؓ کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ کس طرف آپ ﷺ کا کوچ کرنے کی تیاری ہے۔حضرت عائشہ ؓ سے حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اس بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہی تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔(۱) اس کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ سے مکہ کی طرف نکلتے وقت اپنے ارادے کا اظہار فرمایا اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

" اللّٰهُمَّ خُذْ عَلَى قُرَيْشٍ الْأَخْبَارَ وَالْعُيُونَ "(۲)

ترجمہ:اے باری تعالیٰ! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پکڑ لے (یعنی نہ قریش کو ہماری تیاری کی خبر ہو اور نہ ہماری تیاری کو دیکھ سکیں)۔

آپ ﷺ مکہ کو رازداری اور بغیر خونریزی کے فتح کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔اس لئے آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی ۔ آپ ﷺ نے مدینہ کی ناکہ بندی کی۔مدینہ سے باہر نکلنے کے جتنے بھی راستے تھے ان پر آپ ﷺ نے اپنے سپاہی

(۱)المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث نمبر ۹۶۸،۲/۱۶۸

(۲)المغازی،۲/۷۹۶

مامور کر دیئے۔ آپ ﷺ کی رازداری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے حلیف قبائل کو جنگ کی تیاری کی اطلاع دی لیکن یہ نہیں بتایا کہ کن کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ ﷺ نے چاروں طرف جاسوس پھیلا دیئے۔ آپ ﷺ کے گشتی دستے حرکت میں آگئے تاکہ قریش مکہ کو آپ ﷺ کی نقل و حرکت کا علم نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ نے راستے میں جو بھی مشکوک آدمی نظر آئے اسے روکنے کا اور اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ نے قریش کی طرف ایک خط لکھ کر ایک عورت کے ذریعے رسول اکرم ﷺ کا مکہ پر حملے کی اطلاع دی۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ؓ کی اس حرکت کے بارے میں اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ، حضرت مقداد ؓ اور حضرت زبیر ؓ کو اس عورت کے تعاقب میں روانہ کیا۔ انہوں نے وہ خط اس سے بر آمد کر لیا۔[۱] آپ ﷺ کی نظر اتنی دور کی تھی کہ آپ ﷺ نے اس خط کو ٹھکانے پہنچنے سے پہلے ہی بر آمد کر والیا۔

آپ ﷺ نے دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے مدینہ سے جنوب کی جانب مکہ جانے کے بجائے آپ ﷺ لشکر کے ساتھ شمال کی جانب روانہ ہوئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ ﷺ شام کی طرف حملہ کرنے جارہے ہیں ۔راستے میں آپ ﷺ اپنے حلیف قبائل کو ساتھ لے کر شمال مشرق کی طرف جاتے ہیں اور پھر جنوب مشرق کی طرف۔[۲] یہاں تک کہ آپ ﷺ سمت بدلتے بدلتے اور غیر معروف اور نامعلوم راستوں سے ہوتے ہوئے مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر نہایت رازداری سے مر الظہران کے مقام تک پہنچ گئے[۳] اور قریش کو اسلامی لشکر کی روانگی کا علم ہی نہ ہو سکا۔

۲۔ معلومات کا حصول

ایک سپہ سالار اپنا جنگی نقشہ اس وقت باریک بینی سے تیار کر سکتا ہے جب اسے دشمن کی فوجوں کی تعداد کے بارے میں، ان کے ارادوں کے بارے میں، ان کے ہتھیاروں کے بارے میں اور ان کے اسلوب جنگ کے بارے میں پتا ہو۔ ان تمام معلومات کی وجہ سے اس کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ آپ ﷺ قریش کی عہد شکنی کی تمام معلومات بنو خزاعہ کے وفد سے سن چکے تھے[۴] اور آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ قریش اس حملے کے بارے میں لاعلم ہیں۔ آپ ﷺ نے معلومات کے حصول کے لئے اپنے جاسوس مقرر کیے ہوئے تھے۔ اس طرح ہر کام کی اطلاع آپ ﷺ کو بالکل صحیح وقت پہ مل جاتی تھی اور کون مدینہ آیا ہے اور کون یہاں سے باہر گیا ہے۔

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی ، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر: ۴۲۷۴، ۵/۱۴۵

(۲) البدایہ والنہایہ، ۴/۳۳۲

(۳) ایضا

(۴) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۰۵۲، ۲۳/۴۳۳

قریش مکہ کو مسلمانوں کے بارے میں کوئی اطلاع مہیا نہ ہو سکی۔ ابو سفیان نے بہت کوشش کی کہ آپ ﷺ کے ارادوں کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت حبیبہ ؓ سے معلومات حاصل کر سکے لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ پھر انہوں نے مدینہ کے مسلمانوں سے معلومات حاصل کرنی چاہی لیکن انہیں کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکی۔ مکہ سے مدینہ کے راستے میں اس کی ملاقات بنو خزاعہ کے وفد سے ہوئی اور انہوں نے ان سے معلومات حاصل کرنی چاہی لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات سے ہی انکار کر دیا۔(۱) اس طرح قریش مکمل طور پر اندھیرے میں رہے اور انہیں مدینے والوں کی کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے قریب پہنچ گیا۔

۳۔ راستوں کو کنٹرول کرنے کے لیے چیک پوسٹ

آپ ﷺ دشمن کو غافل رکھنے کے لیے نہایت خفیہ طریقہ سے قدم اٹھا رہے تھے اور بہت باریک بینی سے کام لے رہے تھے۔ اس کام کے لیے آپ ﷺ کے حکم سے مدینہ کے تمام راستوں پر پہرے بیٹھا دیئے گئے تھے اور مشکوک افراد کی آمد پر کڑی نگاہ رکھی جا رہی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش کے جاسوس لشکر اسلام کی روانگی سے آگاہ ہو جائیں۔

۴۔ سریع الحرکت فوج

آپ ﷺ نے اس اصول کو ہمیشہ مد نظر رکھا اور مسلمان فوجیں اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تیزی سے حرکت کرتی تھیں اور اپنی منزل مقصود پر مناسب وقت پر پہنچتی تھیں۔ اس طرح دشمن کی تیاریاں مکمل ہونے سے پہلے اور اپنے ارادے میں کامیاب ہونے سے پہلے ہی ان کی سرکشی کو ختم کر دیا جاتا تھا۔ آپ ﷺ کی فوج کی نقل و حرکت بے حد سریع تھیں۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے بہترین حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنی فوج کو اتنی تیزی سے حرکت میں لائے کہ ایک ہفتہ میں مدینہ سے مکہ کا فاصلہ طے کر کے دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور انہیں پتا ہی نہ چل سکا۔

آپ ﷺ کی سریع الحرکت فوج کے بارے میں خالد علوی بیان کرتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ کی قوت، مرونت اور آپ ﷺ کی فوج کی نقل و حرکت بے حد سریع تھی۔ ایسی تیزی جو اس زمانے کے نہایت طاقتور لشکر کی تیز رفتاری سے کم نہیں ہے۔"(۲)

آپ ﷺ کی فتح مکہ میں اسلامی فوج کی سریع الحرکت کی حکمت عملی کی بدولت قریش مکہ کو موقع ہی نہیں مل سکا کہ وہ اپنے حلیفوں سے رابطہ کر کے ان سے مدد حاصل کر سکیں۔ اس طرح آپ ﷺ نے کامیابی حاصل کر لی۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۱۳

(۲) انسان کامل، ص: ۳۴۱

۵۔ نظم وضبط

فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی اور ان کا تعلق مختلف قبائل سے تھا۔ اس لشکر میں مہاجرین اور انصار کے علاوہ مختلف قبائل کے لوگ شامل تھے۔ ان سب لوگوں کے درمیان اتحاد تھا اور ان کا مقصد ایک تھا، اسی لئے کفار کو ان سے مقابلے کی جرأت نہ ہو سکی۔ آپ ﷺ نے تمام قبائل کی فوجوں کو حکم جاری کیا کہ وہ بغیر کسی نقصان اور خون ریزی کے جبل ہند پر پہنچیں۔ لہٰذا جیسے ہی حضرت سعد بن عبادہؓ نے اپنے لشکر کی قیادت کرتے ہوئے کہا:

((اليَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ، اليَوْمَ تُسْتَحَلُّ الكَعْبَةُ))(۱)

ترجمہ: آج کا دن جنگ کا دن ہے آج کعبہ (میں کافروں کا کشت وخون) حلال ہو جائے گا۔

ان الفاظ میں حضرت سعد بن عبادہؓ نے غیر اخلاقی نعرے بلند کئے۔ انہوں نے ابو سفیانؓ کو خون ریز واقعات بپا کرنے کی دھمکی دی کہ آج کا دن جنگ کا دن ہے، آج خون ریزی اور قتل غارت حلال ہو گی۔ آپ ﷺ کو جب اس کے بارے میں پتا چلا تو آپ ﷺ ان الفاظ کی تردید کرتے ہوئے یہ فرمایا:

((هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيهِ الكَعْبَةَ، وَيَوْمٌ تُكْسَى فِيهِ الكَعْبَةُ))(۲)

ترجمہ: آج کا دن تو وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کو عظمت وبزرگی عطا فرمائے گا اور کعبہ کو آج غلاف پہنایا جائے گا۔

آپ ﷺ نے ان الفاظ میں حضرت سعد بن عبادہؓ کی دھمکی کی نفی فرمائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آج قتل وغارت نہیں بلکہ آج کعبہ کی عظمت وبزرگی کا دن ہے۔ آپ ﷺ پرامن طور پر مکہ کو فتح کرنا چاہتے تھے اور فتح مکہ کے دن کسی کی تذلیل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے صرف یہ بات نہیں فرمائی بلکہ ان کے خدشات کو دور کرنے کے لئے حضرت سعد بن عبادہؓ کو ان کے منصب سے معزول کر کے جھنڈا ان کے بیٹے قیس بن سعدؓ کے ہاتھ میں دے دیا۔(۳)

تمام سپہ سالار آپ ﷺ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے بغیر خون ریزی کے سوائے حضرت خالد بن ولیدؓ سے مزاحمت کرنے والوں کے واقعہ کے جبل ہند کے مقام پر اکٹھے ہو گئے اور سارے مکہ کو محاصرے میں لے لیا۔

۶۔ نفسیاتی دباؤ

آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ طاقت کے استعمال کے بغیر نفسیاتی محاذ پر دشمن کو شکست دی جائے۔ ان کے اندر مقابلہ کرنے کی روح ختم کی جائے اور وہ بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیں۔ اسی وجہ سے مر الظہران پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/ ۱۴۶

(۲) ایضا

(۳) الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۱۳۶۔ سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۷

اپنی فوج کے ہر سپاہی کو کہا کہ وہ الگ الگ آگ روشن کریں۔[1] اس طرح دشمن پر مسلمانوں کی تعداد زیادہ ظاہر ہو۔ آگ سے تمام صحرا روشن ہو گیا۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاءؓ تحقیق کے لئے باہر نکلے اور جب انہوں نے دس ہزار چولہوں کو روشن دیکھا تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ حضرت عباسؓ ابوسفیان کو اپنے خچر میں سوار کر کے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا تو آپ ﷺ نے اس کو امان دے دی۔[2] دوسرا آپ ﷺ نے حضرت ابو سفیانؓ پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ آپ حضرت ابوسفیانؓ کو پہاڑ کے ناکے پر وادی کی تنگ جگہ پر کھڑا کر دیں تا کہ ابوسفیانؓ لشکر اسلام کو دیکھ سکیں۔ حضرت عباسؓ نے ایسے ہی کیا۔[3] اس طرح کے اقدامات سے ابوسفیانؓ کے حوصلے پست ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مصلحت اسی میں سمجھی کہ ان کو رہا کر دیں تا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر ان کے حوصلوں کو متزلزل کرے یہ وہی مقصد تھا جو رسول اکرم ﷺ چاہتے تھے۔ ابوسفیانؓ نے اس کام کو بخوبی انجام دیا۔ آپ ﷺ کا ابوسفیانؓ پر اختیار کردہ نفسیاتی وار خالی نہیں گیا اور جب یہ مکہ گئے تو انہوں نے مکہ جا کر لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کے لشکر کے بارے میں اطلاع دی۔ ان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے لوگوں کو حضرت ابوسفیانؓ کی باتوں پر یقین نہ کرنے کو کہا تو حضرت ابوسفیانؓ نے غصے سے قریش مکہ کو کہا:

"وَيْلَكُمْ لَا تَغُرَّنَّكُمْ هَذِهِ مِنْ أَنْفُسِكُمْ فَإِنَّهُ قَدْ جَاءَكُمْ مَا لَا قِبَلَ لَكُمْ بِهِ فَمَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ قَالُوا: قَاتَلَكَ اللَّهُ وَمَا تُغْنِي عَنَّا دَارُكَ ، قَالَ وَمَنْ أَغْلَقَ عَلَيْهِ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ فَتَفَرَّقَ النَّاسُ إِلَى دُورِهِمْ وَإِلَى الْمَسْجِدِ"[4]

ترجمہ: اس کے بہکاوے میں آکر دھوکے میں مبتلا نہ ہو، محمد ﷺ لشکر لے کر آگئے ہیں۔ جو ابو سفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے، اسے امان ہے۔ تو لوگوں نے کہا کہ اللہ تجھے مارے، تیرے گھر کتنے آدمیوں سما سکتے ہیں؟ ابوسفیانؓ نے کہا جو اپنا دروازہ اندر سے بند کر لے، اسے بھی امان ہے اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے، اسے بھی امان ہے۔ یہ سنتے ہی لوگ تیزی سے اپنے گھروں کو اور بہت سے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔

ان الفاظ میں حضرت ابوسفیانؓ نے مکہ والوں کو اپنی بیوی کی باتوں پر یقین نہ کرنے کا کہا اور اسلامی لشکر اور آپ ﷺ کے مقرر کردہ امن کے لئے مخصوص کیے گئے مقامات کے بارے میں بتایا۔

(۱) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۳۵

(۲) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۴

(۴) ایضا

آپ ﷺ کے اس طرح کے اقدامات کی وجہ سے مکہ میں قریشیوں کو ہراساں کرنے اور بغیر خونریزی کے ہتھیار ڈال دینے میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس طرح نفسیاتی طور پر ان کے حوصلے کمزور ہوگئے اور مسلمانوں کی ہیبت سے ان کے خلاف کوئی بھی اقدام نہیں کر سکے۔

۷۔ دور اندیشی

کامیاب سپہ سالار کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کے اندر دور اندیشی کی صفت پائی جائے۔ اسلامی لشکر مر الظہران سے مکہ کی طرف روانہ ہوا تو آپ ﷺ نے ابوسفیانؓ کے دل میں اسلام کی شان و شوکت کو گہرا کرنے کے لئے ابوسفیانؓ کو پہاڑ کے ناکے پر وادی کی تنگ جگہ پر کھڑا کروایا تاکہ وہ لشکر اسلام کو دیکھ سکیں۔[۱] اس طرح کے مظاہروں کو کروانے کا آپ ﷺ کا ایک مقصد یہ تھا کہ دشمن کی قیادت کو مرعوب کیا جائے اور جب یہ مکہ جائے تو اپنی قوم کو چشم دید حالات سے دلیل اور یقین کے ساتھ بیان کریں۔ ابوسفیانؓ کے دل میں جنگ کا خیال نہ آئے اور قریش کو مسلمانوں کی عظیم طاقت سے ڈرائے اس طرح تصادم کا خطرہ نہیں ہوگا۔ محمد سعید رمضان البوطی اس نظارہ کا مقصد اس طرح بیان کرتے ہیں:

" حتی تکون هذه العبرة البالغة أول مثبت لدينه ومؤكد لعقيدته "[۲]

ترجمہ: تاکہ یہ حیران کن نظارہ ان کے دین کو استحکام بخشے اور ان کے عقیدہ کو راسخ کرنے کا اولین ذریعہ بن جائے۔

حضرت ابوسفیانؓ نے اسلامی لشکر کو دیکھ کر یوں کہا:

((ما لأحد بهؤلاء قِبَلٌ ولا طاقة))[۳]

ترجمہ: ان سے لڑائی کی بھلا کس میں اتنی طاقت ہے۔

ان الفاظ میں ابوسفیانؓ نے خود اس چیز کا اقرار کیا کہ قریش مسلمانوں کی اس فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج کو منظم کیا اور شہر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ آپ ﷺ نے ہر سمت میں اتنی فوج متعین کر دی کہ وہ خود بغیر کسی کی مدد کے ان کا مقابلہ کر سکیں۔ آپ ﷺ کو اس چیز کا اندازہ تھا کہ قریش مقابلہ نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے دور اندیشی سے کام لے کر تدابیر اختیار کیں۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۴

(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۷۴

(۳) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

۸۔ فوج کے دستوں کی تقسیم اور آفیسرز کا تعین

مدینہ سے مکہ کی طرف اسلامی لشکر بغیر ترتیب کے روانہ ہوا تھا۔کیونکہ بعض قبائل راستے میں آکر آپ ﷺ کی فوج میں شامل ہوئے۔جب قدید کے مقام پر پوری فوج اکٹھی ہوگئی تو نبی اکرم ﷺ نے قدید کے مقام پر پڑاؤ کیا تاکہ آپ ﷺ کی فوج کچھ دیر آرام کرلے۔یہاں پر آپ ﷺ نے فوج کی تیاری کی اور فوج کے علمبر دار اور دستوں کے آفیسرز مقرر کئے۔آپ ﷺ نے فوج کی تیاری قبائلی بنیادوں پر کی اور ہر قبیلے کی فوج پر اسی قبیلے کا افسر مقرر کیا۔ بنو اوس کے چھ دستے بنائے اوران کے آفیسرز ابو نائلہ ؓ(۱)، قتادہ ؓ،ابو بردہ ؓ(۲)،جبر بن عتیک ؓ(۳)،ابو لبابہ بن عبدالمنذر ؓ(۴) اور مبیض ؓ(۵) مقرر کئے۔بنو خزرج کے چھ دستے بنائے اوران کے آفیسرز ابو اسید الساعدی ؓ(۶)،عبداللہ بن زید ؓ(۷)،قطبہ بن عامر ؓ،عمارہ بن حزم ؓاور سلیط بن قیس ؓ(۸)مقرر کئے۔مہاجرین کے تین دستے بنائے اوران کے آفیسرز علی بن ابی طالب ؓ،زبیر بن عوام ؓ اور سعد بن ابی وقاص ؓمقرر کئے۔بنو مزنیہ کے تین دستے بنائے اوران کے آفیسرز نعمان بن مقرن ؓ(۹)،بلال بن حارث ؓاور عبداللہ بن عمرو ؓمقرر کئے۔بنو جہینہ کے چار دستے

---

(۱) ابو نائلہ ؓ:آپ کانام سلکان بن سلامہ تھا۔آپ کا تعلق انصار سے تھا۔آپ بہترین تیر انداز اور شاعر تھے۔آپ غزوہ احد اور بعد کے غزوات میں شریک ہوئے(الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۷/۴۰۹)

(۲)ابو بردہ ؓ:آپ کا نام ہانی بن نیار تھا۔آپ انصار کے حلیف تھے اور تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ معاویہ ؓ کے دور خلافت میں شہید ہوئے(اسد الغابہ،۳/۱۴۳)

(۳)جبر بن عتیک ؓ:آپ کا تعلق انصار سے تھا۔آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ نے ۶۱ھ میں وفات پائی(اسد الغابہ،۱/۱۶۳)

(۴) ابو لبابہ بن عبد المنذر ؓ:آپ کانام رفاعہ بن عبدالمنذر تھا۔آپ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔آپ انصار کے بارہ نقیبوں میں سے تھے ۔ آپ کا انتقال حضرت علی ؓ کے دور خلافت میں ہوا(اسد الغابہ،۳/۲۳۶)

(۵)مبیض ؓ: آپ کانام مبیض یا نبیض تھا۔آپ کا تعلق انصار سے تھا(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،۳/۵۸۹)

(۶)ابو اسید ؓ:آپ کا نام مالک بن ربیعہ تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ نے ۶۰ھ میں وفات پائی(الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،۵/۷۲۳)

(۷) عبداللہ بن زید ؓ:آپ بیعت عقبہ اور غزوہ بدر میں شریک ہوئے۔آپ غزوہ احد میں شہید ہوئے(اسلام کے فیصلہ کن معرکے فتح مکہ، محمد احمد باشمیل،(مترجم:اختر پوری)نفیس اکیڈمی، کراچی، دسمبر ۱۹۸۴ء، ص:۱۷۴)

(۸)سلیط بن قیس ؓ: آپ کا تعلق انصار سے تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔آپ نے جنگ جسر میں شہادت پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،۳/۱۶۳)

(۹) نعمان بن مقرن ؓ:آپ کا تعلق بنو مزینہ سے تھا۔آپ نے اصبهان فتح کیا۔آپ نے ۲۱ھ میں وفات پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابۃ،۶/۴۵۳)

بنائے اوران کے آفیسر زسوید بن صخر ؓ(۱)، رافع بن مکیث ؓ، ابو زرعہ ؓ(۲) اور عبد اللہ بن بدر ؓ(۳) مقرر کئے۔ بنو سلیم کے تین دستے بنائے اوران کے آفیسر زعباس بن مرداس ؓ(۴)، خفاف بن ندبہ ؓ(۵) اور حجاج بن علاط ؓ مقرر کئے۔ بنو خزاعہ کے تین دستے بنائے اوران کے آفیسر زبسر بن سفیان ؓ(۶)، ابن شریح ؓ(۷) اور عمرو بن سالم ؓ مقرر کئے۔ بنو اسلم کے دو دستے بنائے اوران کے آفیسر زبریدہ بن حصیب ؓ(۸) اور ناجیہ بن اعجم ؓ(۹) مقرر کئے۔ بنو غفار کا ایک دستہ بنایا اور ان کا افسر ابو ذر غفاری ؓ کو بنایا۔ بنو لیث کا ایک دستہ بنایا اور ان کا افسر صعب بن جثامہ ؓ(۱۰) کو بنایا بنو اشجع کے دو

---

(۱)سوید بن صخر ؓ: آپ کا تعلق بنو جہینہ سے تھا۔ آپ قدیم الاسلام تھے۔ آپ حدیبیہ اور فتح مکہ میں شریک ہوئے (اسد الغابہ، ۱/۹۴)

(۲)ابو زرعہ ؓ: آپ کا نام زید بن خالد تھا۔ آپ کا تعلق بنو جہینہ سے تھا۔ آپ بیعت رضوان میں شریک تھے اور آپ فتح مکہ کے دن بنوجہینہ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ نے ۷۸ھ کو مدینہ میں وفات پائی (الاصابہ فی تمییز الصحابہ ، ۲/۶۰۳)

(۳)عبد اللہ بن بدر ؓ: آپ کا نام عبد العزی تھا جسے رسول اکرم ﷺ نے تبدیل کیا۔ آپ نے غزوہ احد میں شرکت کی۔ آپ فتح مکہ کے دن بنوجہینہ کا پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ معاویہ ؓ کے دور خلافت میں فوت ہوئے (الاصابہ فی تمییز الصحابہ، ۴/۱۹)

(۴)عباس بن مرداس ؓ: آپ کی کنیت ابو الہیثم یا ابو الفضل تھی۔ آپ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا (اسد الغابۃ، ۲/۷۷)

(۵) خفاف بن ندبہ ؓ: آپ کی کنیت ابو خراشہ تھی۔ آپ مشہور شاعر تھے۔ آپ فتح مکہ کے دن بنو سلیم کا ایک پرچم اٹھائے ہوئے تھے۔ آپ غزوہ حنین اور طائف میں شریک ہوئے۔ آپ نے ۷۸ھ کو مدینہ میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۱/۳۲۷)

(۶) بسر بن سفیان ؓ: آپ کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا۔ آپ نے ۶ھ میں اسلام قبول کیا (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ، ۲۹۲/)

(۷) ابن شریح ؓ: آپ کا نام خویلد بن عمرو تھا۔ آپ نے فتح مکہ سے پہلے اسلام قبول کیا۔ آپ نے ۶۸ھ میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۳/۱۹۵)

(۸) بریدہ بن الحصیب ؓ: آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ آپ بیعت رضوان میں شریک تھے ۔ آپ مدینہ کے رہنے والے تھے ۔ مگر بعد میں بصرہ چلے گئے اور مرو میں وفات پائی (اسد الغابۃ، ۱/۱۱۰)

(۹) ناجیہ بن اعجم ؓ: آپ بیعت رضوان میں شریک تھے۔ آپ معاویہ ؓ کے دور خلافت میں فوت ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ،۶/۳۹۸)

(۱۰) صعب بن جثامہ ؓ: آپ کا تعلق بنو لیث سے تھا۔ آپ کی والدہ ابو سفیان بن حرب کی بہن تھی۔ آپ فتح اصطخر میں شریک ہوئے۔ آپ نے حضرت عثمان کے دور خلافت میں وفات پائی (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۳/۴۲۶)

دستے بنائے اور ان کے آفیسر نعیم بن مسعود ؓ اور معقل بن سنان ؓ کو بنایا۔ بنو تمیم کا ایک دستہ بنایا اور ان کا افسر اقرع بن حابس ؓ(۱) کو بنایا۔(۲)

۹۔ رسد ور سائل کی فراوانی

آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوران دس ہزار فوج کے لئے بہتر انتظامات کئے ہوئے تھے۔ کسی آدمی کو بھی سامان خورد و نوش کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اس سفر میں نقل و حرکت کا بھی سامان بہت تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی بڑی تعداد موجود تھی اور اکثریت کو سواری میسر تھی۔ اسلحہ بھی سب کے پاس تھا۔ زرہیں اور خود خصوصاً انصار و مہاجرین کے لشکر کے پاس اتنی تھی کہ اکثر فوج کی صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کے دستوں کو سبز دستے کہا گیا۔ آپ ﷺ اسی دستے میں شامل تھے۔(۳) بہترین انتظامی امور کی وجہ سے مسلمان فوج جوش و خروش اور یک سوئی کے ساتھ مہم میں شریک تھی۔

۱۰۔ حصول مقصد کے لئے کم سے کم جانی نقصان

عصر حاضر میں ایک عظیم سپہ سالار کی حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ فتح کا مقصد بھی حاصل ہو جائے اور جانی نقصان بھی کم سے کم ہو خواہ یہ نقصان اپنی فوج کی طرف سے ہو یا دشمن کی۔ اگر دشمن کے بے دریغ لوگوں کو قتل کر کے فتح حاصل کی جائے تو ایسی فتح کا تعلق فوج کی بہادری سے تو ہو سکتا ہے لیکن سپہ سالار کی حکمت عملی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ جنگ کا اصل مقصد قتل و غارت نہیں بلکہ علاقہ کو فتح کرنا ہوتا ہے۔ وہ فتح سپہ سالار کی عظمت کی دلیل ہوتی ہے جس میں کم سے کم نقصان ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کی حکمت عملی مکہ کو بغیر کسی جانی نقصان کے پر امن طور پر فتح کرنا تھی۔ آپ ﷺ نے طے کر لیا تھا کہ مکہ میں اسلامی لشکر بغیر خون ریزی کے داخل ہو گا اور قریش کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔ آپ ﷺ نے اپنے سالاروں کو مکہ میں ہتھیار استعمال کرنے سے منع کیا اور چند لوگوں کے سوا کسی شخص کو قتل نہ کرنے کا حکم دیا۔(۴) آپ ﷺ نے حجاز کے مرکزی شہر مکہ کو فتح کیا تو صرف دو مسلمان شہید ہوئے(۵) اور بارہ مشرکین مکہ مارے گئے۔(۶) آپ ﷺ کو اتنی خون ریزی بھی گوارا نہیں تھی اور آپ ﷺ نے اتنے نقصان کو برا جانا۔

---

(۱) اقرع بن حابس ؓ: آپ کا تعلق بنو تمیم سے تھا۔ آپ فتح مکہ، غزوہ حنین اور غزوہ طائف میں شریک ہوئے۔ آپ جوزجان میں شہید ہوئے (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۱/۱۰۱)

(۲) اسلام کے فیصلہ کن معرکے فتح مکہ، ص: ۱۷۱-۱۸۲

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۲۴

(۴) ایضاً، ۴/۲۸

(۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

(۶) سیرۃ ابن ہشام، ۴/۶۲۹

۱۱۔دفاعی حکمت عملی

آپ ﷺ نے بہترین دفاعی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے مکہ میں داخلہ کے وقت یہ اعلان فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ)) (۱)

ترجمہ: جو شخص ابوسفیان ؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہو گی، جو اپنا دروازہ بند کر کے گھر بیٹھ جائے، اسے بھی امان حاصل ہو گی اور جو بیت اللہ میں چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہو گی۔

آپ ﷺ کے مقرر کردہ امن کے مخصوص کیے گئے ان مقامات کی وجہ سے دو فائدے ہوئے:

۱. ہتھیار رکھنے والے اور مزاحمت کرنے والوں میں فرق ہو گیا۔
۲. دشمن کے لوگوں کو آپ ﷺ نے تین مقامات پر تقسیم کر دیا۔ اس طرح دشمن منتشر ہو گئے اور وہ مدافعت کے قابل نہیں رہے۔

آپ ﷺ نے بہترین دفاعی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے مکہ کو فتح کرنے میں کامیاب ہوئے۔

۱۲۔لشکر کی ترتیب

آپ ﷺ نے بہترین جنگی تدابیر اختیار کرتے ہوئے لشکر کی تقسیم و ترتیب فرمائی۔ میسرہ کی قیادت حضرت زبیرؓ کو تفویض کی اور انہیں حکم دیا کہ شمال کی جانب سے مکہ میں داخل ہوں۔ میمنہ لشکر کا سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کو مقرر کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ جنوب کی جانب سے مکہ میں داخل ہوں۔ انصار کی قیادت حضرت سعد بن عبادہؓ کو سونپی اور انہیں آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ مغرب کے راستے مکہ میں داخل ہوں۔ مہاجرین کی قیادت حضرت ابو عبیدہؓ کو سونپی اور انہیں حکم دیا کہ وہ شمال مغرب کی جانب سے جبل ہند سے گزرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوں۔(۲) مکہ میں مختلف راستوں سے داخلے کا مقصد محمد سعید رمضان البوطی اس طرح بیان کرتے ہیں:

" ذلك بغية تفويت فرصة القتال على أهل مكة إن أرادوا ذلك إذ يضطرون إلى تشتيت جماعاتهم وتبديد قواهم في جهات مكة وأطرافها فتضعف لديهم أسباب المقاومة ومغرياتها "(۳)

ترجمہ: اس کا مقصد یہ تھا کہ اہل مکہ کی جانب سے مزاحمت اور جنگ کی نوبت نہ آئے کیونکہ اس صورت میں اگر وہ جنگ کرنا چاہتے تو مجبوراً انہیں اپنی جماعتوں کو تقسیم کرنا پڑتا اور جنگ جوؤں کو

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۹/۸

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲۸/۴۔ صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۱۴۰۷/۳

(۳) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدہ، ۲۷۶/۱

مکہ کی مختلف سمتوں میں بھیجنا پڑتا اس طرح مزاحمت کے اسباب کمزور پڑ جاتے اور وہ اس پر آمادہ نہ ہوتے۔

محمد حمید اللہ نے آپ ﷺ کا لشکر کو چار حصوں میں ترتیب و تقسیم کے بارے میں دو مصلحتیں بیان کیں ہیں:

۱. دشمن کو اگر کوئی امداد ملنے والی ہے تو شہر میں داخل ہونے کا انہیں موقع نہ دیا جائے۔

۲. شہر کے لوگ جان بچانے کے لئے بھاگ نہ سکیں اور سب کو گرفتار کیا جائے۔ (۱)

اس طرح آپ ﷺ نے اپنی فوج کو مکہ کے مختلف راستوں سے داخل ہونے کا حکم دے کر ایک بہترین حربی حکمت عملی اختیار فرمائی۔

۱۳۔ شہر کے محاصرہ کا نرالہ طریقہ

آپ ﷺ نے اپنی فوج کو اکٹھے ایک ہی سمت سے مکہ میں داخل ہونے کا حکم نہیں دیا بلکہ اپنی فوج کے سپاہیوں کو چار دستوں میں تقسیم فرمایا اور ہر ایک دستہ کو ایک سمت سے شہر کے اندر داخل ہونے کا حکم دیا اور فوج کے کمانڈروں کو حکم دیا کہ صرف ان سے لڑائی کرنی ہے جو مسلمانوں سے لڑے۔ آپ ﷺ نے صرف چند مفسدین کو صرف ان کے اعمال کی وجہ سے مارنے کا حکم دیا۔(۲) آپ ﷺ نے چاروں طرف سے شہر کے محاصرہ کی ترکیب اپنا کر مشرکین کے فرار ہونے کی کوشش کو ختم کر لیا اور اس طرح ان کے پاس صرف ایک راستہ باقی رہ گیا کہ وہ ہتھیار ڈال دیں۔

۱۴۔ مقصد کا تعین اور اس پر عمل

آپ ﷺ اپنے مقصد کا تعین فرماتے اور پھر اس جنگی حکمت عملی پر عمل درآمد کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے۔ آپ ﷺ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے اور اسے حاصل کرنے کے لئے مناسب پالیسی اختیار فرماتے۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ رازداری کے ساتھ مکہ پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مسلمان اچانک مکہ پہنچ جائیں اور قریش کو اس کی خبر ہی نہ پہنچے۔ قریش کی طرف سے مزاحمت اور جنگ کی نوبت ہی نہ آئے اور وہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس مقصد پر عمل کے لئے آپ ﷺ نے اپنے ارادے کو مخفی رکھا۔

آپ ﷺ نے مدینہ کی ناکہ بندی کی۔ مدینہ سے باہر نکلنے کے جتنے بھی راستے تھے ان پر آپ ﷺ نے اپنے سپاہی مامور کر دیئے۔ آپ ﷺ نے چاروں طرف جاسوس پھیلا دیئے۔ تاکہ قریش مکہ کو آپ ﷺ کی نقل و حرکت کا علم نہ ہو سکے۔ آپ ﷺ نے راستے میں جو بھی مشکوک آدمی نظر آئے اسے روکنے کا اور اپنے پاس لانے کا حکم دیا۔

---

(۱) سیرت النبی ﷺ چند پہلوؤں پر روشنی، محمد حمید اللہ، ادارہ وکتب خانہ حضرت قاضی محمد، ہالا قدیم ضلع مٹیاری، ۲۰۱۱ء، ص:۲۵

(۲) المغازی، ۸۲۵/۲

آپ ﷺ نے دشمن کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کے لئے مدینہ سے جنوب کی جانب مکہ جانے کے بجائے آپ ﷺ لشکر کے ساتھ شمال کی جانب روانہ ہوئے۔[1] یہاں تک کہ آپ ﷺ سمت بدلتے بدلتے اور غیر معروف اور نا معلوم راستوں سے ہوتے ہوئے مکہ کے قریب مر الظہران کے مقام تک پہنچ گئے[2] اور قریش کو اسلامی لشکر کی روانگی کا علم ہی نہ ہو سکا۔ اس طرح آپ ﷺ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور قریش مکہ نے ہتھیار ڈال دیئے۔

۱۵۔ غیر متوقع حملہ

غیر متوقع حملہ جنگ کے میدان میں سب سے موثر، طاقتور اور دیرپا حربہ ہوتا ہے۔ جنگ میں غیر متوقع حملہ کرنا چاہیے جس کی دشمن کو توقع نہ ہو اور وہ اس کے لئے تیار ہی نہ ہو۔ جنگ میں ہمیشہ وہ سپہ سالار کامیاب ہوتا ہے جو غیر متوقع کاروائی کرتا ہے۔ عصر حاضر میں سپہ سالار کو اس جنگی حربہ سے کام لینا چاہیے۔ آپ ﷺ کی حربی حکمت عملی ہمیشہ اس حربہ پر منحصر رہی۔ کامیاب غیر متوقع حملے کے لئے مندرجہ ذیل امور ضروری ہیں:

۷. جنگی ضروریات کے لئے اپنے ارادے اور طاقت کو مخفی رکھنا چاہیے۔

۸. ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف تیزی سے حرکت کرنی چاہیے۔

۹. غیر متوقع راستوں پر چلنا چاہیے۔

۱۰. غیر متوقع وقت کا انتخاب کرنا چاہیے۔

۱۱. غیر متوقع ہتھیاروں کا استعمال کرنا چاہیے۔

۱۲. نئے جنگی اسلوب اپنانے چاہیے۔[3]

آپ ﷺ نے فتح مکہ میں اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ آپ ﷺ نے غزوہ فتح مکہ میں بھی اپنے ارادے کو مخفی رکھا[4] کیونکہ آپ ﷺ دشمن پر اچانک حملہ کرنا چاہتے تھے تاکہ دشمن حیرت زدہ ہو جائے اور وہ سوچ ہی نہ سکے کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اچانک حملہ کے بارے میں محمد سعید رمضان البوطی بیان کرتے ہیں:

"على أنه يجوز لإمام المسلمين ورئيسهم أن يفاجئ العدو بالإغارة والحرب لدى خيانته العهد ونبذه له، ولا يجب عليه أن يعلمهم بذلك"[5]

---

(۱) البدایہ والنہایہ، ۴/ ۳۳۲

(۲) ایضا

(۳) نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمت عملی، ص: ۵۲

(۴) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۱۵

(۵) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۷۰

ترجمہ: اگر دشمن بدعہدی کرے اور صلح پر قائم نہ رہے تو مسلمانوں کے امام اور سربراہ کے لئے جائز ہے کہ اس پر اچانک حملہ کر دے، اس کے لئے آگاہ کر کے جنگ کا آغاز کرنا ضروری نہیں ہے۔

اس طرح اچانک حملہ سے دشمن لڑائی کے بارے میں سوچے بغیر ہتھیار ڈال دے گا۔ قریش مکہ نے اسی طرح کیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔

١٦۔ جہاد کا مقصد انسداد ظلم

معاشرے میں بد امنی، فساد اور بے چینی کا ایک سبب ظلم وزیادتی اور حقوق کی پامالی بھی ہے۔ ظالم لوگ اپنے اقتدار اور معاشرتی برتری کی بنا پر دوسروں کو زیادتی کا نشانہ بناتے ہیں۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کے کردار سے ہمیں درس ملتا ہے کہ ان کا استحصال کرنا ضروری ہے۔

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقْتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا﴾[(١)]

ترجمہ: جن سے جنگ کر رہے ہیں انہیں بھی مقابلے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ وہ مظلوم ہیں۔

ان آیات قرآنی میں جہاد کے دو مقصد بیان کیے گئے ہیں۔

١۔ مظلومیت کا خاتمہ

٢۔ اعلائے کلمۃ اللہ۔

ظلم کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''جن مقاصد کے لیے انبیاے کرامؑ کو دنیا میں مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مظالم کو روکنے اور ان کے تدارک کے لیے تدابیر عمل میں لائیں۔ کیونکہ اگر ظلم وزیادتی کا سد باب نہ کیا جائے تو نظام زندگی میں ابتری واقع ہو جائے''[(٢)]

فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ کا بنو بکر اور قریش کے خلاف جہاد کا مقصد بنو خزاعہ پر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینا تھا۔ کیونکہ بنو بکر اور قریش مکہ نے مل کر بنو خزاعہ پر رات کے وقت حملہ کیا تھا اور ان پر بہت ظلم کیا۔[(٣)]

---

(١) سورۃ الحج: ٢٢/ ٣٩۔ ٤٠

(٢) حجۃ اللہ البالغہ، ص: ٥٢٨

(٣) شرح معانی الآثار، کتاب السیر، باب الحجۃ فی فتح، حدیث نمبر: ٥٤٤٤، ٣/ ٣١٥

۱۷۔ذاتی انتقام سے گریز

سپہ سالار کو چاہیے کہ اپنے ذاتی دشمنوں سے انتقام لینے کے بجائے انہیں معاف کر دینا چاہیے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر ذاتی انتقام لینے سے گریز کیا۔جنگ احد میں آپ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو وحشی نے شہید کیا اور ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو مثلہ کیا(۱) تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

"لئن ظفرت بقريش لأمثلن بثلاثين رجلا منهم "(۲)

ترجمہ: اگر (اللہ نے) مجھے ان کے اوپر فتح دی تو ان کے تیس آدمیوں کا مثلہ کروں گا۔

فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے جن کو قتل کا حکم دیا ان میں وحشیؓ اور ہندہؓ کے نام بھی شامل تھے۔فتح مکہ کے بعد یہ دونوں آپ ﷺ کے قبضے میں تھے اور آپ ﷺ ان دونوں سے انتقام لے سکتے تھے لیکن جب ان دونوں نے آپ ﷺ سے معافی مانگی تو آپ ﷺ نے انہیں معاف کر دیا۔

۱۸۔امن اور سلامت روی

امن انسانی اور بشری ضرورت ہے۔ اسلام میں امن اور سلامت روی کو اہم مقام حاصل ہے۔ آپ ﷺ کی فتح مکہ میں بہترین حکمت عملی امن کا قیام تھا۔ آپ ﷺ جب مدینہ سے فتح مکہ کا ارادہ کر کے نکلے تو آپ ﷺ صلح و امن اور سلامت روی کی خواہش پر بڑی سختی سے کاربند تھے تاکہ اس طریقہ سے قریش مکہ کے دل بدل جائیں اور وہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔ آپ ﷺ مکہ کو امن سے فتح کرنا چاہتے تھے۔اس لئے مکہ سے نکلتے ہوئے یہ دعا فرمائی:

" اللّٰهُمّ خُذْ عَلَى قُرَيْشٍ الْأَخْبَارَ وَالْعُيُونَ " (۳)

ترجمہ: اے باری تعالی! آنکھوں اور خبروں کو قریش سے پکڑ لے (یعنی نہ قریش کو ہماری تیاری کی خبر ہو اور نہ ہماری تیاری کو دیکھ سکیں)۔

مر الظہران میں آگ روشن کرنے(۴) میں آپ ﷺ کا مقصد قریش مکہ کے دلوں سے مقابلے کی روح ختم ہو جائے اور وہ ہتھیار ڈال دیں۔اس طرح صلح و امن کا مقصد خون ریزی کے بغیر پورا کیا جاسکے۔

آپ ﷺ نے امان کے مختلف مقام مقرر فرمائے۔ آپ ﷺ نے قریش کے لئے جو محفوظ پناہ گاہیں مقرر کیں وہ یہ تھیں:

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۱۱۰۵۱، ۱۱/ ۶۲

(۲) تفسیر القرآن العظیم، ۴/ ۱۱۴

(۳) المغازی، ۲/ ۷۹۶

(۴) الطبقات الکبری، ۲/ ۱۳۵

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ)) (۱)

ترجمہ: جو شخص ابوسفیان ؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہو گی، جو اپنا دروازہ بند کر کے گھر بیٹھ جائے، اسے بھی امان حاصل ہو گی اور جو بیت اللہ میں چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہو گی۔

آپ ﷺ نے امان کے مختلف مقام مقرر فرما کر یہ حکمت عملی اختیار کی کہ یہ کسی جگہ اکٹھے ہو کر مقابلہ نہ کر سکیں۔ ان کے لئے امن و صلح کا دروازہ کھول دیا۔

مکہ فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ امن اور سلامتی کی پالیسی پر قائم رہے اور عفو و درگزر سے کام لے کر انہیں معاف فرما دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۲)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

فتح مکہ کی مہم کے دوران آپ ﷺ کی سلامتی اور امن کوشی کی بہترین مثال یہ تھی کہ آپ ﷺ نے فضالہ بن عمیر (۳) کو معاف فرما دیا جو بیت اللہ کے طواف کے دوران آپ ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ (۴)

آپ ﷺ کی اس بہترین حربی حکمت عملی کی وجہ سے کفار نے اسلام قبول کیا۔ اگر آپ ﷺ امن اور سلامتی کا برتاؤ نہ کرتے تو وہ کبھی بھی اسلام قبول نہ کرتے۔

۱۹۔ تواضع

ایک اچھے سپہ سالار میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ شکست اور فتح دونوں حالتوں میں اپنے دل و دماغ پر قابو رکھے۔ شکست کی حالت میں فتح کی نسبت قابو پانا آسان ہوتا ہے لیکن فتح کی صورت میں سپہ سالاروں کے اخلاق تبدیل ہو جاتے ہیں۔ لیکن فتح مکہ کے دن آپ ﷺ کا یہ حال تھا کہ اتنی بڑی فتح کے دن آپ ﷺ اللہ کی مکمل بندگی کی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ کے دل میں نہ تو فتح کا نشہ تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے احساسات پر گھمنڈ اور غرور طاری تھا بلکہ آپ ﷺ کا سر عجز و انکساری اور اللہ کے شکر کے ساتھ جھکا ہوا تھا اور اونٹنی کے پالان کو چھو رہا تھا

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

(۲) السنن الکبری، ۶/ ۳۸۳

(۳) فضالہ بن عمیر: آپ کے والد کے نام میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک عبداللہ اور بعض کے نزدیک وہب تھا۔ فتح مکہ کے دن بتوں کو توڑنے کے بارے میں اشعار انہوں نے کہے تھے۔ آپ کا تعلق بصرہ سے تھا (اسد الغابہ: ۲/ ۳۹۷)

(۴) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۱/ ۲۶۸

۔آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالی کی حمد اور بڑائی کے الفاظ جاری ہو رہے تھے۔[1] آپ ﷺ کی اس حالت کے بارے میں محمد سعید رمضان البوطی بیان کرتے ہیں:

" أنه صلّى الله عليه وسلم كان مستغرقا في حالة شهود مع الله تعالى أثناء دخوله مكة، فما كانت لنشوة الظفر والنصر العظيم إلى نفسه من سبيل ولم يكن شيء من التعاظم أو التجبر ليستولي على شيء من مشاعره، إنما هو الانسجام التام مع شهود الله تعالى والشكر على نصره وتأييده " (۲)

ترجمہ: مکہ میں داخلے کے وقت آنحضرت ﷺ اللہ تعالی کے ساتھ شہود و مناجات کی حالت میں تھے۔ اس وقت آپ ﷺ کے دل پر عظیم فتح اور کامرانی کا نشہ نہیں چڑھا ہوا تھا اور نہ آپ ﷺ کے احساسات پر گھمنڈ اور غرور طاری ہو گیا تھا، بلکہ آپ ﷺ نے بارگاہ الہی میں مکمل خود سپردگی اختیار کر رکھی تھی اور اس کی تائید و نصرت پر آپ ﷺ آداب شکر بجالا رہے تھے۔

آپ ﷺ کا تواضع اختیار کرنا اصل میں ہر سپہ سالار کے لئے ایک عملی سبق ہے۔ فتح اور نصرت کے اوقات میں تواضع کا مظاہرہ کرنا بہت مشکل کام ہے۔ اس لئے غم کا موقع ہو یا خوشی کا مسلمان سپہ سالار کو اللہ تعالی کی مطلق بندگی بجالانی چاہیے۔

آپ ﷺ نے فتح مکہ میں دشمن کے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیئے اور دشمن کی فوجی قوت پر آخری اور کاری ضرب لگائی۔ آپ ﷺ کی حربی تدابیر اور ان تمام جنگی امور نے مسلمانوں کے لئے اتنی اطمینان اور تسلی بخش حالت پیدا کر دی تھی کہ غزوہ فتح مکہ کے علاوہ آپ ﷺ کی سابقہ جنگوں میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۲۵/۴

(۲) فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، ۲۷۵/۱

نتائج

آپ ﷺ انسانی تاریخ کے کامیاب سپہ سالار ہیں۔ یوں تو تاریخ میں بہت سے فاتح اور مفتوح آئے لیکن اللہ تعالی نے حضرت محمد ﷺ کو جو خوبیاں عطا فرمائیں وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئیں۔ آپ ﷺ نے دس سال کی قلیل مدت میں انتہائی کم جانی نقصان کے ساتھ دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح کر لیا۔ آپ نے صرف علاقے ہی فتح نہیں کئے بلکہ دلوں کو بھی فتح کیا۔ آپ ﷺ کی فتح کا راز آپ ﷺ کی شخصی شجاعت اور بے مثال اعصابی قوت تھی۔ آپ ﷺ جنگوں میں جرات و بہادری، شجاعت، تدبر، معاملہ فہمی، دشمن پر نفسیاتی غلبہ پانا اور قوت فیصلہ کا شاندار مظاہرہ کیا۔ آپ ﷺ کی جنگی مہارت بے مثال تھی۔ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں انتہائی منصوبہ بندی اور بہترین حربی صلاحیتوں سے دشمنوں کا مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ نے جنگوں میں دشمن کیخلاف جس بہادری کا مظاہرہ کیا تاریخ اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ آپ ﷺ نے تلوار صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین اسلام کی ترویج و اشاعت کیلئے اٹھائی۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنی عسکری طاقت کو اتنا زیادہ کر دیا کہ دشمن ہتھیار اٹھانے کی جرأت نہ کر سکے اور مسلمانوں کی ہیبت سے مشرکین مکہ ڈر گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں بہترین حربی حکمت عملی، عسکری صلاحیت اور تدبیر جنگ کے ذریعے نہ صرف مکہ کو ایک ہی دن میں لڑے بغیر فتح کر لیا بلکہ اس کے نتیجے میں پورے ملک میں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔

باب پنجم

عصر حاضر کے مسائل اور فتح مکہ کی روشنی میں ان کا حل

فصل اول: دعوتی مسائل اور ان کے حل کے لئے راہنما خطوط فتح مکہ کی روشنی میں

فصل دوم: سیاسی مسائل اور ان کا حل فتح مکہ کی روشنی میں

فصل سوم: حربی مسائل: فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول

فصل اول

دعوتی مسائل اوران کے حل کے لئے راہنما خطوط فتح مکہ کی روشنی میں

فصل اول

دعوتی مسائل اور ان کے حل کے لئے راہنما خطوط فتح مکہ کی روشنی میں

عصر حاضر میں مادہ پرست اور خدا بیزار مغربی تہذیب نے عالم اسلام پر حملہ کیا اور عصر حاضر میں مسلمانوں کی اعتقادی کمزوریوں اور لادینیت کی وجہ سے اسلام کا اصل رنگ ماند پڑتا جارہا ہے۔ اسلام کے حقائق اور اصل روح کو مختلف رسومات سے بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔[۱] عصر حاضر میں امت مسلمہ جدت پسندی اور روشن خیالی سے متاثر ہو چکی ہے اور زندگی کے تمام شعبوں میں برائی غالب اور نیکی مغلوب ہو چکی ہے۔ اس لئے دعوت و تبلیغ کا کام مسلمانوں کے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ اسلام کے متعلق لوگوں کے اندر شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا کی جارہی ہیں۔ ایسے ماحول میں دعوت و تبلیغ کے ذریعے دین کو غالب اور برائی کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ موجودہ دور میں اخلاقی، دینی اور انسانی اقدار سے انحراف کیا جارہا ہے اور قول و فعل میں تضاد ہے۔ عصر حاضر میں مادیت کے فاسد افکار و عناصر نے اپنی آرام طلبی اور عیش پسندی کی وجہ سے داعیان اسلام اور فریضہ دعوت و تبلیغ کے درمیان ایک وسیع خلیج پیدا ہو چکی ہے۔ معاشرے میں منکرات و معاصی اور اللہ تعالی کے احکامات کی نافرمانی عام ہو رہی ہے۔ داعیان اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔[۲] عصر حاضر میں مسلمان دعوت و تبلیغ کے کام کو صحیح طریقہ سے انجام نہیں دے رہے ہیں۔ آج کے معاشرے میں داعی کو اسلام کی ترویج و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کو پرچار کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔ آج امت مسلمہ کو صحیح سمت کی طرف رہنمائی کی ضرورت ہے۔ ایسے حالات میں ضروری ہے کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت بھر دعوت کے کام کو آگے بڑھائے۔ آج مسلمانوں کو اپنے مشن دعوت و تبلیغ کو ہمیشہ جاری رکھنا چاہیے۔ فتح مکہ عرب میں اسلام کے بڑھتے ہوئے فروغ کا آغاز ثابت ہوئی۔ مکہ پر مسلمانوں نے غلبہ پایا اور مشرکین ہمیشہ کے لئے شکست کھا گئے۔ عصر حاضر میں دعوتی مسائل کو حل کرنے کے لئے داعیوں کے لئے فتح مکہ سے جو رہنما خطوط نکلتے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ برائی کا جواب اچھائی سے دینا

عصر حاضر میں دعوت دینے کے دوران داعی کو بہت سی تکالیف، مخالفتوں، مذاق اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ آج کے دور میں مسلمان داعی کے لئے دعوت دینا جرم بن گیا ہے اور داعی کو تبلیغ سے روکنے کے لئے مختلف سازشیں کی

---

(۱) اسلام اور عصر حاضر، ص:۵

(۲) اسلام اور مغرب، سعید الرحمان اعظمی ندوی، انسٹی ٹیوٹ آف ابجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء، ص:۸۳

جاتی ہے کبھی انہیں قید کیا جاتا ہے تو کبھی انہیں ملک سے نکال دیا جاتا ہے۔ جیسے اسلام کی تبلیغ کرنے کی وجہ سے سرائیوو کے بارہ دانشوروں کو دو سے چودہ سال سزا سنائی گئی۔(۱) جرمنی کے مبلغ امینہ بلال فلپس کو اسلام کے نظریات کو پھیلانے کی وجہ سے جرمنی سے نکال دیا گیا۔(۲) موجودہ دور میں امریکہ سمیت پورے مغرب میں مسلمانوں کو تعصب اور تنگ نظری کا سامنا ہے۔ امریکہ کی موجودہ ٹرمپ حکومت میں کئی مسلم ممالک کے لوگوں پر امریکہ میں داخل ہونے کی بھی پابندی ہے۔(۳)

لیکن داعی کو ہمیشہ مثبت رویہ اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اس کے اچھے رویے سے متاثر ہو کر بہت سے لوگ اسلام قبول کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کو پھیلانے میں ہمیشہ اسی طریقے کو اختیار کیا اور عمل کیا۔ آپ ﷺ کو قرآن مجید میں اسی طریقہ کو اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَه عَدَاوَةٌ كَاَنَّه وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾(۴)

ترجمہ: نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دفع کرو پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے ایسا ہو جائے گا جیسے دلی دوست۔

اس آیت قرآنی میں ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت دی گئی ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو یعنی برائی کا بدلہ بھلائی کے ساتھ دو۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا دشمن دوست بن جائے گا اور دور دور رہنے والا بھی قریب ہو جائے گا۔ شبیر احمد عثمانی(۵) اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"ان آیات میں ایک سچے داعی الی اللہ کو جس حسن اخلاق کی ضرورت ہے، اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ یعنی خوب سمجھ لو، نیکی بدی کے اور بدی نیکی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ دونوں کی تاثیر جداگانہ ہے۔ بلکہ ایک نیکی دوسری نیکی سے اور ایک بدی دوسری بدی سے اثر میں بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہذا ایک مومن قانت اور خصوصاً داعی الی اللہ کا مسلک یہ ہونا چاہیے کہ برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ جہاں تک گنجائش ہو برائی کے مقابلہ میں بھلائی سے پیش آئے۔ اگر کوئی اسے سخت بات کہے یا برا معاملہ کرے تو اس

---

(۱) دور حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل، سید محمد میاں، جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور، مئی ۱۹۹۹ء، ص: ۵۲۲

(۲) مسلمان مبلغ کے لیے جرمنی سے نکل جانے کا حکم، ندیم گل، ڈی ڈبلیو خبر رساں ادارہ، ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

(۳) امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک میں اضافہ، روزنامہ نوائے وقت، ۲۸ جولائی ۲۰۱۷ء

(۴) سورۃ فصلت: ۴۱/ ۳۴

(۵) شبیر احمد عثمانی: آپ یکم محرم ۱۳۰۵ھ میں یوپی کے شہر بجنور میں پیدا ہوئے۔ آپ آپ ایک عالم، خطیب، مفسر اور سیاسی رہنما بھی تھے۔ آپ کا انتقال ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء کو بہاولپور میں ہوا (قیام پاکستان کے لئے علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی بے مثال خدمات، مجیب الرحمن شامی، روزنامہ پاکستان، ۱۳ دسمبر ۲۰۱۵ء)

کے مقابل وہ طرز اختیار کرنا چاہیے جو اس سے بہتر ہو۔ مثلاً غصہ کے جواب میں بردباری، گالی کے جواب میں تہذیب وشائستگی اور سختی کے جواب میں نرمی اور مہربانی سے پیش آئے۔ اس طرز عمل کے نتیجہ میں تم دیکھ لوگے کہ سخت سے سخت دشمن بھی ڈھیلا پڑ جائے گا۔ اور گو دل سے دوست نہ بنے تاہم ایک وقت آئے گا جب وہ ظاہر میں ایک گہرے اور گرمجوش دوست کی طرح تم سے برتاؤ کرنے لگے گا۔ بلکہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں بعد سچے دل سے دوست بن جائے اور دشمنی وعداوت کے خیالات یکسر قلب سے نکل جائیں۔"(۱)

آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

((اتَّقِ اللهِ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا،وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ))(۲)

ترجمہ: تم ہر حال میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو، برائی کو نیکی سے مٹاؤ اور سب انسانوں سے حسن سلوک سے پیش آؤ۔

اس حدیث میں برائی کو نیکی سے ختم کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ سعید احمد اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہیں:

"انسان چونکہ بشر ہے اس لئے اس سے غلطی ہو جاتی ہے، پس اگر کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھیجنی چاہیے، جیسے کپڑے پر داغ لگ جائیں تو فوراً اس کے دھوڈالنا چاہیے، داغ باقی نہیں رکھنا چاہیے"(۳)

اس آیت قرآنی اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ برائی کا جواب اچھائی سے دینا چاہیے اور برائی کو اچھائی سے ختم کرنا چاہیے۔ اس طرح کے برتاؤ سے اپنے خلاف مخالفانہ ماحول کو بدلا جا سکتا ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر بھی آپ ﷺ نے قریش مکہ کی برائی کا جواب اچھائی سے دیا۔ قریش مکہ نے آپ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا اور بہت دکھ، تکالیف اور اذیتیں دیں لیکن آپ ﷺ نے ان کی برائی کا جواب اچھائی سے دیا اور ان کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ کے اس طرح کے رویہ سے متاثر ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ آج کل کے دور میں آپ ﷺ کا یہ طریقہ مسلمانوں کی کامیابی کا ضامن ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے دلوں کو مسخر کر دیا اور ان کے دلوں میں انتقام کا جذبہ پیدا نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ کا یہی اسوہ حسنہ آج کل کے داعیوں کے لئے بہترین معیار عمل ہے۔

---

(۱) تفسیر عثمانی، شبیر احمد عثمانی، (مترجم: شیخ الہند محمود الحسنؒ)، دارالاشاعت، کراچی، ص:۴۹۷

(۲) الجامع الکبیر، کتاب البر والصلۃ عن رسول اللہ ﷺ، باب ماجاء فی معاشرۃ الناس، حدیث نمبر:۱۹۸۷، ۳/ ۴۲۳

(۳) تحفۃ الالمعی شرح سنن الترمذی، ۵/ ۳۲۴

۲۔ جذباتیت سے گریز

عصر حاضر میں مسلمان داعی کو جسمانی، مالی، سیاسی اور معاشرتی سطح پر زبردست نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اکثر داعی جذباتی ہو جاتے ہیں۔ اگر داعی کے پاس وسائل بھی ہوں تو اس پر جذبات پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس مشکل مرحلہ میں داعی کو جوش و جذبات سے نہیں بلکہ ہوش اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے کام لینا چاہیے کیونکہ اگر جھڑپ ہو جائے تو یہ چیز دعوت حق کے لئے نقصان دہ ہو گئی۔[۱]

آپ ﷺ نے جب مکہ کو فتح کیا تو اس وقت اتنی عظیم الشان فتح کے وقت آپ ﷺ جذباتی ہو کر اپنے دشمن سے انتقام لے کر ان کو نقصان پہنچا سکتے تھے لیکن یہ چیز اسلام کی تبلیغ کے لئے نقصان دہ تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے اس وقت جذباتیت سے گریز کیا اور اپنے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ اس چیز سے متاثر ہو کر مکہ والوں نے اسلام قبول کر لیا۔

۳۔ انتہا پسندی اور شدت پسندی

عصر حاضر میں مغرب نے اسلام کی بہت ہی بری تصویر پیش کی ہے اور ساری دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ اسلام اک دہشت گرد مذہب ہے اور اسلام ساری دنیا کے امن و سکون کو تباہ کر رہا ہے۔ عصر حاضر میں کفار داعی کو لوگوں میں غیر مقبول اور بدنام کرنے کے لئے اس پر بنیاد پرستی، انتہا پرستی اور دہشت گردی کے الزامات لگاتے ہیں۔ وہ من گھڑت باتیں پھیلا کر داعی اور اس کی دعوت سے متعلق شکوک و شبہات اور غلط فہمیاں پیدا کرتے ہیں۔[۲] اس پروپیگنڈا کو مشہور کرنے کے لئے وہ میڈیا کے تمام وسائل استعمال کرتے ہیں اور تمام باطل قوتیں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک ہی پلیٹ فارم پر کھڑی ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان امریکیوں کی پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہیں اور ان کے خلاف احتجاج کیا جاتا ہے تو انہیں شدت پسند اور انتہا پسند کا خطاب دیا جاتا ہے۔ دوسری طرف وہ نہتے شہریوں پر بموں اور میزائلوں کی بارش کر رہے ہیں، ہسپتالوں اور مسجدوں کو کھنڈر بنا رہے ہیں اور بستیاں اجاڑ رہے ہیں۔ تو انہیں دہشت گرد نہیں بلکہ اعتدال پسند کہا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں مسلمان انتہا پسندی اور دہشت گردی نہیں کر رہے ہیں بلکہ کفار دہشت گردی پھیلا رہے ہیں۔ اسرائیل فلسطین پر اور کشمیر بھارت پر ریاستی دہشت گردی کر رہا ہے لیکن دہشت گرد مسلمانوں کو کہا جاتا ہے۔[۳] عراق، افغانستان، کشمیر، فلسطین اور چیچنیا میں مسلمانوں کا قتل و غارت، دہشت گردی اور ظلم کیا جا رہا ہے۔[۴]

---

(۱) دعوت دین اور اس کے تقاضے، ص: ۶۳

(۲) عصر حاضر میں غلبہ دیں کا نبوی طریقہ کار، ص: ۲۲۶

(۳) امت مسلمہ کے فکری مسائل اور ان کا حل، ص: ۸۰

(۴) اسلام اور دہشت گردی، ص: ۳۵

عصر حاضر میں داعی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ اسلام ایک پر امن اور رواداری والا مذہب ہے اوراسلام دہشت گردی کو ختم کرتا ہے۔ اسلام کا اولین مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔ دہشت گردی اور انسان کو حقیر سمجھنا انسانی تعلیمات کے منافی سر گرمیاں ہیں۔ موجودہ دور میں داعی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ کافروں کی ان سازشوں کو بے نقاب کرے اور اسلام کے پیغام امن کو عام کرے۔ آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا بلکہ سب لوگوں کو معاف کر دیا اور انہیں امن و سکون کی ضمانت دی۔ یہ چیز مانی ہوئی ہے کہ دوسروں کو امن و سکون کی ضمانت وہی فراہم کرسکتے ہیں جن کے اندر دوسروں کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہو۔

۴۔ صبر و تحمل

عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ آسان کام نہیں ہے کیونکہ مخالفین بہت زیادہ ہیں اور اس وجہ سے داعی کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ داعی کو قدم قدم پر غصہ وغضب کا سامنا کرنا پڑتا۔ اس کے ساتھ طنز میں گفتگو کی جاتی ہے۔ اس کی دعوت جرم عظیم بن جاتی ہے۔ اسے نئے نئے خطبات سے نوازا جاتا ہے۔ رشتہ دار اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے۔ دوست ناراض ہو جاتے ہیں۔ داعی کو مکر وفریب اور طنز و تشنیع کو نظر انداز کر کے صبر و تحمل کو اختیار کرنا چاہیے۔[1] ان حالات میں داعیوں کو صبر و تحمل اور ہمت و بہادری سے کام لینا چاہیے۔ اپنے مخالفوں کی اذیتوں، تکالیفوں اور سختیوں کے باوجود اپنا کام جاری رکھنا چاہیے اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنا چاہیے۔ قرآن مجید میں صبر کو ایک اعلی صفت قرار دیتے ہوئے اس پر عمل کرنے کی ترعیب دی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [2]

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو، ثابت قدم رہو، مقابلے کے لیے تیار رہو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کیے رکھو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو تین باتوں کی نصیحت کی ہے پہلی نصیحت صبر کی ہے کہ بندۂ مومن مصائب پر صبر کرے۔ دوسری صفت یہ ہے کہ اللہ کے دین اور مسلمانوں کے دفاع کے لیے ہمیشہ ثابت قدم رہے اور تیسری صفت یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتا رہے۔ آخر میں فرمایا کہ کامیابی اور فلاح دارین کا یہی ذریعہ ہے۔ جنید بغدادی[3] نے صبر کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی:

---

(۱) دعوت دین اور اس کے تقاضے، ص: ۶۱

(۲) سورۃ ال عمران: ۳/ ۲۰۰

(۳) جنید بغدادی: آپ کا نام جنید بن محمد اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپ کی ولادت ۲۲۰ھ کے کچھ بعد بغداد میں ہوئی۔ آپ صوفیائے کرام کے شیخ تھے۔ آپ کی وفات ۲۹۷ھ کو ہوئی (سیر اعلام النبلاء، ۱۱/ ۴۳)

”الصبر حبس النفس على المكروه بغير جزع “[۱]

ترجمہ: صبر کا معنی ہے مصائب پر بغیر بے تابی کے نفس کو جمائے رکھنا۔

علامہ راغب اصفہانی صبر کی تعریف ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”حبس النفس على ما يقتضيه العقل والشرع، أو عما يقتضيان حبسها عنه“[۲]

ترجمہ: عقل اور شرع کے تقاضوں کے مطابق نفس کو روکنا اور پابند کرنا۔

گویا کہ صبر ایک بہترین صفت ہے اور مومنوں کو ہر مشکل وقت میں صبر سے کام لینا چاہیے۔ یہ ہر طرح کی سعادت اور نیک بختی کا ذریعہ ہیں۔ زاہد اقبال داعی کے مشکلات پر صبر و تحمل پر ثمرات کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

> ”دراصل مصائب و آلام پر صبر کرنا اور اپنے عقائد و نظریات پر ثابت قدم رہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اللہ تعالی کی نصرت اور اس کی توفیق سے ہی داعی کو یہ نعمت حاصل ہوتی ہے، پھر جب وہ صبر واستقامت کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس کی برکت سے دعوت رکنے کے بجائے بڑھتی جاتی ہے۔“[۳]

آپ ﷺ نے دعوت میں ہمیشہ صبر و تحمل کی پالیسی پر عمل کیا اور کفار کی جارحانہ پالیسی کے مقابلے میں کبھی اشتعال کا مظاہرہ نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے ہر طرح کی مشکلات کا صبر و تحمل سے مقابلہ کیا۔ آپ ﷺ کے صبر و تحمل ہی کی وجہ سے فتح مکہ کی صورت میں آپ ﷺ کو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ کی اس اہم صفت کی وجہ سے قریش مکہ اور دوسرے قبائل نے آپ ﷺ کے موقف کے قائل ہو کر اسلام قبول کر لیا۔

۵۔ خیر خواہی کا جذبہ

عصر حاضر میں دعوت و تبلیغ کا درست نتیجہ بر آمد نہ ہونے کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کو انسانوں کی خیر خواہی اور انسانی زندگی کے دیگر مادی پہلوؤں سے علیحدہ کیا ہوا ہے۔ ان کے تعلق کو جوڑ کر ہی دعوت و تبلیغ کو موثر بنایا جا سکتا ہے۔ عصر حاضر کی تحقیق کے مطابق عیسائیت سب سے بڑا مذہب ہے۔ عیسائی مبلغین فلاحی کاموں کی وجہ سے اپنی تبلیغ کو پھیلا رہے ہیں۔ ڈاکٹر سعد بن ناصر[۴] اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

---

(۱) التفسیر المظہری، ۱/۶۵۲

(۲) مفردات الفاظ القرآن، ۱/۵۶۵

(۳) غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۲۱۲

(۴) سعد بن ناصر: آپ سعودی عرب کے مشہور عالم ہے۔ آپ نے ساٹھ کے قریب عقیدہ، حدیث، فق، اصول اور اخلاق پر کتابیں لکھیں (سیرۃ سعد بن ناصر الشثری، الموقع الرسمی لسعد بن ناصر الشثری، ۹ جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ)

"عیسائی مبلغین کو یہی فوقیت حاصل ہے کہ وہ اپنی تبلیغ اپنے فلاحی اداروں کے ذریعے کر رہے ہیں۔ ایک شخص بیمار ہو اسے دوائی کی ضرورت ہو۔ ایک بھوکا ہو اسے کھانے کو چاہیے ایک شخص پریشان حال ہو اسے اس کی پریشانی سے نکالنے کی ضرورت ہو۔ اگر ہم اسے تبلیغ کریں گے تو ہمارا یہ طریقہ موثر نہیں ہو گا بلکہ ہمیں چاہیے کہ ان کے عین مشکل وقت میں اس کی مدد کر کے اس کے جذبات کو جیتنے کی کوشش کریں۔ یہ کام عیسائی اور دیگر لوگ کر رہے ہیں جبکہ اس کے بالمقابل مسلمانوں کا طریق دعوت ان تمام فلاحی کاموں سے کٹا ہوا ہے۔"(۱)

اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ اس کی دعوت کا اہم مقصد لوگوں کی اصلاح اور خیر خواہی ہونا چاہیے۔ انبیاء کرام ؑ نے ہمیشہ اپنی امت کی اصلاح اور خیر خواہی کی کوشش کیں۔ قرآن مجید میں اس کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴾(۲)

ترجمہ: تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا امانتدار خیر خواہ ہوں۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ پیغمبر کی دعوت خالص خیر خواہی پر مبنی ہوتی ہے۔ اس دعوت میں کسی ذاتی غرض کا کوئی داخل نہیں ہوتا۔ ابن کلبی (۳) نے اس آیت قرآنی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

"معناه كنت فيكم قبل اليوم أمينا فلا وجه لكم لسوء الظن فيّ بالكذب وفى اجابة الأنبياء الكفرة عن كلماتهم المسبّة بالحلم وحسن الأدب والاعراض عن مقابلتهم بمثل ما قالوا مع علمهم بان خصومهم أضل الناس وأسفهم كمال النصح والشفقة وهضم النفس وحسن المجادلة وجذب القلوب إلى الهداية واخبار الله تعالى ذلك تعليم لعباده كيف يخاطبون السفهاء أكذبتموني"(٤)

ترجمہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ میں آج تک تمہارے اندر رہا اور امین رہا لہٰذا اب مجھ پر جھوٹے ہونے کی بدگمانی کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرات انبیاءؑ واقف تھے کہ کافر انتہائی گمراہ اور احمق

(۱) تبلیغ دین میں نبی کریم ﷺ کا طریقہ کار اور دور حاضر میں تبلیغ دین کی رسائی، ڈاکٹر سعد بن ناصر، محدث میگزین، اپریل ۱۹۹۵ء، شمارہ ۲۰۴، ۸/۲۶

(۲) سورۃ الاعراف: ۷/۶۸

(۳) ابن کلبی: آپ کا نام ہشام بن محمد بن سائب اور کنیت ابو المنذر تھی۔ آپ مورخ اور انساب کے عالم تھے۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ میں فوت ہوئے (سیر اعلام النبلاء: ۱۰/۱۰۳)

(۴) التفسیر المظہری، ۱/۱۳۳۵

ہیں لیکن انہوں نے تہذیب اور حلم سے کام لے کر مقابلہ سے پہلو تہی کی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء اپنی امتوں کے کتنے ہی خواہ کافروں پر کتنے مہربان، قوت برداشت میں کتنے کامل اور حسن خطاب کے ذریعہ دلوں کو ہدایت کی طرف کس قدر کھینچنے والے تھے اس گفتگو کو نقل کر کے اللہ نے بندوں کو تعلیم دی ہے کہ بے وقوفوں سے کس طرح خطاب کیا جائے۔

سو پیغمبر کی دعوت خالص خیر خواہی اور صدق و اخلاص پر مبنی ہوتی ہے۔ اس میں ذاتی اغراض یا نفسانی خواہشات کا کوئی شائبہ نہیں پایا جاتا۔

آپ ﷺ نے فتح مکہ میں اپنے بڑے بڑے دشمنوں کو معاف کر دیا۔ آپ ﷺ نے ان کے ساتھ خیر خواہی کی اور ان کے اسلام قبول کرنے میں رکاوٹ نہیں بنے مثلاً ابو سفیان ؓ، عکرمہ بن ابو جہل ؓ اور ہند بنت عتبہ ؓ وغیرہ۔ عصر حاضر میں آپ ﷺ کا یہ طرز عمل ہر داعی کو اپنانا چاہیے۔

۶۔ دعوت میں جبر و زبردستی سے اجتناب

عصر حاضر میں عیسائی مشنریز اور ایسی تمام قومیں مسلمانوں کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتی ہیں کہ حضرت محمد ﷺ نے تلوار کے زور پر اسلام کو پھیلایا اور لوگوں کو زبردستی اسلام میں داخل کیا۔(۱) داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ ثابت کرے کہ یہ بہتان ہے اور آپ ﷺ نے کبھی بھی کسی کو زبردستی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ مخاطب کے سامنے حق و باطل کی وضاحت رکھ دے اور اس پر زبردستی نہ کرے۔ کیونکہ زبردستی سے وہ ظاہراً تو اس چیز کا اقرار کر لے مگر دل سے اس دعوت پہ کبھی مائل نہیں ہو سکتا۔ غلام جیلانی برق(۲) مذہبی جبر کی ایک مثال بیان کرتے ہیں کہ:

"۱۴۹۲ء میں سپین سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہوئی تو صرف آٹھ برسوں کی قلیل مدت میں وہاں کی عیسائی حکومت نے مسلمانوں سے اسلام چھڑانے کی مہم شروع کر دی۔ سپین کے ساڑھے تین لاکھ سرکردہ مسلمانوں کو ایک مذہبی عدالت کے سامنے پیش کیا گیا۔ عدالت نے ۲۸ ہزار ۵ سو ۴۰ مسلمانوں کو موت کی سزا سنائی اور بارہ ہزار مسلمانوں کو زندہ جلانے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کی سینکڑوں لائبریریاں جن میں لاکھوں کتابیں تھیں اور انہوں نے انہیں جلا دیا۔ بالآخر ۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترکِ وطن کا حکم دے دیا گیا۔ ڈیڑھ لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندر گاہ کی طرف جا رہا تھا کہ

---

(۱) کیا اسلام کی اشاعت میں جبر و اکراہ کا دخل ہے؟، اسرار الحق قاسمی، ماہنامہ دار العلوم، شمارہ ۱۲، جلد: ۹۸، صفر المظفر، دسمبر ۲۰۱۴ء

(۲) غلام جیلانی برق: آپ ۲۶ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو کنٹ، پنڈی گھیب ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ معروف عالم دین، ماہر تعلیم، دانشور، مصنف، مترجم اور شاعر تھے۔ آپ نے چالیس سے زائد کتابیں لکھیں۔ آپ ۱۲ مارچ ۱۹۸۵ء کو فوت ہوئے (ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے خطوط، ڈاکٹر عبد العزیز ساحر، حسنین پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص: ۱۳۰)

بلیڈ انامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا کر قافلہ پر حملہ کر دیا اور ایک لاکھ مسلمان قتل کر ڈالے، اس کے بعد مسلمانوں کے گھروں، گلیوں اور بازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہو گئے حتی کہ ۱۶۳۰ء تک ایک بھی مسلمان سپین میں باقی نہ رہا"[۱]

اس مثال میں قتل و غارت کی بنیادی وجہ صرف مذہبی جبر ہے۔ لیکن اگر ہم فتح مکہ کا جائزہ لیں تو مکہ کو فتح کرنے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے عام معافی کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا:

((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ))[۲]

ترجمہ: جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اس کو امن ہے اور جو ہتھیار ڈال دے اس کو بھی امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر دے اس کو بھی امن ہے۔

آپ ﷺ اپنے اس اعلان میں ان الفاظ کا اضافہ فرما سکتے تھے "جو اسلام لے آئے، اسے قتل نہ کیا جائے!" لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا کیونکہ تلوار کے زور سے اسلام منوانا اسلام کے عظیم اصولوں کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لئے زبردستی کا طریقہ اختیار کرنے کے بجائے امن اور محبت کا طریقہ اختیار کیا۔ آپ ﷺ کی زندگی میں کوئی بھی ایسا واقعہ نہیں جس میں آپ ﷺ نے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا ہو۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ پر اسلام قبول کرنے کی کبھی زبردستی نہیں کی بلکہ فتح مکہ میں انہوں نے خود ہی اسلام قبول کر لیا۔ اس لئے عصر حاضر میں داعی کو کسی کو اپنی دعوت قبول کرنے کے لئے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اسے اپنا ایسا کردار اور عمل پیش کرنا چاہیے کہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف مائل ہو جائیں۔

۷۔ عفو و درگزر

عصر حاضر میں عفو و درگزر داعی کا ہتھیار ہونا چاہیے۔ عصر حاضر میں داعی کو حلم و بردباری اختیار کرنی چاہیے۔ اسے لوگوں کی غلطیوں کو معاف کرنا چاہیے۔ داعی کو دوسروں کی زیادتیوں اور طعن و تشنیع کو برداشت کرنا چاہیے۔ اسے جاہلوں سے الجھ کر اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔[۳] آج کل کے دور میں انسان کے اندر دوسروں کو برداشت اور دوسروں کی غلطیوں کو درگزر کرنے کی صفات نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے دعوت کا کام صحیح انجام نہیں دیا جا رہا کیونکہ دعوت کا کام وہی سر انجام دے سکتا ہے جو اخلاقی حیثیت سے بہت بلند ہو، حلم و بردباری کا پیکر ہو، دوسروں کی غلطیوں اور طعن و تشنیع کو برداشت کر سکے اور انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود عفو و درگزر کرے۔ آج ہمیں

---

(۱) یورپ پر اسلام کے احسان، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ص: ۸۷-۸۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد و السیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/۱۴۰۷

(۳) دعوت دین، حبیب الرحمان، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۰ء، ص: ۲۹

غیر مسلموں کو اسلام کے اس عظیم الشان اخلاق سے متاثر کرنا چاہیے۔ ابن عباسؓ عفو ودر گزر کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

((الصَّبْرُ عِنْدَ الْغَضَبِ وَالْعَفْوُ عِنْدَ الْإِسَاءَةِ فَإِذَا فَعَلُوهُ عَصَمَهُمْ اللَّهُ وَخَضَعَ لَهُمْ عَدُوُّهُمْ))(۱)

ترجمہ: غصہ کے وقت صبر کرنا اور برائی کے وقت معاف کرنا جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو محفوظ رکھے گا اور ان کے دشمن ان کے لئے نرم ہو جائیں گے۔

خالد علوی عفو ودر گزر کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

''عفو ودر گزر انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے جس کے بغیر بقاء حیات اور استحکام اجتماع ممکن ہی نہیں۔ عفو ودر گزر دراصل انسانی شخصیت کی وسعت اور اس کی انسانیت کی توسیع ہے۔ عفو ودر گزر نہ ہو تو انسانیت گھٹ کر مر جائے اور ہر طرف خونخواری و حیوانیت کا دور دورہ ہو۔ عفو ودر گزر لطافت ورحمت کا اظہار ہے جس سے انسانیت پہچانی جاتی ہے۔ انسان کی اس صفت کا منبع ومصدر بھی صفت رب ہے۔ ''(۲)

گویا کہ عفو ودر گزر ایک ایسی صفت ہے جس سے مخالفین کے دل نرم ہو جاتے ہیں اور وہ داعی کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں عفو ودر گزر کی بے نظیر مثال پیش کی۔ اس دن آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کے پوری طرح قابو میں تھے لیکن آپ ﷺ نے ان کے جرائم سے پردہ پوشی کرکے انہیں معاف کر دیا۔ اسی عفو ودر گزر سے قریش کے دل میں انقلاب برپا ہو گیا۔ آپ ﷺ کے عام معافی کے اعلان سے مکہ میں اسلام اتنی تیزی سے پھیلا کہ اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ عصر حاضر میں داعیوں کو فریضہ دعوت کی ادائیگی کے وقت عفو ودر گزر سے کام لینا چاہیے۔

۸۔ نرم لہجہ

دور حاضر میں داعی کو مخاطب کو دعوت دیتے ہوئے اپنے لہجے کو نرم رکھنا چاہیے۔ اسے اپنے مدعا کو سختی کے بجائے نرمی کے ساتھ بیان کرنا چاہیے۔ دعوت اور تبلیغ کے وقت اگر شروع ہی میں مدعو کو تند کلامی سے مخاطب کیا جائے گا تو وہ داعی کی طرف متوجہ نہیں ہوگا۔ اگر انہی الفاظ کو نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ کہے گا تو ممکن ہے داعی کی بات اس پہ اثر کرے اور شاید کہ وہ اسکی دعوت کو قبول کرلے۔ اس کے بارے میں تنزیلہ یوسف بیان کرتی ہے:

''آج کے علماء کرام کا جائزہ لیا جائے تو افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اکثریت کا لب ولہجہ طنزیہ ہوتا ہے اور وہ خود کو عام لوگوں سے برتر سمجھتے ہیں اور لوگوں کی ذہنی سطح

(۱) صحیح بخاری، کتاب تفسیر القرآن، باب سورۃ حم السجدہ، حدیث نمبر:۴۸۱۵، ۱۲/۵۱

(۲) خلق عظیم، خالد علوی، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء، ص:۱۳۶

کے برعکس پیچیدہ مسائل بیان کر رہے ہوتے ہیں جس سے دین کو مشکل سمجھ لیا گیا ہے"(۱)

عصر حاضر میں معاشرے میں بہت برائی پھیلی ہوئی ہے۔ایسے حالات میں داعی مدعو کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا ہے تو وہ نرم طریق کار سے نکل جاتا ہے۔داعی کو چاہیے کہ ہمیشہ نرمی کا طریقہ کار اختیار کرے کیونکہ دعوت میں نرمی ہی درست طریقہ ہے۔(۲)

داعی کو ہمیشہ مدعو کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے۔اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرامؑ کو بھی اپنے بدترین مخالفین کے ساتھ بھی نرمی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے ۔جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو پیغام رسانی لے کر جانے کا حکم دیا تو یہ ہدایت فرمائی:

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَه قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّه يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾(۳)

ترجمہ: تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے بڑی سرکشی کی ہے۔اسے نرمی سے سمجھاؤ کہ شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔

اس آیت قرآنی میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ دونوں فرعون کے پاس جائیں اور اسکو حق اور ہدایت کی دعوت دو کیونکہ وہ سرکشی میں بہت آگے بڑھ چکا ہے۔اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ کو دعوت حق کی سلسلے میں اس کے ساتھ نرمی برتنے کی تعلیم کر رہے ہیں۔ضیاء القرآن میں ان آیات کی تفسیر بیان ہوتی ہے کہ:

"ہر مبلغ کے لیے اس میں راہنمائی ہے مبلغ کو ایسا شیریں کلام اور نرم خو ہونا چاہیے کہ جب بولے تو یوں معلوم ہو اکہ اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں یا شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔اگر وہ تند مزاج اور سخت کلام ہو گا تو لوگ اس سے نفرت کرنے لگیں گے اور اس سے دور بھاگ جائیں گے۔"(۴)

نبی اکرم ﷺ نے نرمی کے بارے میں ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ))(۵)

---

(۱) رسول عربی ﷺ داعی الی اللہ، تنزیلہ یوسف، ادارہ دلیل، جنوری ۲۰۱۷ء

(۲) اصول دعوت، ص:۶۲۷

(۳) سورۃ طہ:۲۰/۴۳۔۴۴

(۴) ضیاء القرآن،۲/۱۲۳

(۵) صحیح مسلم، کتاب البر والصلہ والآداب، باب فضل الرفق، حدیث نمبر:۲۵۹۳، ۴/۲۰۰۳

ترجمہ: اللہ رفیق ہے اور رفق (یعنی نرمی) کو پسند کرتا ہے اور نرمی اختیار کرنے کی بناء پر وہ اس قدر عطا فرماتا ہے کہ جو سختی یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے اس قدر عطا نہیں فرماتا۔

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالی کی صفت بیان کی جارہی ہے۔اس کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم و مہربان ہے اور نرمی و مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر خود بھی نرم و مہربان ہے اور ان انسانوں سے راضی ہوتے ہیں جو اپنے تمام امور میں ایک دوسرے سے نرم خوئی اور مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں، ایک دوسرے کو سختیوں اور پریشانیوں میں مبتلا کرنے سے اجتناب کرتے ہیں اور باہمی معاملات کو سہولت و آسانی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں۔ اللہ تعالی نرمی کو پسند کرتا ہے۔نرمی اختیار کرنے والے کو اللہ تعالی بہت نوازتا ہے۔ محمد سرور اس حدیث کی تشریح اس طرح بیان کرتے ہیں:

”اللہ تعالی کی شریعت آسان ہے۔اس کے احکام نرم ہیں۔وہ بندوں پر رحیم و شفیق ہے اور اسی عادت کو بندوں میں بھی پسند کرتا ہے۔اس نے بندوں کو ایک دوسرے سے نرم سلوک کرنے، محبت کرنے، ہمدردی اور خیر خواہی کے احکام دیئے ہیں۔“(۱)

گویا کہ انسانوں کو نرمی اختیار کرنی چاہیے۔ابو احمد نوید قمر داعی کو دعوت میں نرمی اختیار کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

”گفتگو نہایت دلنشین پیرائے میں کی جائے۔ سختی نہ کی جائے الفاظ بہتر سے بہتر استعمال کئے جائیں جو مخاطب کے دل میں اترنے والے ہوں۔رویہ نہایت اعلی، گفتگو سلیقہ مند، اسلوب حکیمانہ اختیار کیا جائے غرض مثبت سوچ کے ساتھ جو رنگ ڈھنگ بھی ممکن ہو اختیار کیا جائے۔“(۲)

داعی کو ہمیشہ اس طریقہ سے دوسروں سے بات کرنی چاہیے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں اپنے دشمنوں کے ساتھ بہت نرمی اور شفقت کا مظاہرہ کیا اور آپ ﷺ کی نرمی کی وجہ سے انہوں نے اسلام قبول کیا۔اگر آپ ﷺ کی سخت طبیعت ہوتی تو وہ آپ ﷺ سے منتشر ہو جاتے۔ہندہ جس نے جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا تھا۔اس نے بھیس بدل کر اسلام قبول کرنے کے لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ ﷺ کی نرمی اور حسن خلق سے اس قدر متاثر ہوئی کہ بے اختیار بول اٹھی:

---

(۱) خیر المعبود شرح سنن ابو داؤد، ص:۲۱۳

(۲) دعوت دین اور اس کے تقاضے، ابو احمد نوید قمر، طلباء مرکز الدعوۃ و الارشاد، لاہور، ص:۵۲

((يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَذِلُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ وَمَا أَصْبَحَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَهْلُ خِبَاءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ أَنْ يَعِزُّوا مِنْ أَهْلِ خِبَائِكَ))(۱)

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا ذلیل ہونا مجھے محبوب نہ تھا۔ مگر اب میرا یہ حال ہے کہ روئے زمین پر آپ کے گھر والوں سے زیادہ کسی گھر والے کا عزت دار ہونا مجھے پسند نہیں۔

فتح مکہ کے روز جب آپ ﷺ اپنی فوج کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے تو ایک شخص آپ ﷺ کو ملا۔ جو آپ ﷺ کا دشمن تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بات کرنا چاہتا تھا لیکن فوجی دستوں کی ہیبت سے اور اس ڈر سے کہ آپ ﷺ اس سے اس کی زیادتیوں کا بدلہ لیں گے، اس پر کپکپی طاری تھی تو آپ ﷺ نے اس کا خوف دور کرنے کے لئے نرمی سے اسے کہا:

((أَنَا ابْنُ امْرَأَةٍ تَأْكُلُ الْقَدِيدَ)) (۲)

ترجمہ: میں اس خاتون کا بیٹا ہوں جو گوشت کے سوکھے ٹکڑے کھایا کرتی تھی۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے بھی نرمی کا برتاؤ کیا۔ داعی کو ہمیشہ لوگوں کے ساتھ نرم لہجے میں بات کرنی چاہیے۔

۹۔ استقامت

عصر حاضر میں مخالفین کی جانب سے داعی کے لئے دعوت کے کام میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں ہیں۔ آج کے دور میں مسلمان داعی کے لئے دعوت دینا جرم بن گیا ہے اور داعی کو تبلیغ سے روکنے کے لئے مختلف سازشیں کی جاتی ہے کبھی انہیں ملازمت سے نکال دیا جاتا ہے تو کبھی انہیں ملک سے نکال دیا جاتا ہے۔ جرمنی کے مبلغ امینہ بلال فلپس کو اسلام کے نظریات کو پھیلانے کی وجہ سے جرمنی سے نکال دیا گیا۔(۳) اسی طرح امینہ اسلمی کو اسلام کا پیغام پہنچانے کی وجہ سے ملازمت سے نکال دیا گیا اور ان سے ان کے بچوں کو چھین لیا گیا لیکن اس کے باوجود انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا کام جاری رکھا اور ان کی تبلیغ سے تین سو امریکی خواتین نے اسلام قبول کیا۔(۴) داعی کو چاہیے کہ وہ ان کی اذیت، ظلم اور نازیبا حرکتوں کے سامنے ڈٹ جائے اور کامیابی ملنے تک مختلف مشکلات کو استقامت و پائیداری کے ساتھ برداشت کرے۔ اسے اپنے صحیح موقف پر پہاڑ کی طرح قائم رہنا چاہیے اور کوئی بھی چیز اس کے لئے رکاوٹ نہ بنے۔ جیسے امریکہ

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من رای للقاضی ان یحکم، حدیث نمبر:۷۱۶۱، ۸۱/۱۸

(۲) سنن ابن ماجہ، کتاب الاطعمۃ، باب القدید، حدیث نمبر:۳۳۱۲، ۴/۴۳۰

(۳) مسلمان مبلغ کے لیے جرمنی سے نکل جانے کا حکم، ندیم گل، ڈی ڈبلیو خبر رساں ادارہ، ۲۲ اپریل ۲۰۱۱ء

(۴) نو مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں، نگہت عائشہ، ندوۃ المعارف، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص:۵۹

سے تعلق رکھنے والی آمنہ جو کہ معذور تھی لیکن ان کی معذوری بھی اسلام کی اشاعت کے لئے رکاوٹ نہیں بنی اوران کی تبلیغ سے بہت سے مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کیا۔[۱] دعوت کے کام میں کامیابی استقامت سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ اس سے اس وقت سبق حاصل کریں گے اگر وہ اپنی دعوت پر استقامت کا ثبوت پیش کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((قُلْ آمَنْتُ بِاللَّهِ فَاسْتَقِمْ))[۲]

ترجمہ: کہو اللہ پر ایمان لاؤ پھر اس پر ثابت قدم رہو۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ایمان پر استقامت کا حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم کی شرح نفع المسلم میں اس حدیث کی شرح اس طرح بیان ہوتی ہے:

"اس حدیث کا شمار جوامع الکلم میں ہے، اسلامی تمام اصول پر یہ حدیث اجمالا حاوی ہے، کیونکہ اسلامی اصول کا لب لباب دو چیزوں پر ہے (۱) توحید (۲) طاعت۔ آمَنْتُ بِاللّٰہِ میں توحید آجاتی ہے، اور طاعت کی جملہ اقسام اسْتَقِمْ میں آجاتے ہیں، کیونکہ استقامت اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ تمام مامورات پر عمل کیا جائے، اور منہیات سے بچا جائے اسی کے ذیل میں قلوب وابدان سبھی کے اعمال آجاتے ہیں۔"[۳]

گویا کہ ثابت ہوا کہ استقامت ایک اہم صفت ہے اور مسلمانوں داعی کو استقامت کا ثبوت دینا چاہیئے۔ محمد زاہد اقبال داعی کی اپنی دعوت پر استقامت کے بارے میں اس طرح لکھتے ہیں:

"جب افکار باطلہ کی تردید کی جاتی ہے اور مروجہ فاسد نظامہائے حیات پر دلائل کے ساتھ تنقید کی جاتی اور ان کارد کیا جاتا ہے تو اس کا شدید رد عمل سامنے آتا ہے اور داعی کو بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہی وہ وقت ہوتا ہے جب اس جرأت، استقامت اور اپنے نظریے پر پختگی کا امتحان ہوتا ہے۔ داعی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ان مشکل حالات میں جرأت واستقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی قسم کی مداہنت اختیار نہ کرے اور اپنی دعوت اور نظریات پر ڈٹ جائے۔"[۴]

---

(۱) نو مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں، ص:۶۱

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب جامع اوصاف الاسلام، حدیث نمبر:۳۸، ۱/۶۵

(۳) نفع المسلم شرح صحیح مسلم، اکرام علی، (مرتب: محمد انعام الحق قاسمی)، زمزم پبلشرز، کراچی، مئی ۲۰۱۲ء، ص:۲۰۱

(۴) غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص:۲۱۰

مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو اپنی دعوت سے روکنے کے لئے بے شمار حربے استعمال کئے لیکن آپ ﷺ کی استقامت کی وجہ سے ان کو شکست ہوئی اور وہ آپ ﷺ کو دین حق سے ورغلانے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔مکہ کو فتح کرنے کے بعد مشرکین مکہ خود ہی اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور ہو گئے۔

۱۰۔دعوتی ماحول کا مکمل شعور

عصر حاضر میں مسلمانوں کے خلاف کفار نے نفرت انگیز مہم چلائی ہوئی ہے۔انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ماحول اور لوگوں کے ذہن بنائے ہوئے ہے۔اسلام سے تعلق کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف مختلف پروپیگنڈے کر رہے ہیں اور مسلمان حکمرانوں کی تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا جارہا ہے۔(۱) ایسے حالات میں ضروری ہے کہ داعی کو مخاطب کی ذہنی کیفیت اور حالات وواقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے دعوت کے کام کا آغاز نہایت ہی حکمت و بصیرت سے کرنا چاہیے۔داعی کو اس نفرت انگیز ماحول اور لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔داعی کو موقع ومحل کے مطابق دعوت دینی چاہیے کیونکہ بے جا اور بے موقع بات نہ صرف اپنا اثر کھودیتی ہے بلکہ الٹا منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ داعی کو ایسی کیفیت پیدا نہیں کرنی چاہیے کہ مخاطب اپنے آپ کو گھیراؤ میں محسوس کرکے بغاوت یا فرار پر تل جائے۔داعی کے لئے بہت ضروری ہے کہ اسے یہ معلوم ہو کہ کس طرح کے ماحول میں کس طرح کام کرنا ہے اور کس طرح دعوت دینی ہے۔اگر اسے دعوتی ماحول کا شعور حاصل نہیں ہوگا تو اس کی دعوت آگے نہیں بڑھ سکتی ۔آپ ﷺ نے فتح مکہ میں حالات کے مطابق بحیثیت داعی حکمت عملی ترتیب دی اور اپنے دشمنوں کو شکست فاش دی ۔آپ ﷺ نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ انہوں نے خود ہی اسلام قبول کر دیا۔

۱۱۔مراتب کا احترام

عصر حاضر میں داعی کو ہر طرح کے لوگوں کو دعوت دینی ہوتی ہے جن میں مختلف قبیلوں اور گروہوں کے لوگ ہوتے ہیں، اہل علم بھی ہوتے ہیں اور عام آدمی بھی۔ داعی کو لوگوں کے مراتب کا احترام کرنا چاہیے۔اس کے بغیر وہ دعوت کے عمل کو آگے نہیں لے جاسکتا۔اس لئے ہر ایک کے مقام اور مرتبے کے مطابق ان سے سلوک کرے۔فتح مکہ میں جب ابوسفیانؓ مسلمان ہو گئے تو حضرت عباسؓ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ابوسفیانؓ اعزاز کو بہت پسند کرتے ہیں۔تو آپ ﷺ ان کو کچھ ایسا امتیاز عطا فرمائیں ۔تو آپ ﷺ نے اس کے گھر کو دار الامن قرار دیا۔(۲) مکہ کی فتح کے بعد مختلف قبیلوں کے سربراہ اپنے وفود کے ساتھ آئے تو آپ ﷺ ان کا والہانہ استقبال کرتے اور انکے رؤساء کے

---

(۱) موجودہ حالات میں مسلمانوں کا لائحہ عمل، سید احمد ومیض، اسٹار نیوز، ۵ دسمبر ۲۰۱۸ء

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجھاد و السیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۶، ۳/۱۴۰۷

حق میں بھلائی کے کلمات ادا کرتے۔ جیسے آپ ﷺ نے وفد عبد القیس کے ساتھ کیا۔(۱) داعی کو ہمیشہ مراتب کا احترام کرنا چاہیے۔

۱۲۔ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے دعوت

موجودہ دور میں داعیوں کے اندر اخلاص و سرفروشی کے جذبے کے بجائے ان کی اپنی اغراض اور دنیاوی حرص و طمع پیدا ہو گئی ہے۔ موجودہ دور میں بہت سی دینی جماعتیں اور اسلامی تحریکیں ایسی ہیں جن کو اخلاص کے ساتھ دعوت اور کلمہ حق کی سربلندی کے بجائے اپنے مادی فوائد اور سستے پروپیگنڈے کے حصول کی فکر ہے۔ وہ دعوت کے سائن بورڈ اور مشہور علما کے ناموں کو اپنے معمولی فائدے کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔(۲) داعی کا ہمیشہ یہ مقصد ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دعوت کا کام سر انجام دے رہا ہو۔ اس کا مقصد مال و جاہ کا حصول، دکھاوا یا دیگر مقاصد نہیں ہو بلکہ دین کی اشاعت ہو۔ وہ دعوت کے کام کو معاوضہ حاصل کرنے کے لئے سر انجام نہ دے اور نہ ہی ریاکاری کے لئے کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ سے اجر عظیم کی امید پر خلوص نیت سے یہ کام سر انجام دے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ (۳)

ترجمہ: میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہی ہے۔

اس آیت قرآنی میں حضرت صالحؑ کی مخلصانہ دعوت کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اس میں حضرت صالحؑ کی اپنی قوم کے سامنے اپنی دعوت میں بے غرضی کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ حضرت صالحؑ نے ان لوگوں سے کہا کہ میں دعوت و تبلیغ کے اس کام پر تم لوگوں سے کسی طرح کا کوئی اجر اور بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا صلہ تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔ امین احسن اصلاحی اپنی کتاب تدبر قرآن میں اس آیت کی تفسیر اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ”اس میں ترغیب و تودیع اور اظہار بے نیازی کے جو مختلف پہلو ہیں ان کی طرف پیچھے اشارہ ہو چکا ہے۔ بے نیازی خدمت خلق کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اگرچہ لوگوں کی زبانیں بند کر دینا کسی کے بس میں نہیں ہے لیکن حضرات انبیاءؑ نے برملا اس امر کا اعلان فرمایا کہ ہم تم سے کچھ مانگنے کے لئے نہیں بلکہ تمہیں دینے کے لئے آئے ہیں۔ یہ مقام ہے بہت مشکل لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں دعوت حق

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۹۹

(۲) اسلام اور مغرب، ص:۹۳

(۳) سورۃ الشعراء:۲۶/ ۱۴۵

کو فروغ ایسے ہی بے نیازوں کے ذریعے سے ہوا ہے جو خلق سے کسی صلے کے طالب نہیں ہوئے ہیں۔"(۱)

سہیلی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی دعوت کا مقصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فکان مطلوبه رضا ربه وبه كانت تهون عليه الشدائد"(۲)

ترجمہ: آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مطلوب و مقصد اپنے رب کی رضا کا حصول تھا چنانچہ اسی سبب سے تمام مصائب و تکالیف کو جھیلنا سہل ہو جاتا تھا۔

غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار میں داعی کی دعوت کے مقصد کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ:

"دین اسلام کی اشاعت اور اس کے پوری دنیا میں نفاذ اور تمام ادیان باطلہ پر غلبے کی جدوجہد کا مقصد فقط اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول اور اس کے دربار میں سرخرو ہونا ہے۔ جب یہ مقصد پیش نظر ہو تو اس راہ میں آنے والی مشکلات و مصائب کو جھیلنا آسان ہو جاتا ہے اور داعی ان کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ وہ انہیں بخوشی قبول کرتا ہے اور آگے بڑھتا ہے، کیونکہ اسے اس بات کا کامل یقین ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت اسے اس کا بہتر بدلہ دے گا اور جنت اور اس کی لافانی نعمتوں سے نوازیں گے۔"(۳)

گویا کہ ثابت ہوا کہ داعی کی دعوت کا اہم مقصد اللہ کی رضا و خوشنودی کا حصول ہونا چاہیے اور اسی وجہ سے وہ تمام مشکلات و مصائب کو بخوشی برداشت کرتا ہے۔

آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے مکہ کو فتح کسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں کیا بلکہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا مقصد دعوت اسلام کا غلبہ اور مشرکین و کفار کو مغلوب کرنا اور اللہ کی رضا و خوشنودی کا حصول تھا۔

۱۳۔ دعوت بذریعہ سیرت و کردار

عصر حاضر میں قومیں آپس میں سیاسی اور مادی مفاد کے لئے الجھتی رہتی ہیں۔ ایسے حالات میں داعی کی توجہ حقوق طلبی پر نہ ہو بلکہ پیغام رسانی پر ہو۔ ایسے حالات میں اس کے اندر داعی والا کردار ہو اور دوسری قوموں کے ساتھ سیاسی حریف یا رقیب والا رشتہ نہ ہو بلکہ مدعو والا رشتہ ہو۔(۴)

---

(۱) تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، نومبر ۲۰۰۹ء، ۵/ ۵۴۲

(۲) الروض الانف، ۳/ ۵۵

(۳) غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ص: ۲۰۶

(۴) دعوت اسلام، وحید الدین خان، دار التذکیر، لاہور، ص: ۱۵۷

ص: ۱۵۷

دعوت و تبلیغ کا کام صرف تبلیغ و تقریر سے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس میں داعی کے کردار و عمل کا بہت دخل ہوتا ہے ۔اگر داعی کے اعمال اور اخلاق اچھے ہوگے تو اس کا اثر دوسروں پر پڑے گا اور وہ خود بخود آپکی دعوت پر غور کرے گا ۔کیونکہ مخاطب ایسے شخص کی بات کو زیادہ اہمیت دیتا ہے جو وہ بات کر رہا ہو وہ خود بھی اس پر عمل کرتا ہو۔ آج کل دعوت کا اثر اس لئے کم ہو رہا ہے کہ وہ جو وعظ اور لیکچر دیتے ہیں وہ خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ عصر حاضر میں غیر مسلموں کو تبلیغ کا آسان طریقہ یہ ہے کہ مبلغ اپنے کردار اور عمل کی وجہ سے عمدہ مثال بنے۔ جیسے مانچسٹر کی ایک نو مسلم خاتون انجلس نے ایک مسلمان صومالین لڑکی شمسہ کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔(۱)

آج کل داعی کے اندر اچھے اخلاص اور عمل کا فقدان ہے۔ آپ ﷺ کے اندر یہ دونوں صفات باخوبی پائیں جاتیں تھیں۔ آپ ﷺ کی تبلیغ کا اہم راز یہ تھا کہ آپ ﷺ خود پیکر عمل تھے اور بہترین اخلاق کے حامل تھے۔ آپ ﷺ جو دعوت و تبلیغ کرتے اس کی ایک ایک بات پر خود عمل کرتے۔ فتح مکہ میں ہزاروں لوگوں نے آپ ﷺ کے حسن اعمال اور کردار کو دیکھ کر ہی اسلام قبول کیا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں اپنے حسن اعمال اور کردار سے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ قریش مکہ اور آس پاس کے قبائل نے خود بخود اسلام قبول کر لیا۔

۱۴۔مکارم اخلاق کی تکمیل

دور حاضر میں یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ کا رویہ اسلامی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اسوہ مبارک سے بالکل مطابقت نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کی اکثریت اچھے اخلاق و کردار سے عاری ہے۔ معاملے کی صفائی اور شفافیت ،دوسروں کے ساتھ اچھابرتاؤ،اعلی اخلاق وکردار کا مظاہرہ اور دیگر اخلاق فاضلہ جو کبھی ان کی پہچان ہوا کرتے تھے،اب ان کے اندر ختم ہو چکے ہیں اور تمام اخلاقی برائیاں جو دیگر اقوام میں پائی جاتی ہیں وہ ان میں پیدا ہو چکیں ہیں۔ اس لئے جب تک وہ اپنے اخلاق و کردار کو نہیں سنواریں گے اوران کی زندگیاں اسلام کی تعلیمات کا عملی نمونہ نہیں پیش کریں گی، اس وقت تک اشاعت اسلام کی راہ کی رکاوٹ دور نہیں ہو گی۔

فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت عباسؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابو سفیان کو آج کی رات اپنی پناہ دینے کے بارے میں اجازت طلب کرتے ہیں تو حضرت عمرؓ ابو سفیان کو دیکھ کر آپ ﷺ سے ابو سفیان کے قتل کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ مگر آپ ﷺ حضرت عمرؓ کو اس سے منع کر دیتے ہیں۔ آپ ﷺ اگلے دن ابو سفیان سے اس کی آمد کی وجہ پوچھتے ہیں۔ ابو سفیان اس خوف میں مبتلا تھے کہ آپ ﷺ اب ان سے کس کس بات کا بدلہ لیں گے۔ وہ بالآخر آپ ﷺ کے اچھے اخلاق کی وجہ سے اسلام قبول کر لیتے ہیں۔(۲)

---

(۱)نو مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں، ص:۲۶

(۲)المعجم الکبیر،۹/۸

۱۵۔ داعی الی اللہ

آج کل کے دور میں داعی لوگوں کو قوم، قبیلے، وطن، خطے، رنگ و نسل، کسی فرقے اور جماعت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ وہ لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کی طرف بلائیں، وہ لوگوں کو شیطان کی پرستش سے آزاد کرائیں اور انہیں صرف ایک معبود برحق کی عبادت کی دعوت دیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کے دشمن لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے اور دین اسلام میں شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔ یہ لوگوں کو ایسے امور کی طرف دعوت دیتے ہیں جو انہیں اللہ کے دین سے نکال دیں۔ داعی کو ان ملحدانہ اور گمراہ کن سرگرمیوں کا خاتمہ کرنا چاہیے اور دعوت الی اللہ کو عام کرنا چاہیے۔ (۱)

عصر حاضر میں اللہ تعالی کا پیغام غیر مسلم کو پہنچانا داعی کی ایک بہت ہی اہم ذمہ داری ہے۔ اس کام کے لئے اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس پر داعی کے طرز عمل کے بارے میں وحید الدین خان لکھتے ہیں:

> "یہ کام سر تا پا صبر، خیر خواہی، حکمت اور موعظت حسنہ کے جذبہ کے تحت سر انجام دیا جاتا ہے۔ اس میں مدعو کی زیادتیوں کو یک طرفہ طور پر برداشت کیا جاتا ہے۔ داعی کسی بھی حال میں مدعو سے کوئی قومی یا مادی نزاع نہیں چھیڑتا۔ یہ وہ کام ہے جس میں ضروری ہوتا ہے کہ داعی فریق ثانی کی اشتعال انگیزی پر مشتعل نہ ہو۔ وہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دے اور تعصب اور ظلم کے باوجود مدعو کے حق میں دعا کرتا رہے۔" (۲)

آپ ﷺ داعی الی اللہ تھے۔ آپ ﷺ نے جب بھی دعوت دی تو صرف اور صرف اللہ تعالی کی طرف دعوت دی۔ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ﴾ (۳)

ترجمہ: اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا۔

اس آیت قرآنی میں آپ ﷺ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ آپ ﷺ داعی الی اللہ ہے اور آپ ﷺ مخلوق کو اس کے خالق کے حکم سے اس کی طرف بلاتے اور دعوت دیتے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر محمد شفیع اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "داعیاً الیٰ اللہ کو باذنہ کے ساتھ مشروط فرمایا کہ آپ ﷺ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والے اور بلانے والے اللہ ہی کے اذن و اجازت سے ہیں۔ اس قید و شرط

---

(۱) دعوت الی اللہ اور داعی کے اوصاف، ص:۲۸

(۲) دعوت اسلام، ص:۱۵۶

(۳) سورۃ الاحزاب:۴۶/۳۳

کا اضافہ اس اشارہ کے لئے ہے کہ تبلیغ و دعوت کی خدمت سخت دشوار ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اذن واجازت کے بغیر انسان کے بس میں نہیں آسکتی۔"[1]

آج کل کے معاشرے میں حق وباطل کی کشمکش جاری ہے۔ دعوت حق کی راہ میں باطل پرست روڑے اٹکاتے ہیں ۔شیطان تو شیطان خودانسان دعوتی راہ میں مشکلات کا سبب بنتے ہیں۔ داعی کو چاہیے کہ جس طرح کے بھی حالات ہو اسے دعوت الی اللہ دینی چاہیے۔ وحید الدین موجودہ دور کی دعوتی سرگرمیوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"موجودہ زمانہ میں بظاہر مسلمانوں کے درمیان دعوت اسلامی کا کافی چرچا نظر آرہا ہے ۔ مگر ان کی کاروائیوں کو دیکھنے اور ان کی کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد میرا احساس یہ ہے کہ لوگ دعوت کا نام تولے رہے ہیں۔ مگر شاید ان پر یہ واضح نہیں کہ دعوت سے حقیقتہ کیامراد ہے۔ لوگ سیاسی ہنگامے برپا کرتے ہیں اور قومی مسائل پر پرجوش تقریریں کرتے ہیں اور اسی کو دعوت کا عنوان دے رہے ہیں۔ حالانکہ دعوت خدائی پیغام رسانی کا نام ہے نہ کہ قومی اور مادی ہنگامہ آرائی کا۔"[2]

گویا کہ موجودہ دعوتی سرگرمیوں میں دعوت الی اللہ کی سرگرمی نظر نہیں آتی۔ مکہ کی فتح کے دن نبی اکرم ﷺ سب سے پہلے مسجد حرام میں گئے اس وقت بیت اللہ کے اردگرد اور چھت پر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ ﷺ نے ان بتوں کو توڑ دیااور بیت اللہ کو خالص اللہ کی عبادت کے لئے وقف کر دیا۔ مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مکہ کے اردگرد جو بت پرستی کے چند مراکز تھے ان کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ نے بت پرستی کے ان بڑے مراکز کے خاتمے کے لئے صحابہ کرامؓ کے لشکروں کو بھیج کران سب بتوں کو توڑکربت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔[3] فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ پہلے دعوت الی اللہ انہیں پیش کرنا اگر وہ نہ مانے تو پھر ان سے جنگ کرنا۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اللہ تعالی کا پیغام ہر انسان تک پہنچے ۔اس لئے نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مختلف قبیلوں کی طرف داعی بھیجے اور ان کی تبلیغ سے بہت سے عرب قبائل نے اسلام قبول کرلیا۔

۱۶۔ تالیف قلبی

عصر حاضر میں نفسا نفسی کا دور ہے۔ انسان خود غرض ہو گیاہے اور ہر انسان وہ کام کرتا ہے جس سے اسے نفع حاصل ہو دوسروں کی خوشی اور ان کے دلوں کے اطمینان کے لئے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اس لئے داعی کو عوام کی

---

(۱) معارف القرآن، ۷/ ۱۷۷

(۲) دعوت اسلام، ص: ۲۱

(۳) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۶۳

تالیف قلبی کے لیے ہر وقت کام کرنا چاہیے اور اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کرتے ہوئے لوگوں کے مسائل اور معاملات کو حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے طرز عمل کی وجہ سے لوگوں پر بہت بڑا اچھا اثر پڑے گا۔

فتح مکہ میں تالیف قلبی کے لیے بھی اقدامات کیے گئے۔ فتح مکہ کے وقت ابوسفیانؓ کے گھر کو دار الامن قرار دیا گیا[(۱)] اور جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کر لیا ہے تو لوگ اسلام قبول کرنے لگے۔ اس طرح فتح مکہ کے موقع پر مخالفین کو معاف کر کے تحریک اسلام کا حصہ بنا دیا گیا۔

غزوہ فتح مکہ سے ملنے والے یہ چند رہنما خطوط ہیں۔ جن کی روشنی میں موجودہ عالمی حالات کے دعوتی مسائل ومشکلات حل کیے جاسکتے ہیں۔

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

فصل دوم

سیاسی مسائل اور ان کا حل فتح مکہ کی روشنی میں

فصل دوم

سیاسی مسائل اوران کا حل فتح مکہ کی روشنی میں

عصر حاضر میں عالمی سطح پر مسلمانوں کے سیاسی حالات ٹھیک نہیں۔ عصر حاضر میں سیاست اور نظام حکومت پر مغربی جمہوریت کے غلبہ کی وجہ سے اسلامی نظام حکمرانی چھپ گیا ہے۔[۱] عصر حاضر میں عالم اسلام میں سیاسی کشمکش جاری ہے ایک طرف اسلام پسند مسلمان اسلامی نظام لانا چاہتے ہیں اور دوسری طرف مغربی طاقتیں اور مسلم ممالک میں مغرب زدہ عناصر اسلام سے نفرت کرتے ہیں۔[۲] مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے پاس نہ تو کامیاب لیڈر شپ ہے اور نہ ہی اتحاد و اتفاق ہے۔ مسلمانوں کے دشمن منظم و منصوبہ بند فسادات کے ذریعہ مسلمانوں کو سیاسی سطح پر کچھ اس انداز میں گھیرا کہ پوری مسلم قوم بوکھلاہٹ کا شکار ہوگئی۔ اس چیز کے مخالف میں مسلمان کوئی واضح لائحہ عمل اختیار نہیں کر سکے جس کی وجہ سے ان میں انتشار پیدا ہو گیا۔ اس قسم کے طرز عمل نے مسلم خطے کو سیاسی عدم استحکام سے دوچار کر دیا ہے۔ کئی صدیاں گزر گئیں مگر مسلم خطے میں سیاسی استحکام میسر نہ آیا۔ آج کے حکمران طاقت کے بل بوتے پر حکومت کر رہے ہیں۔ وہ اپنی تمام کوششیں صرف اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کر رہے ہیں اور وہ ملک کے تمام وسائل صرف اپنے استحکام کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ آج کل کے سیاستدانوں نے سیاست کو ملک و قوم کی خدمت کے بجائے ایک پیشہ بنایا ہوا ہے۔ وہ اپنے مفاد کے لئے ملکی مفاد کو قربان کر دیتے ہیں۔ معاشرے میں کرپشن اور لوٹ مار کا دور دورہ ہے۔ سیاسی زندگی کی بنیادیں اتحاد، تنظیم، شعور قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ پر قائم ہوتی ہیں مگر یہ تمام چیزیں آج کے معاشرے کے اندر مفقود ہیں۔ موجودہ عالمی حالات میں مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ باطل سازشوں کو شکست دینے کے لیے غزوہ فتح مکہ کے اسوہ کو اختیار کریں۔ آپ ﷺ نے کفر و باطل کے خاتمے کے لیے فتح مکہ میں جو راہ اختیار کی یقیناوہی راہ آج بھی راہ نجات ہے۔ عصر حاضر میں سیاسی مسائل کے نشانات راہ فتح مکہ کی روشنی میں مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ صالح اور مدبر قیادت

عصر حاضر میں مسلم ممالک میں صالح اور مدبر قیادت کا فقدان ہے۔ آج کل کی قیادت کا مقصد صرف اقتدار حاصل کرنا اور عوام کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔ اکثر حکمران ذاتی مفادات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ قائدانہ

---

(۱) اسلام اور عصر حاضر، ص:۵

(۲) اسلام کا سیاسی نظام، محمد سراج الدین قاسمی، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، فروری ۲۰۱۴ء، ص:۱۰

صلاحیتوں سے عاری ہیں۔ بہت سے مسلم ممالک آزاد ہونے کے باوجود اپنی پالیسیوں میں آزاد نہیں وہ مغربی ممالک کے دست نگر ہیں۔ابوالحسن علی ندوی[۱] لکھتے ہیں:

"افراد زمانوں میں تبدیلی اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک ان میں صحیح فکر میں مبنی قیادت نہ ہو"[۲]

عالم عربی مسلمانوں کا گہوارہ ہے۔وہ مسلمانوں کی پناہ گاہ اور عالمی سیاست کا مرکز ہے۔اب عرب قومیں اور حکومتیں اسلام کے بجائے مغرب کے اسیر ہوگئے ہیں۔وہ اپنے نظام زندگی اور سیاست و حکومت میں مغرب کی پیروی کرنا چاہتے ہیں۔[۳]موجودہ حالات میں عرب دنیا ایک سالم قوت والی قیادت سے محروم ہے۔ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

" عربوں کی موجودہ قیادت سمندر کی جھاگ کی مانند ہے۔بعض موجیں تو اتنی بلند ہوئیں کہ انہوں نے آسمان کو چھو لیا لیکن اس کے بعد سمندر کی تہ میں ہمیشہ کے لئے سو گئیں۔حکومتیں قائم ہوئیں، قیادتیں ظاہر ہوئیں لیکن دیکھتے ہی دیکھتے ان کی بساط الٹ گئی "[۴]

صالح اور مدبر قیادت امت مسلمہ کی بنیادی ضرورت اور دینی و ملی تقاضا ہے۔آج امت مسلمہ کو ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو دشمنوں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر ظلم و ستم کو ختم کرا سکے۔آپ ﷺ بہترین اور مدبر حکمران تھے۔آپ ﷺ نے اپنی بہترین حکمت عملیوں سے فتح مکہ جیسی عظیم الشان کامیابی حاصل کی اور اپنے دشمنوں کو شکست دی۔

۲۔سیاسی بے بصیرتی

کسی بھی قوم کے سیاست دان کے اندر حکمت ودانائی اور تدبر و بصیرت کی خصوصیات ہونی چاہیے۔تاکہ انہیں معاملات کی صحیح سمجھ بوجھ ہو اور وہ اپنا نقطہ نظر فیصلہ کن اور موثر طریقہ سے پیش کر سکے۔اگر سیاست دانوں کے اندر

---

(۱)ابوالحسن علی ندوی: آپ کا نام علی حسنی ندوی تھا۔آپ عالم اسلام کی وہ عظیم شخصیت ہیں جن کی علمی و ادبی تحقیقی اور تصنیفی خدمات بہت زیادہ ہیں۔آپ رابطہ عالم اسلامی سمیت درجنوں تنظیموں اور اداروں کے ممبر و سرپرست تھے۔آپ ۱۹۹۹ء میں فوت ہوئے(سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کی علمی و ادبی خدمات، مجیب الرحمن انقلابی،روزنامہ نوائے وقت،لاہور،۲۰ دسمبر ۲۰۱۳ء)

(۲)احادیث صریحہ مع اخواننا العرب والمسلمین، ابوالحسن علی ندوی، دار الصحوۃ،۱۹۹۵ء، ص:۲۴

(۳)انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۹ء، ص: ۳۵۶

(۴)عالم عربی کا المیہ: قرآن حکیم کے مطالعہ اور قانون فطرت کی روشنی میں، ابوالحسن علی ندوی، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ،۱۹۸۰ء، ص:۱۹۸

بے بصیرتی اور بے شعوری ہو گی تو وہ محض کٹھ پتلی بن جائیں گے اور جمہوریت کے بجائے آمریت قائم ہو جائے گی۔[1]عصر حاضر میں امت مسلمہ میں سیاسی بصیرت کی کمی ہے۔ مسلم ممالک کے سیاست دان سیاسی شعور سے بالکل محروم ہیں۔ مثلاً عالم اسلام میں سعودی عرب کو قائدانہ مقام حاصل ہے لیکن سعودی عرب کی کمزور سیاسی حکمت عملی کی وجہ سے مشرق وسطیٰ اور دوسرے ممالک میں مسلم عوام پر بے انتہا ظلم وستم کیا جارہا ہے۔ عراق، شام، یمن اور لیبیا کی بربادی عالمی طاقتوں کی وجہ سے ہوئی ہے لیکن دو طاقتور اسلامی ممالک ایران اور سعودی عرب بھی اس بربادی کے ذمہ دار ہیں۔ امریکہ نے افغانستان اور عراق پر حملہ کر کے بہت سے بے قصور لوگوں کو مارا لیکن سعودی عرب نے ان مظالم کے خلاف عالمی سطح پر کوئی کوشش نہیں کی۔[2]عصر حاضر میں مسلم قوموں کے بجائے مغربی قوموں میں سیاسی شعور بہت زیادہ ہے۔ وہ اپنے نفع ونقصان اور اہل اور نااہل کے فرق کو سمجھتی ہیں۔ وہ لوگ ملک کی قیادت نااہل لوگوں کے سپرد نہیں کرتے۔ اس طرح ان کے نمائندے بھی بددیانتی نہیں کرتے۔[3]

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے قریش مکہ کی سیادت کا خاتمہ کر دیا اور اسلام کو ایک ناقابل تسخیر قوت بنادیا۔ آپ ﷺ نے سیاسی بصیرت وحکمت عملی سے کام لیتے ہوئے بغیر کسی بڑے نقصان کے مکہ پر قبضہ حاصل کر لیا اور اسلامی نظام قائم کر دیا۔

۳۔ امت مسلمہ میں باہمی اتحاد واتفاق

عصر حاضر میں امت مسلمہ میں باہمی اتحاد و اتفاق ختم ہو چکا ہے۔ مغربی ممالک اپنے مخصوص مفادات کے لئے مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ہیں۔ مسلم امہ میں باہم رابطے نہ ہونے کے برابر ہے۔ ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان اور ان کی اکسٹھ اسلامی ریاستیں اپنی حیثیت اور وجود کھو بیٹھی ہیں۔ ان کے درمیان اتحاد واتفاق نہیں ہے اور وہ ایک منتشر اور غیر منظم قوم کے طور پر اپنے آپ کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ صہیونی طاقتیں، عالمی استعمار اور مغربی طاقتیں ان پر قبضہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ نیٹو کے نام پر غیر مسلم اقوام اسلام اور امت مسلمہ کے وجود کو مٹانے کے درپے ہیں۔[4]مسلم دنیا کے ممالک میں باہمی تعاون نہ ہونے کے برابر ہے اور وہ کوئی مشترکہ نصب العین متعین نہیں کرتے۔ مختلف اسلامی ممالک کی وفاداریاں اپنے تک محدود ہیں۔ اس صورتحال میں مسلمانوں کو دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپس کی نفرت کو ختم کر کے ایک ہو جائیں اور وہ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام کر متحد ہو جائیں اور دشمنوں کی سازشیں ناکام بنادیں۔ مسلمانوں کو اپنی آزادی اور سلامتی کو

---

(۱) سیاسی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل، محمد طاہر القادری، مرکزی ادارہ منہاج القرآن، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص:۱۹

(۲) سعودی عرب کی کمزور سیاسی حکمت عملی عالم اسلام کے لئے مسئلہ، ناظم الدین، بھٹکلیس نیوز بیورو

(۳) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ابوالحسن علی ندوی، ص:۳۳۷

(۴) مسلم دنیا ایک تعارف، سید قاسم محمود، الفیصل ناشران وتاجران، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص:۸

بر قرار رکھنے کے لئے اور دوبارہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اکٹھے ہو کر ایک ناقابل تسخیر امت بن جائیں۔ تقی عثمانی اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"دنیا کے نقشے میں نظر ڈال کر دیکھئے قدرت نے عالم اسلام کو جغرافیائی اعتبار سے کس طرح ایک لڑی میں پرو رکھا ہے۔ دنیا کی کیسی کیسی اہم شاہراہیں ان کے قبضے میں ہیں، کیسے کیسے قدرتی وسائل انہیں میسر ہیں، انسانی وسائل کے اعتبار سے وہ کتنے مالا مال ہیں کہ زمین کے بالکل بیچوں بیچ واقع ہونے کی وجہ سے پورے دنیا کا دل کس طرح ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر قدرتی انعامات اتحاد و تنظیم کے ساتھ کام میں لائے جائیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنا جائز مقام حاصل نہ کر سکیں۔"(۱)

اس وقت سب سے ہم سیاسی مسئلہ عالم اسلام کے باہمی تعلقات کا ہے۔ معروف اسلامی دانشور سید محمد عبد اللہ (۲) اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اس وقت مسلم ممالک نے جن بنیادوں پر خود کو تقسیم کیا ہوا وہ سراسر غیر مناسب ہیں۔ چنانچہ افغانستان سے لے کر عرب اور افریقہ تک عام طور پر باہمی بے تعلقی کا عالم ہے۔ لہٰذا قدرتی طور پر حضور ﷺ اپنی امت کو آج بھی وہی فرمائیں گے جو عربوں نے فرمایا تھا اور اتحاد کی بشارت دے کر افتراق سے بچنے کی تلقین کریں گے.... جس طرح حضور ﷺ کے زمانے میں اتحاد واقعی ایک نعمت عظمی ثابت ہوا تھا اور آپ کی امت دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا پر چھا گئی تھی۔ آج بھی نعمت اتحاد و اتفاق اپنے اندر ویسے ہی روشن احکامات رکھتی ہے۔ بلاشبہ چودھویں صدی میں زوال کے سائے گھرے رہے مگر پندرھویں صدی جملہ قرائن کی رو سے امید افزا صدی ہے۔ یہ اس شرط سے ہے کہ مسلمان اپنے روحانی رشتوں کو اپنے اتحاد کی اساس قرار دے لیں اور ان رشتوں کے تباع وسائل مادی کی تنظیم کر کے خود کو ایک بنیان مرصوص بنالیں۔"(۳)

---

(۱) عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہو؟، تقی عثمانی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۳۹۷ھ، ص: ۵۹۷

(۲) سید محمد عبد اللہ: آپ ۱۵ اپریل ۱۹۰۶ء کو منگلور (ضلع مانسہرہ) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد عالم اور حکیم تھے۔ آپ نے تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ آپ تیس کتابوں کے مصنف تھے۔ آپ نے ۱۹۸۶ء میں وفات پائی (ڈاکٹر سید عبد اللہ۔۔ حیات و خدمات، حسنین حیدر، اوراق خزانی، ۱۵ اپریل ۲۰۱۵ء)

(۳) عصر حاضر کے نام سیرت نبوی کا پیغام، سید محمد عبد اللہ، ماہنامہ 'فکر و نظر'، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اگست ۱۹۸۱ء، ص: ۷

گویا کہ ثابت ہوا کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق نہ ہونے کے برابر ہے۔ اگر ہم فتح مکہ کو دیکھیں تو فتح مکہ میں مسلمانوں اور ان کے حلیفوں میں باہمی اتحاد و اتفاق تھا اور اسی اتحاد و اتفاق کی وجہ سے مسلمانوں نے مکہ کو فتح کر لیا۔

۴۔ ہوس دولت اور ہوس ملک گیری سے نفرت

عصر حاضر میں مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے انسان کو اندھا کر دیا ہے۔ ان دونوں کے حصول کے لئے انسان کے اندر صحیح اور غلط راستے کی پہچان ختم ہو گئی ہے۔ موجودہ دور خدا طلبی کے بجائے دنیا طلبی کا دور ہے۔ مغربی تہذیب و اقتدار کے اس دور کی وجہ سے انسانوں کے اندر مال و دولت کی ایک نہ مٹنے والی بھوک اور نہ بجھنے والی پیاس ہے۔ مال و دولت اور عزت و جاہ کی بڑی مقدار بھی انہیں مطمئن نہیں کر سکتی۔[۱] موجودہ دور میں انسانوں میں دولت اور ملک گیری کی ہوس پھیل رہی ہے۔ دولت اور ملک کی حکومت کے حصول کے لئے وہ انسانیت کی قدروں کو بھول چکے ہیں۔ جنگوں میں فریقین کے اغراض و مقاصد درج ذیل بیان ہوئے ہیں:

> ''تاریخ انسانی میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئی ہیں ان کے پیچھے اہم محرک ہوسِ دولت اور ہوس ملک گیری رہا ہے۔ دو عظیم جنگوں جنگ عظیم اوّل (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء) اور جنگ عظیم دوم (۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۵ء) میں فریقین کے اغراض و مقاصد ہوس ملک گیری، ہوس دولت اور وسعت تجارت تھے۔ انہی ارفع و اعلیٰ مقاصد کی وجہ سے پوری دنیا تباہی اور ہلاکت سے دوچار ہوئی۔ افغانستان پر مسلسل دس سال تک آگ اور بارود برسانے والے سوویت یونین کا مقصد صرف یہ تھا کہ کم و بیش آدھی دنیا پر پھیلی ہوئی اپنی عظیم سلطنت کو وسعت دے کر بحر ہند کے گرم پانیوں تک پہنچ کر بین الاقوامی بحری تجارتی شاہراہوں پر اپنا قبضہ جما سکے۔ اس کے علاوہ ہمارے عہد کی دوسری ہلاکت خیز جنگ جنگ خلیج کا مقصد صرف عربوں کی دولت ہتھیانا تھا۔'' [۲]

آج کے موجودہ دور میں بھی یہی صورت حال پائی جاتی ہے۔ اگر ہم فتح مکہ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جب مکہ فتح ہوا تو مسلمانوں کو ان کی جائیدادوں، ان کے اموال، ان کے کاروبار سے محروم کرنے والے درندہ صفت مجرم لوگ فاتح کے سامنے حاضر تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تو انہیں ان کی جائیدادوں اور ان کے اموال سے اسی طرح محروم کر سکتے تھے جس طرح انہوں نے مسلمانوں کو کیا تھا لیکن تاریخ انسانی میں حسن عمل اور عظمت کردار کی ایسی ایک بھی مثال نہیں ملتی کہ صحابہ کرامؓ نے کفار کی جائیدادوں اور اموال کو چھوڑ اپنی چھینی ہوئی جائیدادوں اور اموال کی واپسی کا مطالبہ

---

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۲۹۰

(۲) اسلامی جنگیں، دہشت گردی یا امن عالم کی ضمانت، اقبال کیلانی، ماہنامہ محدث، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، جلد ۳۳، شمارہ ۲۴۶، مارچ ۲۰۰۱ء

کیا تو آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے انہیں مال اور جائیدادیں واپس لینے سے منع فرمایا۔[1] صحابہ کرام نے پیغمبر اسلام صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اس فرمان کو فوراً قبول کر لیا۔ آج کل کے فاتحین کا طرز عمل کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔

۵۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

موجودہ دور میں مسلم معاشرے میں بہت سے برائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ آج زیادہ تر جرائم مسلم معاشرے میں پائے جاتے ہیں۔ آج مسلم معاشرے میں ڈاکہ زنی، قتل وغارت، عریانی وفحاشی اور بے حیائی ہر طرف پھیلی ہوئی ہے۔ ابلیسی ذرائع ابلاغ کی وجہ سے یہ فحاشی، اخلاقی بے راہ روی اور بے حیائی پھیل رہی ہے۔ جرائم اور نفسیاتی امراض بے حیائی کے فروغ کی وجہ سے جنم لیتے ہیں۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں انتشار پیدا ہوتا ہے اور پھر نیکی اور خیر کے کاموں کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اسلامی ریاست اور حکمران کو چاہیے کہ وہ ذرائع ابلاغ کے دائرہ کار کی حدود مقرر کرے اور اسے معاشرے کے لئے مثبت اور مفید کاموں میں استعمال کرے۔[2]

آج مسلم معاشرے میں اوامر ونواہی کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک اوامر و نواہی کو موثر طریقے سے استعمال نہ کیا جائے معاشرے کا مکمل طور پر پاک ہونا ممکن نہیں۔ حکمرانوں کی اہم ذمہ داری ہے کہ وہ برائیوں اور شر وفساد کو اپنے یہاں پھیلنے سے روکیں۔ برائیوں کو ختم کرنے کے لیے ہر ممکن ذرائع سے استفادہ کریں اور وہ معاشرے میں نیکی کا پرچار کریں۔ انہیں نیکی اور حق رسانی کے کاموں میں لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے اور برائی اور ظلم کے کاموں میں کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیے۔ مسلمان حکمران کی حکومت کا مقصد وجود ہی یہ ہے کہ:

﴿الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾[3]

ترجمہ: ان کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

اس آیت قرآنی میں اسلامی حکومت کی بنیادی اہداف اور اغراض و مقاصد بیان کئے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب ہم مسلمانوں کو حکومت قائم کر دیں تو وہ اپنے ہاں نماز، زکوۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام قائم کریں تاکہ لوگوں میں اچھی صفات پیدا ہوں۔ تفہیم القرآن میں اس آیت کی تفسیر بیان کی گئی ہے:

> ”یعنی اللہ کے مددگار اور اس کی تائید ونصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دنیا میں انہیں حکومت و فرمانروائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق وفجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو، ان کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے

---

(۱) محسن انسانیت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم، ص:۴۰۳

(۲) اسلام کا معاشرتی نظام، خالد علوی، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور، ص:۴۱۸

(۳) سورۃ الحج:۲۲/۴۱

ایتائے زکوۃ میں صرف ہو ، ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔"(۱)

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو زمین میں اقتدار ملنے کے بعد سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

ابو الاعلیٰ مودودی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو معاشرے کے ہر فرد پر فرض قرار دیا اور وہ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"مسلم معاشرے کے ہر فرد کا نہ صرف یہ حق ہے بلکہ اس کا یہ فرض بھی ہے کہ کلمہ حق کہے، نیکی اور بھلائی کی حمایت کرے اور معاشرے یا مملکت میں جہاں بھی غلط اور ناروا کام ہوتے نظر آئیں ان کو روکنے میں اپنی امکانی حد تک پوری کوشش صرف کر دے۔"(۲)

معاشرے کے ہر فرد کو یہ فریضہ ادا کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ اسلام کو پھیلانے کے لئے اور باطل کو ختم کرنے کے لئے مکہ فتح کرنا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ حق کا بول بالا ہو اور مکہ کے لوگ اسلام قبول کر لیں۔ آپ ﷺ مکہ کو بتوں سے پاک کرنا چاہتے تھے۔

۶۔ احترام انسانیت

موجودہ دور میں انسانی قدروں کا تحفظ نہیں کیا جاتا ہے۔ ایک انسان کے ہاتھوں دوسرے انسان کی تذلیل ہو رہی ہے۔ کبھی مذہب، کبھی قبیلے، کبھی زبان، کبھی رنگ اور کبھی ریاست کے نام پر انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بھی برا سلوک کیا جاتا ہے۔ موجودہ صدی کو احترام انسانیت کی صدی کہنے کے باوجود انسانوں کے ساتھ برا سلوک کیا جا رہا ہے۔ نوراللہ جاوید اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"موجودہ صدی کو احترام انسانیت اور انسانی اقدار کے تحفظ کی صدی کہا جاتا ہے۔ مگر جو لوگ آج احترام انسانیت اور انسانی اقدار کی قیادت کر رہے ہیں، ان کا کردار بے حد برا ہے۔ انہوں نے پورے عراق کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ انہیں اس بات کا شک تھا

---

(۱) تفہیم القرآن، ۳/۲۳۴

(۲) اسلامی ریاست، ص:۴۳۷

کہ عراق کے پاس مہلک ہتھیاروں کا ذخیرہ ہے اور ہزاروں مردوں، خواتین اور بچوں پر بم برسائے۔ ۹/۱۱ کا مجرم اگر اسامہ بن لادن اور ان کی تنظیم القاعدہ تھی تو افغانستان کے بے قصور شہریوں کا کیا جرم تھا۔ ان پر ایک دہائی سے بموں کی بارش ہو رہی ہے۔ چھیاسٹھ سال قبل عالمی امن کے ٹھیکیداروں نے جاپان کے دو شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر بم برسا کر ہزاروں افراد کو ایک لمحہ میں ہلاک کر دیا تھا۔ آج بھی پوری دنیا سپر پاور طاقت سے سوال پوچھ رہی ہے کہ آخر ہیروشیما، ناگاساکی، ویتنام، بوسنیا، عراق اور افغانستان کے ان شہریوں کو کس جرم کی سزا دی گئی۔ ان ٹھیکیداروں کیلئے فتح مکہ کا عظیم واقعہ عبرت اور نمونہ ہے کہ اگر وہ انسانیت کے حقیقی ہمدرد اور بہی خواہ ہیں تو انہیں ایٹم بم بنانے کے بجائے فتح مکہ کا نسخہ اپنانا ہوگا۔ "(۱)

گویا کہ ثابت ہوا کہ موجودہ دور میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں۔ اگر ہم فتح مکہ کا جائزہ لیں تو فتح مکہ کے واقعہ میں آپ ﷺ نے انسانیت کے احترام کی مثال قائم فرمائی۔ آپ ﷺ نے اس مہم میں کسی کو ذلیل نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کا مقصد انسانی عظمت کا تحفظ تھا۔ آپ ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ نہایت رازداری کے ساتھ مکہ تک پہنچ گئے تاکہ قریش مکہ کو لڑائی کا موقع نہ ملے اور انسانی خون نہ بہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ابو سفیانؓ کو خون ریز واقعات بپا کرنے کی دھمکی دی تو آپ ﷺ نے سعد بن عبادہؓ کی دھمکی کی نفی فرمائی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آج کا دن قتل و غارت کا دن نہیں بلکہ آج رحمت کا دن ہے۔ (۲)

۷۔ عدل و انصاف کی فراہمی

دور حاضر میں عدل و انصاف کا قیام سب سے مشکل اور سنگین کام ہے کیونکہ اکثر مسائل کے پس منظر میں عدل کا فقدان، ناانصافی اور ظلم و تجاوز کا عمل دخل نظر آتا ہے۔ اس لیے مسلم ممالک عدل و انصاف پر مبنی پالیسیاں بنانے اور اقدامات اٹھانے سے گریزاں نظر آتے ہیں اور اس کے لیے مختلف بہانے تراشتے ہیں۔ دنیا میں اس وقت عالم اسلام پر ہونے والے مظالم، تجاوز اور مسلط کی جانے والی جنگیں اس بے عدلی اور ناانصافی کی زندہ مثالیں ہیں۔

مذہبی سکالرز ڈاکٹر تاج الدین الازہری موجودہ معاشرے میں عدل و انصاف کے فقدان کو مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں اور وہ اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"عدل و انصاف کا فقدان بھی مثالی معاشرے کی راہ میں ایک رکاوٹ ہے۔ عدل کے قائم کئے بغیر کبھی کوئی معاشرہ مثالی ہی نہیں بن سکتا، اس لئے مصلحین نے ہمیشہ عدل

---

(۱) فتح مکہ: انسانی تاریخ کا عظیم دن، نور اللہ جاوید، ۲۰ جون ۲۰۱۶ء

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/۱۴۶

کو قائم کیا۔ جب بھی معاشرے سے عدل غائب ہوا اس میں ابتری پھیل گئی۔ آج کے معاشرے میں پھیلی ہوئی ابتری کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ یہ صرف عدل و انصاف سے ہی ختم ہو سکتی ہے۔ آپ ﷺ نے عدل و انصاف قائم کر کے معاشرے کو تمام برائیوں سے پاک کر دیا۔"[1]

عدل وانصاف کسی بھی معاشرے میں ریڑھ کی ہڈی کا کردار ادا کرتا ہے اور جس معاشرے میں عدل وانصاف ناپید ہو جائے وہاں ظلم و ستم کا راج ہو جاتا ہے۔ موجودہ دور میں سیاست دانوں کو چاہیئے کہ وہ ہر حال میں عدل و انصاف کا دامن پکڑے رکھنا چاہیے۔ اگر دشمنوں کے خلاف بھی فیصلہ کرنا پڑے تو عدل و انصاف سے کرنا چاہیے۔ اسلامی مملکت کے قیام کا انحصار عدل پر ہے۔ اسلامی حکومت کا اہم فرض ہے کہ وہ انسانوں کے حقوق کی حفاظت کریں اور عدل قائم کریں کیونکہ عدل ہی اسلام کا مقصد ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ﴾[2]

ترجمہ: اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف سے فیصلہ کرو۔

ایک اور جگہ پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر تو فیصلہ کرے تو فیصلہ کر ان میں انصاف سے بے شک اللہ دوست رکھتا ہے انصاف کرنیوالوں کو۔

ان آیات قرآنی میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ معارف القرآن میں اس کے بارے میں بیان ہوتا ہے:

"اللہ تعالی تم کو یہ حکم دیتے ہیں کہ جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو یعنی فیصلہ میں کسی کی رعایت نہ کرو اور نہ کسی پر ظلم کرو مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو اپنے پاس بٹھا کر دونوں کی طرف متوجہ ہو اور دونوں کی بات سن کر جو حق معلوم ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو اور اپنے اور پرائے کا امتیاز نہ کرو۔"[4]

غرض کہ حکمران کو عدل وانصاف کے مطابق فیصلے کرنے چاہیے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ کا مکہ میں قیام کے دوران ایک عورت نے چوری کی تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ تو

---

(۱) مثالی معاشرے کی راہ میں حائل رکاوٹیں اور ان کا تدارک، ڈاکٹر تاج الدین الازہری، مقالات سیرت نبوی ﷺ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، فروری ۲۰۰۰ء، ص:۷۵۵

(۲) سورۃ النساء: ۴/ ۵۸

(۳) سورۃ مائدہ: ۵/ ۴۲

(۴) معارف القرآن، ادریس کاندھلوی، مکتبہ المعارف، شہداد پور، سندھ، ۱۴۱۹ھ، ۲/ ۵۰۱

اس کی قوم کے لوگوں نے حضرت اسامہ ؓ کو سفارشی بنا کر آپ ﷺ کے پاس بھیجا تو آپ ﷺ کو یہ بات بری لگی اور فرمایا:

((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمْ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللَّهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا))(۱)

ترجمہ: تم سے پہلی قوموں کو صرف اس بات نے ہلاک کیا کہ اگر ان میں سے کوئی باعزت آدمی چوری کر لیتا تھا تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے لیکن اگر کوئی کمزور آدمی چوری کرتا تھا تو اس کو سزا دے دیتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں یقیناً اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالتا۔

گویا کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا خاص خیال رکھا۔ آج کل کے دور میں بھی اسلامی معاشرے کے تمام انسان چاہے وہ امیر ہوں یا غریب، سیاہ ہوں یا سفید، صاحب امیر ہوں یا مامور قانون کی نگاہ میں سب برابر ہوں گے اور سب پر ایک ہی قانون لاگو ہو گا۔

۸۔ جرأت مندی

مسلمان حکمرانوں میں جرأت مندی، حق گوئی اور بے باکی کا ہونا ضروری ہے۔ آج کل اکثر حکمران جرأت اور بے باکی سے عاری ہیں اور ان کو ذاتی مفاد عزیز ہیں۔ یہ مسلمانوں کے زوال کی ایک اہم وجہ ہے۔ شکیب ارسلان اسکے بارے میں لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے زوال کی اہم وجوہات میں سے ان کے حکمرانوں اور علماء کی کمزوری بھی ہے۔ حکمران یہ خیال کرتے ہیں کہ عام لوگ محض ان کی خدمت کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص انہیں راہ راست پہ لانا چاہے تو وہ اسے مار ڈالنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔"(۲)

حکمران تو حکمران عام مسلمان بھی ڈرپوکی اور مایوسی کا شکار ہیں۔ شکیب ارسلان اسکے بارے میں لکھتے ہیں:

"مسلمانوں کے تنزل کا ایک اور بڑا سبب ان کی بزدلی اور بے خوفی ہے، ہمارے اسلاف تمام اقوام عالم میں شجاعت و شہامت کے لئے مشہور تھے، وہ موت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب ایک مسلمان تن تنہا دس آدمیوں کا اور بعض

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب حدیث الغار، حدیث نمبر: ۳۴۷۵، ۵۸۶/۸

(۲) اسباب زوال امت، علامہ شکیب ارسلان، (مترجم: ڈاکٹر احسان بک سامی)، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص:۴۳

دفعہ سو کا مقابلہ کرتا تھا مگر آج یہ حالت ہے کہ وہ موت کے نام سے ہی ڈرنے لگے ہیں۔"(۱)

اگر ہم فتح مکہ کا جائزہ لیں تو قبیلہ بنو بکر نے قریش مکہ کے ساتھ مل کر معاہدہ حدیبیہ کی خلاف ورزی کر کے آپ ﷺ کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ کے لوگوں پر زیادتی کی۔ تو بنو خزاعہ کے لوگ آپ ﷺ کو اپنی فریاد سنانے کے لئے آئے تو آپ ﷺ نے انہیں بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنی مدد کا یقین دلایا۔ آپ ﷺ نے بغیر کسی ڈر اور خوف کے جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قریش مکہ کو ان کی وعدہ خلافی کی وجہ سے سزا دینے کا فیصلہ کیا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

۹۔ سادگی و قناعت

آج کل کے حکمرانوں میں سادگی و قناعت جیسی صفات نہیں پائی جاتیں۔ اگر انہیں چھوٹی سی بھی کامیابی مل جائے تو وہ بے دریغ پیسے لوٹاتے ہیں۔ عصر حاضر میں فتح کے جشن بے ہنگم موسیقی، آتش بازی، ناچ گانوں کے انعقاد سے منائے جاتے ہیں بلکہ فتح مکہ نے دنیا کو بتادیا کہ فتح کا جشن کس طرح منایا جاتا ہے۔ اس عظیم فتح مکہ نے دنیا پر یہ ثابت کر دیا کہ فتح مندی نشے میں چور ہونے کا نام نہیں اور نہ ہی کھیل تماشوں کا ہے۔ فتح مکہ کے دن کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک عظیم فاتح نے کیسے جشن منایا؟ اور کون سے لذیذ کھانے کھائے؟۔ اتنی بڑی فتح کے دن آپ ﷺ اللہ کی مکمل بندگی کی حالت میں مکہ میں داخل ہوئے ۔ آپ ﷺ کے دل میں نہ تو فتح کا نشہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے احساسات پر گھمنڈ اور غرور طاری ہے بلکہ آپ ﷺ کا سر عجز و انکساری اور اللہ کے شکر کے ساتھ جھکا ہوا ہے اور اونٹنی کے پالان کو چھو رہا ہے ۔ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے اللہ تعالی کی حمد اور بڑائی کے الفاظ جاری ہو رہے ہیں۔(۲) فتح کے جشن کے دن آپ ﷺ اپنی چچازاد ام ہانیؓ کے گھر تشریف لے جاتے ہیں اور اس وقت ان کے گھر میں روٹی کے چند خشک ٹکڑوں کے سوا کچھ نہیں۔ آپ ﷺ ان سے پانی منگوا کر وہ خشک ٹکڑے بھگو دیتے ہیں اور اوپر سے تھوڑا سا نمک ڈال لیتے ہیں۔ آپ ﷺ سرکہ کی کچھ تلچھٹ ان نمکین ٹکڑوں پر ڈال کر مزے مزے سے کھاتے ہیں اور اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا اپنی عظیم فتح کے دن کا کھانا ہے۔(۳) آپ ﷺ فاتح عرب و عجم اور دین و دنیا کے سردار اور حکمران تھے اور اس دن آپ ﷺ کی سواری دیکھیں تو جو پالان آپ ﷺ کے اونٹ پر تھا اس کی

---

(۱) اسباب زوال امت، ص:۴۴

(۲) سیرۃ ابن ہشام، ۲۵/۴

(۳) مجمع الزوائد، حافظ ابوالحسن نور الدین علی بن ابو بکر ہیثمی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۲ھ، ۱۲/۸

قیمت زیادہ سے زیادہ ایک درہم تھی۔[1] موجودہ دور کے حکمرانوں کو آپ ﷺ کی طرح سادگی اور قناعت کے ساتھ زندگی بسر کرنی چاہیے۔

۱۰۔ مساوات

اس وقت امت مسلمہ عرب عجم، کالے گورے، امیر غریب، حاکم محکوم، ذات پات، رنگ، نسل، زبان، صوبہ، علاقہ، قبیلہ، برادری اور کلچر میں پھنسی ہوئی ہے۔ امت مسلمہ معاشرے کی ان اقدار سے محروم ہے جن کو مسلمانوں نے چودہ سو سال پہلے فروغ دیا تھا۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں اور تقوی کے سوا کسی کو کسی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ اس معاملے میں اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿يَا أَيّهَا النّاسُ إِنّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [2]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا ہے۔

اس آیت قرآنی میں بیان کیا گیا ہے کہ آدمؑ اور حواؑ کے نسب کی وجہ سے تم سب کی اصل ایک ہی ہے۔ مختلف خاندانوں برادریوں اور قبیلوں کی تقسیم محض تعارف کے لیے ہے تاکہ آپس میں صلہ رحمی کر سکو اس کا مقصد ایک دوسرے پر برتری کا اظہار نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں برتری کا معیار خاندان قبیلہ اور نسل و نسب نہیں ہے جو کسی انسان کے اختیار میں ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ معیار تقوی ہے جس کا اختیار کرنا انسان کے ارادہ اختیار میں ہے۔ گویا کہ اس سے واضح ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے جاہلی فخر و غرور، نسل اور نسب کے غرور کو مٹا کر انسانی مساوات کا درس دیا۔ سب انسان برابر ہیں، ان میں اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو وہ صرف تقوی کی صفت کی وجہ سے ہے۔ ابوالاعلی مودودی ذات پات اور عدم مساوات کے خاتمے کے بارے میں لکھتے ہیں:

”مسلمانوں میں سے ذات پات کے اس امتیاز کو مٹا دیا جائے جو ہندوؤں کی ہمسایگی میں ان کے اندر پیدا ہو گیا ہے۔ اسلام کا یہ مساوات پرور عقیدہ کہ کوئی انسان اپنی خلقت کے اعتبار سے نجس یا ذلیل نہیں ہے ہمیشہ اس کی کامیابی کا بڑا ذریعہ رہا ہے اور ضرورت ہے کہ ہم دوبارہ اس کو اپنے تمام معاملات میں ایک بنیادی حیثیت سے داخل کر لیں۔“[3]

---

(۱) الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ، ابوعیسی محمد عیسی الترمذی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ، ص: ۳۱۷

(۲) سورہ الحجرات: ۴۹/ ۱۳

(۳) دعوت دین کی ذمہ داری، ابوالاعلی مودودی، منشورات، ص: ۱۹

غرض کہ یہ ثابت ہوا کہ تمام انسان برابر ہیں۔ آپ ﷺ نے اسی چیز کا ذکر فتح مکہ کے دن خطبے میں فرمایا:

((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَاظُمَهَا بِآبَائِهَا فَالنَّاسُ رَجُلَانِ بَرٌّ تَقِيٌّ كَرِيمٌ عَلَى اللَّهِ وَفَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللَّهِ وَالنَّاسُ بَنُو آدَمَ وَخَلَقَ اللَّهُ آدَمَ مِنْ تُرَابٍ))(۱)

ترجمہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں سے زمانہ جاہلیت کا فخر اور اپنے آباء واجداد کی وجہ تکبر کرنا دور کر دیا ہے۔ اب لوگ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اللہ کے نزدیک متقی اور کریم ہے۔ دوسرا وہ جو اللہ کے نزدیک بدکار بدبخت اور ذلیل ہے۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا۔

اس خطبے میں نبی اکرم ﷺ نے جاہلی فخر و غرور، نسل اور نسب کے غرور کو مٹا کر انسانی مساوات کا درس دیا۔ حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے ناتے سے سب انسان برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ عربی اور عجمی، امیر اور غریب، حاکم اور محکوم میں کوئی فرق نہیں، سب برابر ہیں۔ خدا کے ہاں اونچ نیچ کا پیمانہ صرف تقوی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے خطبے کے بعد اسی آیت قرآنی کی تلاوت فرمائی۔ اس خطبے میں آپ ﷺ نے انسان کے لئے عزت کا معیار تقوی قرار دے کر اس چیز کو ثابت کر دیا کہ دین اسلام سچا، فطری اور الہامی ہے۔

۱۱۔ امن و امان کی کوششیں

امن وامان انسانی اور بشری ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں معاشرے میں امن وآشتی اور سکون وعافیت مفقود ہوتا جارہا ہے۔ ایک مسلمان حکمران کا فرض بنتا ہے کہ وہ امت اسلامیہ کیلئے ایسے تمام اقدامات کرے جن سے امن وامان قائم ہو اور دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ امن وسلامتی کی ضمانت کے بغیر کوئی کام کبھی ممکن نہیں ہو سکتا اور حالت امن میں ہی دعوت کے پھیلنے کی اُمید کی جاسکتی ہے۔ ظہور احمد اظہر موجودہ دور میں بدامنی کی صورت حال کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

”آج ہماری زخم زخم خوف زدہ دنیا جس امن کے لئے بے قراری سے کوشاں ہے اور صبح وشام جس کے لئے ترس رہی ہے وہ کسی وضاحت یا تفصیلی بیان کی محتاج نہیں ہر طرف روایتی اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں اور مختلف گوشوں میں ایٹمی اسلحے کے جہنم دہک رہے ہیں، جرائم اور فساد کے شعلے آسماں کو چھو رہے ہیں، بے کس اور کمزور کے لئے زندگی عذاب اور دنیا تنگ ہو چکی ہے، مظلوموں کی فلک شگاف آہوں سے دنیا

---

(۱) الجامع الکبیر، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الحجرات، حدیث نمبر: ۳۲۷۰، ۵/ ۲۴۲

ایک ماتم کدہ نظر آتی ہے مگر ظالموں کو پھر بھی ظلم پر اصرار ہے قیام امن کے علمبر دار دعوید ار دوڑتے پھرتے ہیں مگر امن کی فاختہ ہاتھ نہیں آرہی۔"(۱)

معاشرے میں امن وسکون کو بر قرار رکھنا حکمرانوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ عبد الکریم زیدان اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"خلیفہ اور مسلمان حکام کے اہم ترین فرائض میں ایک یہ بھی ہے کہ دارالسلام میں امن وامان اور سکون واطمینان کو عام کریں تاکہ لوگوں کو اپنی جان، مال اور عزت کے بارے میں اطمینان حاصل ہو اور وہ دارالسلام میں امن وسکون سے پھر سکیں۔"(۲)

اگر ہم فتح مکہ کا مشاہدہ کریں تو فتح مکہ عالمی امن کے پیغام کی ایسی بے مثال نظیر پیش کرتی ہے جو آج بھی انسانوں کو حقیقی امن کی ضمانت دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں قتل عام کا حکم نہیں دیا بلکہ عام معافی اور امن وامان کے قیام اور نفاذ کا اعلان کیا۔

۱۲۔ ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق

عصر حاضر میں کشمیر، برما، فلسطین، عراق، افغانستان اور شام میں مسلمانوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں (۳) لیکن ان کے حق میں آواز اٹھانے والا کوئی نہیں ہے۔ اسلامی حکومت میں ہر انسان کو یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ وہ ظلم کے خلاف آواز اٹھاسکے وہ ظلم کو خاموشی سے برداشت نہ کریں بلکہ ظالم کو ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اسکے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلاَّ مَنْ ظُلِمَ﴾(۴)

ترجمہ: اللہ کو برائی کے ساتھ آواز بلند کرنا پسند نہیں ہے سوائے اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو۔

اس آیت قرآنی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی بری بات کے ظاہر کرنے کو پسند نہیں فرماتا لیکن مظلوم کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ ظالم کے خلاف اپنے ظلم کے بارے میں آواز اٹھائے تاکہ اس طرح وہ ظلم سے رہائی پاسکے۔ تیسیر القرآن میں اس آیت کی شرح بیان ہوتی ہے کہ:

"مظلوم کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کے حضور ظالم کے لیے بددعا کرے یا حاکم کے سامنے ظالم کا ظلم بیان کرکے اس سے استغاثہ چاہے یا دوسرے لوگوں سے بیان کرے

---

(۱) سیرت النبی ﷺ اور عصر حاضر کے مسائل، ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، مقالات سیرت نبوی ﷺ، سیرت چیئر اسلامی یونیورسٹی، بہاولپور، ۲۰۰۵ء، ص: ۵۳۳

(۲) اصول دعوت، ص: ۳۷۴

(۳) اسلام اور دہشت گردی، ص: ۳۵

(۴) سورۃ النساء: ۴/ ۱۴۸

تا کہ وہ اس ظالم کا ہاتھ روکیں، یا کم از کم خود ظالم کے اس قسم کے ظلم سے بچ جائیں۔ یا مثلاً اگر کسی نے اسے گالی دی ہے تو وہ بھی ویسی ہی گالی دے دے۔ مگر زیادتی نہ کرے۔ اور ظالم کوئی بھی ہو سکتا ہے خواہ وہ مسلم ہو یا منافق، یہودی ہو یا کافر ہو۔ مظلوم کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی دوسرے کی بری بات لوگوں سے بیان کرتا پھرے اور اسی کا نام غیبت یا گلہ ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔ جس کا مقصد محض کسی شخص کو دوسروں کی نظروں میں ذلیل بنانا ہوتا ہے اور جس شخص کی غیبت کی جائے اس کو جب معلوم ہو تو اس کے جذبات کا بھڑک اٹھنا ایک فطری بات ہے۔"[1]

گویا کہ اس آیت قرآنی سے ثابت ہوا کہ مظلوم کو اجازت ہے کہ وہ ظالم کے خلاف اپنے ظلم کے بارے میں آواز اٹھائے تا کہ اس طرح وہ ظلم سے رہائی پا سکے۔

رسول اکرم ﷺ سے ایک دفعہ افضل الجہاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ یہ ارشاد فرمایا:

((كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ)) [2]

ترجمہ: کسی ظالم قوت کے سامنے سچی بات کہہ دینا۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے ظالموں کے سامنے بھی بغیر کسی ڈر اور خوف کے سچی بات کہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ فتح مکہ کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کے مطابق کوئی بھی قبیلہ دونوں گروہوں قریش یا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر سکتا تھا۔ اس طرح بنو خزاعہ نے آپ ﷺ سے اور بنی بکر نے قریش سے معاہدہ کیا۔ اس معاہدہ کی رو سے جو قبیلہ آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہوا اور جو قریش کے ساتھ شامل ہوئے تھے ان کی ایک دوسرے کے خلاف کاروائی کو آپ ﷺ یا قریش کے خلاف کاروائی تصور کی جائے گی۔ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ بنی خزاعہ سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینا چاہا اور اپنے حلیف قریش سے مل کر بالکل اچانک طور پر قبیلہ بنی خزاعہ پر حملہ کر دیا اور بنی خزاعہ کے لوگوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ بے چارے بنی خزاعہ اس خوفناک ظالمانہ حملہ کی تاب نہ لا سکے اور اپنی جان بچانے کے لئے حرم کعبہ میں پناہ لینے کے لئے بھاگے۔ لیکن انہوں نے حرم الٰہی کا بھی احترام نہیں کیا۔[3] اس زیادتی کے بعد بنی خزاعہ کا ایک شخص عمرو بن سالم خزاعی خزاعہ کے چالیس سواروں کے ساتھ اپنی بستی سے روانہ ہو کر مدینہ پہنچے اس وقت مسجد میں آپ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ انہوں نے تمام واقعہ رسول اکرم ﷺ کو عرض کیا۔ اس کے بعد بدیل بن ورقاءؓ

---

(۱) تیسیر القرآن، ۱/ ۴۷۹

(۲) سنن النسائی، ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب النسائی، کتاب البیعۃ، باب فضل من تکلم بالحق عند امام جائر، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبعۃ الاولی، ۱۴۱۶ھ، حدیث نمبر: ۴۱۳۸، ۱۳/ ۱۲۱

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۵

بھی کچھ خزاعیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ساری داستان آپ ﷺ کو بتائی۔(۱) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی ڈر اور خوف کے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کو بیان کیا جائے۔

۱۳۔ آزادی کا حق

معاشرے میں تمام انسان آزاد ہیں۔ اس لئے ہر شخص کو آزادی کا حق حاصل ہونا چاہیئے۔ آج مقبوضہ کشمیر، عراق اور فلسطین کے عوام آزادی کیلئے حق مانگ رہے ہیں اور آزادی کے لیے دن رات قربانیاں دے رہے ہیں۔ کیونکہ آزادی کی جدوجہد ان کا بنیادی حق ہے جو انہیں ملنا چاہیے۔ موجودہ دور میں آزادی کی صورت حال کے بارے میں طاہر احمد بیان کرتے ہیں:

> "آج ساری دنیا آزادی کے نعروں سے گونج رہی ہے۔ ان نعروں کی شدت کہیں کم ہے اور کہیں زیادہ۔ دنیا کے مختلف حصوں میں ان نعروں کا مفہوم بھی مختلف لیا جاتا ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ آزادی کی قدر و قیمت اور اہمیت کے متعلق انسان کا علم اور شعور بڑھ رہا ہے اور ہر جگہ حریت اور آزادی کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔"(۲)

فتح مکہ میں واقعہ میں انسانیت کی آزادی کا درس دیا گیا ہے۔ اس دن آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے بجائے ان سب کو آزاد اور معاف کر دیا سوائے چند لوگوں کے جن کو انکے اپنے اعمال کی وجہ سے قتل کی سزا ملی۔ (۳)

۱۴۔ رواداری

آج یہ پروپیگنڈہ بڑے زور و شور سے کیا جاتا ہے کہ اسلام اور اس کے پیروکار دوسرے مذہب والوں کو برداشت کرنے کے روادار نہیں۔ یہ ایک گمراہ کن پروپیگنڈہ ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمی سازش ہے۔ آج انتہا پسندی عروج پر ہے۔ آج معاشرے میں رواداری کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے اور ہر حکومت کا اہم فرض ہے کہ وہ رواداری کو فروغ دے۔ ہمیں ایسی اقدار کو فروغ دینا چاہیے جس کی بنیاد باہمی امن، بھائی چارہ اور مذہبی رواداری اور ہم آہنگی پر ہو۔ رواداری معاشرے میں اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب حکمران امن کے قیام، مملکت کے استحکام، رواداری، تحمل و برداشت، عفو و درگزر اور حلم و بردباری کو فروغ دیں گے۔ شیخ عبد الرزاق آج کے معاشرہ میں رواداری کے بارے میں بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

---

(۱) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۱۰

(۲) اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل، طاہر احمد، ص: ۴۳

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۳۲

”قدیم زمانے میں انسانی معاشرہ رنگ و نسل، زبان اور اونچ نیچ کی قومیت میں بٹا ہوا تھا اور آج جبکہ ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں۔ روشن خیالی، بین الاقوامی مساوات، رواداری اور عالمگیریت کے دعوے کے باوصف انسانیت آج بھی مختلف گروہوں اور ٹولوں میں بٹی ہوئی ہے جس طرح کہ زمانہ قدیم میں تھی خون خرابہ اور فتنہ و فساد کا اصل سبب بھی یہی ہے۔ سپر امریکہ جسے دعوی ہے کہ انسانی مساوات اور بین الاقوامی رواداری کا وہ سب سے بڑا علم بردار ہے اس کے یہاں بے شمار ایسے ہوٹل ہیں جن کے دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے کہ ریڈ انڈین (وہاں کے اصلی باشندے) اور کتے داخل نہیں ہو سکتے۔ سفید فام باشندوں کے سکول اور کالج تک مخصوص ہیں جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے۔“(۱)

اسلام ایسا مذہب ہے جس سے بڑھ کر انسانی رواداری کی عمدہ تعلیم کہیں نہیں پائی جاتی۔ تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسانی رواداری، صبر و تحمل، برداشت اور وسیع القلبی کی لازوال اور بے نظیر روشن مثال ہے۔ آپ ﷺ کا فتح مکہ میں اپنے فوجیوں کو دیے گئے احکامات اور اپنے دشمنوں کو عافیت عامہ کا اعلان انسانی رواداری کی بہترین مثال ہے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن خطبے کے بعد قریش سے فرمایا:

((لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))(۲)

ترجمہ: آج تم پر کوئی سرزنش نہیں۔

آپ ﷺ کا قریش کے ساتھ برتاؤ یہ تھا۔ آج بھی مسلمان اس سنت پر عمل کر کے ایک دوسرے کو معاف کر سکتے ہیں۔ آج بھی مسلمانوں کو ایسی ہی رواداری کی ضرورت ہے۔ مکہ فتح ہونے کے بعد جنہوں نے اسلام قبول کیا انہیں بھی حقوق دیئے گئے اور جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا انہیں بھی حقوق دیئے گئے۔

۱۵۔ وفاداری

آج عالمی سطح پر وفاداری کا فقدان ہے۔ آج نام نہاد سیاست دان اپنے مفادات کے لیے ملک کے ساتھ وفاداریاں تبدیل کر لی جاتی ہیں۔ وہ ملک کے مفاد کے بجائے ذاتی مفاد کی سیاست کر رہے ہیں اور ملکی مفادات کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ آج اگر یہ لوگ اپنے ملک سے وفاداری کا مظاہرہ کریں تو ملک کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ ایک سیاستدان کو ہمیشہ وفاداری کا ثبوت دینا چاہیے۔ جب مکہ فتح ہوا تو آپ ﷺ اپنے شہر اور اپنی قوم کے درمیان تھے۔ اس سے انصار کے دلوں میں یہ خیال گزرا کہ آپ ﷺ بہت عرصے بعد اپنے شہر آئے ہیں اب شاید وہ مدینہ کو چھوڑ

---

(۱) گلوبلائزیشن اور عالم اسلام، شیخ عبد الرزاق، مکتبہ الفہم، یوپی، نومبر ۲۰۱۴ء، ص: ۱۷۱

(۲) السنن الکبری: ۶/ ۳۸۳

کر مکہ میں ہی قیام کریں گے۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی انصار کی ان باتوں کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے انصار کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

((وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ)) (۱)

ترجمہ: اوراب میری زندگی بھی تمہارے ساتھ ہے اور موت بھی تمہارے ساتھ۔

آپ ﷺ کی وفاداری نے یہ برداشت نہیں کیا کہ مشکل وقت میں کام آنے والوں کو چھوڑ دیا جائے۔

عصر حاضر میں تمام مشکلات کا حل اور امن وسکون کا ذریعہ صرف آپ ﷺ کی سیرت پر عمل ہی میں ہے۔ غزوہ فتح مکہ سے ملنے والے یہ چند نشانات راہ اور پیغام ہیں جن کی روشنی میں موجودہ عالمی حالات کے سیاسی مسائل ومشکلات حل کیے جاسکتے ہیں۔

---

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب فتح مکہ، حدیث نمبر: ۸۴، ۳/۱۴۰۵

فصل سوم

حربی مسائل: فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول

فصل سوم

حربی مسائل : فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول

موجودہ زمانے میں حق و باطل کی آویزش چل رہی ہے اور مسلمان بہت ہی پر فتن دور سے گزر رہے ہیں۔ آج پورا عالم کفر مسلمانوں کے خلاف جنگ، سازشیں، قتل و غارت گری، ہنگامے اور ممالک کی آپس میں لڑائی کروا رہے ہیں۔ آج دنیا بھر کے مسلمانوں پر کڑا وقت آیا ہوا ہے اور مسلمانوں کے سر پر خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے۔ آج مختلف کافر قومیں مسلمانوں سے جنگ کر رہی ہیں، انکی بستیوں کو تباہ کیا جارہا ہے، ان کے وسائل کو لوٹا جارہا ہے اور ان کے بچے، جوانوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کی جارہا ہے۔ عالمی سطح پر مسلمانوں کے دشمن اسلحہ اور میڈیا کی طاقت سے مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا ہے تاکہ مسلمان ان کے مظالم برداشت کرتے رہیں اور اپنا دفاع نہ کر سکیں۔(۱) عصر حاضر میں کشمیر، برما، فلسطین، عراق، افغانستان اور شام میں مسلمانوں پر جنگیں مسلط کر کے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں(۲) عصر حاضر میں مسلمان ہر جگہ میں ظلم وزیادتی، خوف و دہشت، قتل وفساد اور جبر و تشدد کا شکار ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمانوں کو فتح مکہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اس طرح امت مسلمہ میں تازہ ولولہ اور جوش پیدا ہو گا۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے بہترین سپہ سالار کی حیثیت سے موقع کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ایسے بہترین حربی اصول اور تدابیر اختیار کیں۔ اس بات کو اس وقت کے مشرکین اور بعد کے مؤرخین اور فوجی جنرلوں نے تسلیم کیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس موقع پر جو حربی اصول اور تدابیر اختیار کیں۔ ان سے بہتر اس وقت کوئی اور اصول اور تدابیر ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ فتح مکہ کے ساتھ ہی عرب میں ایک عظیم عسکری قوت تشکیل پائی جس کا راستہ روکنا کسی بھی قبیلے یا قبائل کی متحدہ قوت کے لئے ممکن نہ تھا۔ مسلمان جرنیلوں کے لئے یہ واقعہ بڑا سبق آموز ہے۔ فتح مکہ کی روشنی میں عصر حاضر کے حربی مسائل کم کیے جاسکتے ہیں۔ عصر حاضر میں حربی مسائل کم کرنے کے لئے فتح مکہ کی روشنی میں راہنما اصول مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ جاسوسی نظام کا استحکام

عصر حاضر میں ہر ملک نے اپنے ملک کے اندرونی حالات سے اور دوسرے ممالک کی سازشوں سے باخبر رہنے کے لئے اپنا جاسوسی کا نظام قائم کیا ہوا ہے۔ ان خفیہ ایجنسیوں میں مشہور امریکہ کی سی آئی اے، روس کی کے جی بی،

(۱) اسلام اور دہشت گردی، ص:۲۰

(۲) ایضا، ص:۳۵

اسرائیل کی موساد، بھارت کی را، برطانیہ کی سکاٹ لینڈ یارڈ اور پاکستان کی آئی ایس آئی شامل ہیں۔[۱] موجودہ دور میں صیہونی طاقتوں کا مقصد مسلمان ممالک کی جاسوسی کرنا ہے۔ موساد افریقہ، عراق، ترکی، لیبیا، سوڈان، مصر اور سعودی عرب میں جاسوسی کرنا چاہتا ہے۔ یہ خفیہ ایجنسیاں مسلم ممالک میں انتشار، بدامنی اور قبائلی، قومی، مذہبی اور فرقہ وارانہ اختلاف پھیلانا چاہتی ہیں۔[۲] امریکہ کی خفیہ سیگل سکوارڈز اسلامی ممالک شام، مصر، اردن، ترکی اور پاکستان کے اندر جاسوسی کر رہی ہے۔[۳] عصر حاضر میں خفیہ ایجنسیوں کے علاوہ سیٹلائٹ کے ذریعہ دشمن ممالک کی نگرانی کی جاتی ہے اور اپنی سرحدوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اپنے دشمنوں سے باخبر رہنے کے لئے امریکہ، چین، روس اور بھارت نے ریموٹ سینسنگ سیٹلائٹ خلا میں چھوڑے ہوئے ہیں۔ اسلام میں اپنے دشمن سے باخبر رہنے کے لئے اور اپنے دفاع کے لئے جاسوسی نظام قائم کرنا جائز ہے۔ اس لئے ہر مسلم ممالک کو چاہیے کہ ان کے پاس اپنے دشمن کی نگرانی اور جاسوسی کے لئے ریموٹ سینسنگ سیٹلائٹ ہونے چاہیے۔[۴] موجودہ دور میں ہر مسلم ممالک کو اپنے دشمنوں سے ہوشیار رہنا چاہیے اور اپنی مملکت کے دفاع کو اس قدر مضبوط کر لینا چاہیے کہ اس کے دشمنوں کو اس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہ ہو۔ مملکت کی حفاظت میں ایک اہم رکاوٹ حریف ممالک کی جانب سے بھیجے جانے والے جاسوسوں کی صورت میں ہوتے ہیں۔ جو ملک کے اندرونی معاملات کے راز اپنے ملک کو فراہم کرتے ہیں اور جن کا تعلق ملکی دفاع اور سالمیت کے امور سے ہوتا ہے۔ اس سے ملکی دفاع و تحفظ سے وابستہ ساری مشینری مفلوج ہو کر رہے جاتی ہے اور ملک کے اندرونی معاملات راز نہیں رہتے۔ پاکستان میں حریف ممالک کی طرف سے بہت سے جاسوس بھیجے گئے اور وہ پکڑے گئے۔ مثلاً کلبھوشن، سربجیت سنگھ، کشمیر سنگھ اور رام راج وغیرہ

اپنے رازوں کی حفاظت کے لئے جاسوسوں کی سختی کے ساتھ سرکوبی کی جائے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے واقعہ میں جاسوسوں کی سرکوبی فرمائی اور اپنی روانگی کی خبر ان تک نہیں پہنچنے دی۔ جب قریش مکہ نے حدیبیہ کا معاہدہ توڑ دیا تو آپ ﷺ نے غزوے کی تیاری شروع کر دی اور صحابہؓ کو بھی اس کا حکم دیا۔ البتہ مکہ جانے کی خبر کو چھپائے رکھا۔[۵] آپ ﷺ نے جاسوسوں کی سرکوبی کے لئے مکہ کے طرف آنے والے راستوں کی نگرانی کا کام حضرت عمرؓ کے سپرد کیا اور آپ ﷺ نے مشکوک آدمی کو پکڑنے کا حکم دیا۔

---

(۱) جاسوسی نظام کا ایک جائزہ اور اس کا شرعی حکم، ضیاء الرحمن فاروقی، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، جون ۲۰۱۱ء، ص:۱۶

(۲) مسلم ممالک میں جاسوسی کی سرگرمیاں، محمد علی نقوی، ۱۱ فروری ۲۰۱۳ء، اردو اسلام ٹائم

(۳) دوسرے ممالک کی جاسوسی، احمد جمال نظامی، ۱۴ جولائی ۲۰۱۴ء، روزنامہ پاکستان

(۴) پاکستان کا پہلا ریموٹ سینسنگ سیٹلائٹ، ۱۷ جولائی ۲۰۱۸ء، اردو خبریں

(۵) المعجم الصغیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۶۸، ۲/ ۱۶۸

اس وقت حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک عورت کے ذریعے قریش کو ایک خط لکھ کر رسول اکرم ﷺ کے حملے کی اطلاع دے کر بھیجی۔ آپ ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع بذریعہ وحی ہوئی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بھیجا اور وہ خط عورت سے نکلوالیا۔(۱)

۲۔ ظالم قوتوں کے خلاف الائنس

عصر حاضر میں غیر مسلم ممالک کے درمیان فوجی اتحاد ہے۔ غیر مسلم ممالک کی فوجی تنظیم ہے۔ مغربی ممالک نے نیٹو کے نام سے ایک تنظیم بنائی ہوئی ہے۔ جسے شمالی اوقیانوسی اتحاد یا مغربی اتحاد بھی کہا جاتا ہے۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ رکن ممالک کو بیرونی خطرات کے خلاف فوجی تحفظ فراہم کیا جائے۔(۲) عصر حاضر میں امت مسلمہ پر ظلم وستم کیا جارہا ہے اور ان پر زندگی تنگ کی جارہی ہے مثلاً کشمیر، فلسطین، بوسنیا، چیچنیا اور افغانستان وغیرہ میں مسلمانوں پر ظلم وستم اور انہیں تباہ وبرباد کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ چیز عالم اسلام کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے۔ عصر حاضر میں مسلمان ممالک کو چاہیے کہ وہ یورپی فوجی اتحاد نیٹو کی طرز پر اسلامی فوجی اتحاد بنائیں۔ مسلمان ممالک کی اکٹھی ایک سیکورٹی فورس ہونی چاہیے تاکہ وہ غیر مسلم ممالک سے اپنا تحفظ کرسکیں۔

مسلمانوں کو اس وقت مغرب والوں کی سازشوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے اور ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے مسلمانوں کا ظالم قوتوں کے خلاف اتحاد بہت ضروری ہے۔ فتح مکہ میں مسلمان اور انکے حلیف قبائل میں اتحاد تھا۔ اسلامی لشکر میں مہاجرین، انصار، بنی مزینہ، بنی اسلم، بنی جہینہ، بنو کعب بن عمرو، بنی سلیم، بنو خزاعہ، بنو غفار، بنو اشجع، بنو لیث، کنانہ، بنو ضمرہ، بنو سعد اور بنو تمیم شامل تھے۔(۳)

۳۔ قوت اور طاقت کی فراہمی

دور حاضر میں مسلمان بے حسی اور بے بسی کا شکار ہیں۔ کفار کو کسی بھی شریعت اور آسمانی مذہب نے اسلحہ تیار کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن اس کے باوجود وہ اسلحہ سازی میں سب سے آگے ہیں۔ مسلمان جن کو ان کے رب نے اسلحہ بنانے اور ہر وقت تیار رکھنے کا حکم دیا ہے وہ آلات حرب سے غافل ہیں اور اسے فضول کام سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لئے جنگی سازوسامان بنانے اور تیار رکھنے میں غفلت کا مظاہرہ نہ کریں اور اس بے بسی اور بے کسی کی حالت سے باہر نکلیں۔(۴) دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے بھرپور تیاری اور طاقت کے اسباب ووسائل کو جمع کرنا ہمیشہ بیدار قوموں کا شیوہ ہے۔ موجودہ دور میں ہر مسلم ملک کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے پاس ایٹم بم،

---

(۱) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح، حدیث نمبر:۴۲۷۴، ۵/۱۴۵

(۲) نیٹو کے قیام اور اس کردار پر بحث اب کیونکر ضروری ہے؟، ۲۸ نومبر ۲۰۱۷ء، ٹرکش ریڈیو اینڈ ٹیلی ویژن کارپوریشن

(۳) غزوات النبی ﷺ مع جہاد، ص:۱۶۹

(۴) دعوت جہاد، فضل محمد، بیت الجہاد، کراچی، ۱۹۹۸ء، ص:۳۸۰

ہائیڈروجن بم، نیپام بم، اسلحہ، بحری جہاز، آبدوزیں اور ہوائی جہاز وغیرہ جیسا سامان موجود ہونا چاہیئے۔ آج کل امت سخت حالات سے گذر رہی ہے اس میں انہیں اپنی بقا کے لئے تیاری رکھنی چاہیے۔ فضل محمد اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"موجودہ زمانے میں جنگ کے لئے جس طرح کے اسلحہ اور آلات وسامان کی ضرورت ہے، ان میں ہم کسی سے پیچھے نہ رہیں اور اس کوشش میں لگ جائیں کہ قریب سے قریب مدت میں ان چیزوں کے لئے اپنے ملک کو خود کفیل بنا سکیں۔"(۱)

مسلمانوں کو دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے اور ہر ممکن قوت تیار رکھنی چاہیے۔ قرآن مجید میں بھی مسلمانوں کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِه عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ (۲)

ترجمہ: تم ان کے مقابلے کے لئے اپنی طاقت بھر قوت کی تیاری کرو اور گھوڑوں کے تیار رکھنے کی کہ اس سے تم اللہ کے دشمنوں کو خوف زدہ رکھ سکو اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں خوب جان رہا ہے۔

اس آیت قرآنی میں دشمنان حق کے مقابلے کیلئے ہر ممکن قوت تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ مفاتیح الغیب میں اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا گیا ہے:

"یہ آیت جہاد کے لئے تیاری اسلحہ، تیروں اور شہسواروں کی تعلیم کی تربیت پر دلالت کرتی ہے" (۳)

معارف القرآن میں اس آیت کی وضاحت ہوتی ہے کہ:

"اس آیت کی رو سے مسلمان حکومت پر جدید اسلحہ کی تیاری اور ان کے کارخانوں کا قائم کرنا فرض ہو گیا، اس لئے کہ اس آیت میں قیامت تک کے لئے ہر مکان وزمان کے مناسب قوت وطاقت کی فراہمی کا حکم دیا گیا ہے۔ جس طرح کافروں نے تباہ کن ہتھیار تیار کئے ہیں۔ ہم پر بھی اسی قسم کے تباہ کن ہتھیار کا تیار کرنا فرض ہو گیا ہے، تاکہ کفر وشرک کا مقابلہ کر سکیں۔"(۴)

---

(۱) دعوت جہاد، ص: ۳۳۰

(۲) سورۃ الانفال: ۸/ ۶۰

(۳) مفاتیح الغیب للفخر الرازی، فخر الدین محمد بن عمر التمیمی الرازی الشافعی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء، ۱۵/ ۱۴۸

(۴) معارف القرآن، محمد ادریس کاندہلوی، مکتبہ عثمانیہ، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص: ۲۵۵

جیسے قرآن مجید میں مسلمانوں کو آلات حرب کی تیاری کا حکم دیا گیا ہے ایسے ہی حدیث شریف میں بھی آلات حرب کی تیاری کی تاکید کی گئی ہے۔ جیسے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(({وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ }أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ))[1]

ترجمہ: کفار کے خلاف اپنی استطاعت کے مطابق قوت حاصل کرو سنو قوت تیر اندازی ہے سنو قوت تیر اندازی ہے سنو قوت تیر اندازی ہے۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کو جہاں تک ممکن ہو سکے کفار سے مقابلہ کے لئے تیاری کرنی چاہیے اور اس تیاری سے مراد تیر اندازی ہے۔ نووی اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

”جہاد کے لئے تیر اندازی سیکھنے کی فضیلت اسی حدیث سے نکلتی ہے اور اسی پر قیاس کر لینا چاہیے ہر ایک ہتھیار کی مشق کو اور گھوڑے کی سواری اور دوڑ وغیرہ اگر جہاد کی نیت سے ہوں۔“[2]

گویا کہ ان آیات قرآنی اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو غفلت سے نکل کر ہر وقت جنگ کے لئے اسلحہ اور ہر طرح کی قوت اور طاقت کی چیزوں کا انتظام کر کے رکھنا چاہیے۔ دور حاضر میں امت مسلمہ کو اپنی عسکری قوت کو مضبوط کر کے اپنی بقاء کا سامان تیار کرنا ضروری ہے۔ ظفر احمد عثمانی[3] تاریخ تمدن اسلام و عرب میں لکھتے ہیں:

”دشمن کے مقابلہ میں قوت حرب (جنگی طاقت) کو اس حد تک بڑھانا چاہیے کہ دشمن پر ہیبت طاری ہو جائے، ہمارے پہلے خلفاء اور سلاطین اس حکم پر پوری طرح عامل تھے ،حضرت معاویہ نے خلافت بنی امیہ میں پانچ سو بحری جہازوں کا جنگی بیڑا تیار کیا تھا، وہ دشمن کی جنگی قوت سے مدافعت کا پورا سامان تیار کرتے تھے دوسروں کے دست نگر نہ تھے جیسے ہم آج کل دوسروں کے محتاج ہیں، سب مسلمانوں کو مل کر اسلحہ سازی کے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ وذم من علمہ ثم نسیہ، حدیث نمبر:۱۹۱۷، ۳/ ۱۵۲۲

(۲) المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، ۱۳/ ۶۴

(۳) ظفر احمد عثمانی: آپ ۱۳۱۰ھ میں دیوبند میں پیدا ہوئے۔ آپ ممتاز عالم دین، مفسر اور عظیم سیاستدان تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان اور بعد ازاں تعمیر پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ ۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو فوت ہوئے اور آپ کو پاپوش نگر کے قبرستان میں دفن کیا گیا (تذکرۃ الظفر، محمد عبدالشکور ترمذی، مطبوعات علمی کمالیہ، فیصل آباد، ۱۹۷۷ء، ص:۴۹۱)

کارخانے قائم کرنے چاہیے اور نئ نئ ایجادیں بھی کرنی چاہیے یہ سب "اعدوا لھم ما استطعتم" میں داخل ہیں۔"(۱)

ایک معروف عالم دین محمد یوسف بنوری(۲) اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"عالم اسلام بالخصوص عرب کے صحراؤں میں قدرتی وسائل، خام ذخائر اور مال و دولت کی کمی نہیں بلکہ فراوانی ہے، گر یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ان کے مال و دولت کا بڑا حصہ یا تو غیر ملکی بینکوں میں جمع ہونے کی وجہ سے دشمنان اسلام کے کام آتا ہے، بادشاہ خرچی، عیش پرستی، عافیت کوشی، اور آسائش پسندی کے لئے ضائع کیا جاتا ہے، لیکن فوجی استحکام، عسکری تربیت، اور اسلحہ سازی تقریباً صفر ہے، دشمنان اسلام ہر جگہ ہوائی اڈے، بحری بیڑے، فوجی چھاؤنیاں، اور اسلحہ سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم کر رہے ہیں، مگر مسلمان خدا فراموشی کے ساتھ ظاہری تدبیر سے بھی مجرمانہ غفلت میں مست ہیں۔" (۳)

آپ ﷺ نے قریش مکہ سے مقابلہ کرنے کے لئے ہر طرح کی قوت اور طاقت کا انتظام کیا۔ آپ ﷺ نے بارہ صحابہ کرامؓ کو اپنے حلیف قبائل کی طرف روانہ کیا اور ان کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔(۴) فتح مکہ میں آپ ﷺ کی فوج میں دس ہزار سپاہی تھے۔(۵) آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دوران دس ہزار فوج کے لئے بہتر انتظامات کیے ہوئے تھے۔ کسی آدمی کو بھی سامان خورد و نوش کی کمی کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔ اس سفر میں نقل و حرکت کا بھی سامان بہت تھا۔ مسلمانوں کے لشکر میں اونٹوں اور گھوڑوں کی بڑی تعداد موجود تھی اور اکثریت کو سواری میسر تھی۔ اسلحہ بھی سب کے پاس تھا۔ زرہیں اور خود خصوصاً انصار و مہاجرین کے لشکر کے پاس اتنی تھی کہ اکثر فوج کی صرف آنکھیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ (۶) آپ ﷺ کے لشکر کو دیکھ کر ابو سفیانؓ بھی اس سے مرعوب ہو کر آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے کہے اٹھے کہ:

---

(۱) وہ بات خطبہ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا، پروفیسر محسن عثمانی ندوی، ۲۰ ستمبر ۲۰۱۶ء

(۲) محمد یوسف بنوری: آپ ۱۹۰۸ء کو ضلع مردان میں واقع مہابت آباد نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ جامعہ علوم اسلامیہ کے بانی تھے۔ آپ محدث تھے۔ آپ نے ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو وفات پائی (محدث عصر حضرت سید محمد یوسف بنوریؒ، وفقہ اللہ، الغزالی فورم، ۱۴ جون ۲۰۱۱ء)

(۳) وہ بات خطبہ عرفات میں جس کا ذکر نہ تھا، پروفیسر محسن عثمانی ندوی، ۲۰ ستمبر ۲۰۱۶ء

(۴) المغازی، ۲/۷۹۹

(۵) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ الفتح فی رمضان، حدیث نمبر: ۴۲۷۶، ۵/۱۴۶

(۶) سیرۃ ابن ہشام، ۴/ ۲۴

((مَا لِأَحَدٍ بِهَؤُلَاءِ قِبَلٌ وَلَا طَاقَةٌ))[1]

ترجمہ: ان سے لڑائی کی بھلا کس میں اتنی طاقت ہے۔

گویا کہ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے قوت اور طاقت کا ہر انتظام کیا ہوا تھا۔ کہ دشمن کے چند لوگوں کے سوا کسی کو حوصلہ ہی نہیں ہوا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کر سکیں۔

۴۔ معاہدہ توڑنے (عہد شکنی) کی سزا

کسی کے ساتھ کیے گئے معاہدوں کو اہمیت نہ دینا معاشرے کی وہ خرابی ہے جس سے باہمی تعلقات، محبت والفت، میل جول کی بجائے فتنہ وفساد پھیل جاتا ہے۔ معاہدہ توڑنا ایک مذموم حرکت ہے۔ آج ہر شخص اگر اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرلے تو نوے فیصد معاملات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ آج ہمیں وعدہ خلافی اور بدعہدی کے گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے۔ عصر حاضر میں معمولی معمولی باتوں پر عہد توڑ دیے جاتے ہیں اور ایفائے عہد کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس کے بارے میں مشہور عالم دین سید قطب اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''یورپ کے تسلط واقتدار کے دور میں انسانیت جنگی معاہدوں اور بھیڑیوں کے قانون کی کئی صورتیں دیکھ چکی ہے۔ یہ قانون غدر و نفاق، خیانت و کمینگی، وعدہ خلافی، معاہدوں کو پرزے پرزے کرنے اور محض کاغذ کے ٹکرے قرار دینے کا قانون ہے، انسانیت جنگ کی اس وہشت و درندگی کو بھی دیکھ چکی ہے جس سے جنگلی جانور بھی شرماتے ہیں۔ اس ننگی وحشت کے دو انتہائی نمونے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرانے کی صورت میں ظاہر ہوئے۔''[2]

آج کے دور کو روشن خیال دور کہا جاتا ہے لیکن آج کے دور انسانوں کی معاہدوں کو توڑنا اور وعدہ خلافی کرنا عادت ثانیہ بن چکی ہے۔ اس کے بارے میں شیخ عبد الرزاق اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ''۲۰/۳/۲۰۰۲ء کو عراق پر جنگ مسلط کر کے امریکہ اور اس کا تابع مہمل برطانیہ نے جس طرح بین الاقوامی معاہدوں کی دھجیاں بکھیری ہیں، عالمی رائے عامہ کو ٹھکرایا ہے اس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ ان کے نزدیک عہد وپیمان کی کوئی قدروقیمت نہیں۔ سلامتی کونسل اور اقوام متحدہ کی کوئی اہمیت نہیں، بین

---

(۱) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۹/۸

(۲) امن عالم اور اسلام، سید قطب، گلستان پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۴ء، ص: ۲۰۱

الاقوامی معاہدوں کا کوئی پاس ولحاظ نہیں اور ان کے نزدیک انسانی جان کا کوئی احترام نہیں۔ان کے یہاں جنگل کا قانون ہے اور ان کو صرف اپنا مفاد ہی پیارا ہے۔"(۱)

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں وعدہ خلافی ایک عام سی بات ہے۔اس لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ ان سے اگر کوئی عہد کر کے توڑے تو اسے اس کے کیے کی سزا دینی چاہیے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عہد شکنی ایک ناقابل معافی جرم ہے ۔کسی معاہدے کی خلاف ورزی اعلان جنگ کے مترادف ہے تاآنکہ تجدید عہد نہ ہو۔اگر عہد شکنی اور معاہدوں کی خلاف ورزی پر جہادی جذبے سے کام نہ لیا جائے اور عملاً عہد شکنوں کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے تو معاہدوں کی حیثیت کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ نہیں رہے گی۔اس طرح طاقتور کو اپنی من مانی کرنے کے لئے کھلی چھٹی مل جاتی ہے اور معاشرے کا توازن ہی نہیں بگڑتا بلکہ امن و امان کی صورت حال بھی ابتر ہو جاتی ہے۔عہد شکنی کا ارتکاب کرنے والوں کے خلاف تادیبی کاروائی ضروری ہو جاتی ہے۔"(۲)

فتح مکہ کا سب سے سبب یہ تھا کہ قریش کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ طے تھا لیکن قریش نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور اس کو توڑا۔ان کے اس اقدام کی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے ان کو سزا دینے کا فیصلہ کیا اور آپ نے مکہ میں مشرکین پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔

۵۔خون خرابے سے بچنے کی کوشش

عصر حاضر میں بوسنیا، چیچنیا، کشمیر، فلسطین اور افریقہ و ایشیاء کے مسلمانوں کا خون بہت ارزاں ہے اور ان کو بے دریغ قتل کیا جارہا ہے۔ان کو وحشیانہ بربریت کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔مسلمان سپہ سالاروں کو ہوش میں رہ کر فیصلہ کرنا چاہیے۔معاملے کو مذاکرات اور دیگر پر امن طریقوں سے حل کیا جائے اور خون خرابے کے بغیر امن کی منزل تک پہنچنا چاہیے۔انہیں ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیے جس سے زیادہ خون خرابہ نہ ہو۔غلام غوث[۳] اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

---

(۱) گلوبلائزیشن اور عالم اسلام، ص:۱۸۲

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۲۹۰

(۳) غلام غوث ہزاروی: آپ بفہ (ضلع مانسہرہ) میں پیدا ہوئے۔آپ نے چند سالوں میں جمعیۃ علماء اسلام کو ملک کی بڑی سیاسی جماعت بنادیا۔آپ نے برطانوی سامراج کے خلاف آزادی کی جنگ میں متحرک کردار ادا کیا تھا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔آپ کو بفہ میں دفن کیا گیا۔(غلام غوث ہزاروی، زاہد الراشدی، ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ، جون ۱۹۹۳ء)

"ایک صحیح اور قابل سپہ سالار کا فرض ہے کہ وہ بے ضرورت جنگ نہ کرے اور جنگ کا دائرہ ضرورت تک محدود کرے۔ اصل مقصد انسانوں کو قتل کرانا نہیں بلکہ امن ہے تاکہ دعوت اسلام کی راہ آزاد ہو اور ظلم کا انسداد ہو سکے۔ آج کی ترقی یافتہ دنیا میں ویت نام برسوں بے گناہ پر گولہ باری کی جائے یا کسی بھی ملک پر حملہ کیا جائے تو کہا جاتا ہے کہ قیام امن کے لئے یہ ضروری ہے مگر امن امن کے الفاظ کے اندر استعمار اور توسیع سلطنت کے مذموم عزائم کار فرما ہوتے ہیں۔"[۱]

آپ ﷺ نے مکہ کی فتح میں اس چیز کا خاص خیال رکھا کہ امن سے مکہ کو فتح کیا جائے اور یہاں پر خون خرابہ نہ کیا جائے۔ اس لئے آپ ﷺ نے مکہ میں داخل ہوتے وقت اپنے جرنیلوں کو حکم دیا کہ کسی پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کرنی اور اس وقت تک جنگ شروع نہیں کرنی جب تک لڑائی تم پر مسلط نہ کر دی جائے۔ آپ ﷺ نے خالد بن ولیدؓ کو زیریں شمالی جانب سے مکہ میں داخلے کا ارشاد فرمایا۔ جہاں عکرمہ بن ابی جہل اور ان کے ساتھیوں نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ اس لڑائی میں دو مسلمان شہید ہوئے۔[۲] مشرکین کے بارہ یا تیرہ آدمی مارے گئے۔[۳]

۶۔ دشمن پر نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ

عصر حاضر میں تمام عالم کفر نے متحد ہو کر مسلمانوں کے خلاف نفسیاتی دباؤ ڈالا ہوا ہے۔ عصر حاضر میں غیر مسلم ممالک مسلمان ملکوں پر پریشر ڈال کے اور اندرونی معاملات میں دخل دے کر نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ ڈالتے ہیں۔ جیسے بھارت پاکستان پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے کبھی LOC کی خلاف ورزی کرتے ہیں، کبھی پانی کا مسئلہ اٹھاتے ہیں، کبھی اپنے جاسوس بھیجتے ہیں، کبھی دہشت گردوں کو فنڈنگ کرتے ہیں اور کبھی سیاستدانوں کو استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح بھارت افغانستان کو فنڈنگ اور پروجیکٹ دے کر پاکستان کے خلاف استعمال کرتا ہے۔[۴] امریکہ نے ایران پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے ایران پر بہت سے پابندیاں ڈالیں ہوئی ہیں۔[۵] غیر مسلم ممالک مسلمانوں پر نفسیاتی دباؤ ڈالنے کے لئے انہیں دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ دشمن نے مسلمانوں پر ثقافتی غلبہ ڈالا ہوا ہے۔ عصر حاضر میں مسلمان ممالک کو اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ وہ دشمن کے کسی قسم کے نفسیاتی اور اخلاقی دباؤ سے مرعوب نہ ہو سکیں۔ سپہ سالاروں کو اپنے دشمنوں کو کمزور کرنے کے لئے ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیے کہ ملک دشمن عناصر کا خاتمہ کیا جا سکے اور ان

---

(۱) جنگ سیرۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص:۵۳

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر:۴۲۸۰، ۱۴۶/۵

(۳) سیرۃ ابن ہشام، ۲۹/۴

(۴) نفسیاتی جنگ، ۲۹ مئی ۲۰۱۷ء، روزنامہ نوائے وقت

(۵) ایران کے خلاف امریکہ کی نئی نفسیاتی جنگ، ۶ نومبر ۲۰۱۸ء، سحار نیٹ ورک، تہران

تدابیر سے دشمن اپنے مضموم عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکے۔ ان تدابیر کو اختیار کرنے سے دشمن کمزور ہو جائے اور مقابلہ کرنے کی اس میں سکت نہ رہے۔ دشمن کو ان تدابیر سے نفسیاتی اور اخلاقی طور پر اتنا خوف زدہ کر دیا جائے کہ وہ لڑائی کرنے کا سوچ ہی نہیں۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ کا مقصد تھا کہ ایسی تدابیر اختیار کرنی چاہیے جس سے دشمن کمزور ہو جائے اور وہ مقابلہ نہ کر سکے اور وہ بغیر لڑائی کے ہتھیار ڈال دیں۔ اسی وجہ سے مر الظہران پہنچ کر نبی اکرم ﷺ نے اپنی فوج کے ہر سپاہی کو کہا کہ وہ الگ الگ آگ روشن کریں۔(۱) اس طرح دشمن پر مسلمانوں کی تعداد زیادہ ظاہر ہو۔ آگ سے تمام صحرا روشن ہو گیا۔ قریش مکہ نے ابو سفیان اور حکیم بن حزام کو خبریں معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ راستے میں انہیں بدیل بن ورقاءؓ بھی مل گئے جب یہ تینوں مر الظہران کے قریب پہنچے تو انہیں میلوں تک آگ ہی آگ نظر آئی۔ یہ منظر دیکھ کر یہ تینوں حیران اور پریشان ہو گئے۔(۲)

اس کے علاوہ نبی اکرم ﷺ نے ابو سفیانؓ کے دل میں اسلام کی شان و شوکت کو گہرا کرنے کے لئے اور دشمن کی قیادت کو مرعوب کرنے کے لئے ابو سفیانؓ کو پہاڑ کے ناکے پر وادی کی تنگ جگہ پر کھڑا کر دیا تا کہ ابو سفیانؓ لشکر اسلام کو دیکھ سکیں۔(۳) آپ ﷺ کو اس چیز کا اندازہ تھا کہ قریش مقابلہ نہیں کریں گے لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے دور اندیشی سے کام لے کر تدابیر اختیار کیں۔

نبی اکرم ﷺ کا چھ ہجری میں حضرت ام حبیبہؓ سے نکاح ہوا جو ابو سفیانؓ کی بیٹی تھیں۔ ابو سفیان نے اس وقت اپنی شکست کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

"ذلك الفحل لا يقدح أنفه"(٤)

یہ وہ نوجوان ہے جو اپنی آن پر حرف نہیں آنے دے گا۔

ابو سفیان کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ معزز ہیں اور آپ ﷺ کی عزت کو نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ابو سفیانؓ کی دشمنی کا زور ختم ہو گیا اور کچھ عرصہ بعد انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ آپ ﷺ کا ان پر اخلاقی دباؤ تھا۔

۷۔ غیر اہل قتال کی حرمت

عصر حاضر کی جنگوں میں اسلحہ، بم اور ہتھیاروں کو اندھا دھند استعمال کر کے لاکھوں بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے اور شہری آبادی اور شہری تنصیبات کو تباہ کیا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں بم دھماکوں اور خود کش

---

(۱) المغازی، ۱/ ۸۰۰

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ، حدیث نمبر: ۴۲۸۰، ۵/ ۱۴۶

(۳) ایضا

(۴) اسد الغابہ، ۳/ ۳۵۳

حملوں میں غیر محارب بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو مار دیا جاتا ہے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''کیا اسلام کے نام پر آج کے دور میں روا رکھے جانے والے خود کش حملوں میں عورتیں اور بچے محفوظ ہیں جنہیں آقا ﷺ نے حالت جنگ میں بھی قتل کرنے سے منع فرمایا ہے؟ حالانکہ آقا ﷺ نے جن عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا وہ کافروں کی عورتیں اور بچے تھے۔ لیکن عین دوران جنگ بھی انہیں قتل کرنے کی اجازت نہیں دی گئی چہ جائیکہ گھروں یا ہسپتالوں میں زیر علاج اور مسجدوں میں مصروف عبادت گزار لوگوں پر خود کش بموں کے ذریعہ حملہ آور ہو کر اپنے آپ کو خود کشی کی موت کے ذریعے جہنم واصل کر دیا جائے اور بیسیوں مرد، عورتیں، بوڑھے بیمار اور بچے بھی لقمہ اجل بن جائیں۔''(1)

اسلام نے غیر اہل قتال کے قتل کو ممنوع قرار دیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہوتے مثلاً عورتیں، بچے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضا یعنی معذور، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زاہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ وغیرہ۔ یہ لوگ جنگ میں حصہ نہیں لے رہے ہوتے ہیں اس لئے انہیں قتل کرنا ممنوع ہے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ''اسلام انسانی خون کو کعبے کی حرمت سے زیادہ فضیلت کا سزاوار سمجھتا ہے، دوران جنگ بھی خون ناحق کی مذمت کی گئی ہے۔ دوران جنگ صرف انہی دشمنوں کو قتل کرنے کی اجازت ہے جو عموماً جنگ میں حصہ لینے کے قابل ہوتے ہیں جبکہ آبادی کا غیر محارب حصہ جس میں بیمار، معذور، گوشہ نشین افراد، بچے، بوڑھے، عورتیں، شامل ہیں قتال کی اجازت سے مستثنیٰ ہے۔''(2)

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی فوج کو مکہ میں داخلے سے پہلے جو ہدایت فرمائی اس میں کسی زخمی کو قتل نہ کرنے، جان بچا کر بھاگے والے کا پیچھا نہ کرنا اور جو اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے اسے امان دی۔(3)

---

(۱) اسلام میں محبت اور عدم تشدد، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جون ۲۰۱۵ء، ص:۱۳۸

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/۱۳۶

(۳) فتوح البلدان، حدیث نمبر:۱۳۵، ۱/۴۶

۸۔ جنگی کاموں میں نظم وضبط

عصر حاضر میں سپہ سالار کو کامیابی حاصل کرنے کے لئے جنگی کاموں میں نظم وضبط اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مقصد کے آغاز سے متعلق کوئی ٹھوس فیصلہ نہ کیا جاسکے تو وہ اہداف ومقاصد صرف خواب اور آرزو ہی بن کررہ جائیں گے۔ اسی بناء پر سپہ سالار کو عقل وبصیرت سے اور ساتھ ہی منظم طریقے سے نیز اپنے اختیار میں جو وسائل وذرائع ہیں۔ انہیں مدنظر رکھتے ہوئے، صحیح منصوبہ بندی کے ساتھ اپنے ہدف کی جانب قدم بڑھانا چاہیے اور سپہ سالاروں کو جنگی کاموں میں منصوبہ بندی اور نظم وضبط کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ غلام غوث ہزاروی فوج میں نظم وضبط (ڈسپلن) کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”فوج میں نظم وضبط (ڈسپلن) اور اطاعت امیر کا مقام سب سے بلند ہے، اگر فوج سپہ سالار کا حکم نہ مانے تو جنگ کیسے جیتے۔“(۱)

دور حاضر میں فوجوں میں نظم وضبط ہونا چاہیے۔ جنگ کے دنوں میں دشمن کے عام لوگ جو جنگ میں حصہ نہیں لے رہے انہیں تنگ نہیں کرنا چاہیے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ میں نظم وضبط اور عام انسانوں سے عدم تعرض کے بارے میں واضح ہدایات دیں تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحیثیت سپہ سالار قدید کے مقام پر فوج کی تیاری کی اور فوج کے علمبردار اور دستوں کے آفیسرز مقرر کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدترین حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی فوج کو منظم کیا اور شہر کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر سمت میں اتنی فوج متعین کردی کہ وہ خود بغیر کسی کی مدد کے ان کا مقابلہ کرسکیں۔ فتح مکہ میں مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تھی اور اس لشکر میں مہاجرین اور انصار کے علاوہ مختلف قبائل کے لوگ شامل تھے۔(۲) ان سب لوگوں کے درمیان اتحاد تھا اور ان کا مقصد ایک تھا۔ اسی لئے کفار کو ان سے مقابلے کی جرأت نہ ہو سکی۔

۹۔ فتنہ وفساد کا خاتمہ

عصر حاضر میں مغرب اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے تمام ممالک ایک بات ثابت کرتے ہیں کہ اسلام ایک شدت پسند مذہب وعقیدہ ہے اور اس مذہب کے ماننے والے فرد وجماعت، ملک وقوم میں دہشت گردی اور فتنہ فساد پھیلاتے ہیں۔ بدامنی، فتنہ وفساد، خوں ریزی وغارت گری اور دہشت گردی سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان تو ایک امن پسند اور ہمدرد وخیر خواہ قوم وملت کا نام ہے اور فتنہ وفساد کا خاتمہ اسلامی جنگوں کا مقصد ہوتا ہے۔ عموماً فتح کے بعد فاتح قومیں دشمنوں کے علاقوں کو آگ لگا دیتی ہیں۔ انسانوں کا قتل بے دریغ کیا جاتا ہے اور انتقام لینے

---

(۱) جنگ سیرۃ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں، ص:۲۶

(۲) المغازی، ۲/ ۸۰۰

کے چکر میں ہر طرح کی وحشت و بربریت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اسلام ایسی تمام حرکات سے روکتا ہے۔ اگر جنگ کرنے کے بعد بھی یہ فتنہ فساد ہی برپا کرنا ہی ہے تو پھر جنگ کا مقصد نہیں پورا ہوتا۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”مفاد عامہ کے لئے اسلام فتنہ و فساد کا کلی استیصال چاہتا ہے کیونکہ سازشوں اور شر انگیزیوں کے اعصاب شکن ماحول میں نہ پر امن معاشروں کے قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکتا ہے اور نہ عالمی سطح پر قیام امن کی کوئی ضمانت ہی دی جاسکتی ہے۔“ (۱)

مکہ فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے ازلی دشمن پر پوری طرح قابو ہونے کے باوجود آپ ﷺ نے اپنی فوج کو فتنہ و فساد برپا کرنے والی تمام حرکتوں سے روکا۔

۱۰۔ رازداری کا مکمل اہتمام

عصر حاضر میں راز داری کا مکمل اہتمام نہیں کیا جاتا، آج کل مسلمانوں کی یہ ایک بڑی کمزوری بن گئی ہے کہ وہ اپنے مخالفین سے اپنے ارادوں کو مخفی نہیں رکھ سکتے۔ وہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی انہیں اخبارات کی شاہ سرخیوں کی زینت بنا دیا جاتا ہے۔ ہر مسلمان ملک کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور اپنے حساس نوعیت کے نقشے اور تنصیبات کی حفاظت کرنی چاہیے تاکہ دشمن مسلمان ملک کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ مسلمانوں کو اپنے دشمن سے ہر وقت باخبر رہنا چاہیے اور اتنی رازداری کا انتظام کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کی کوئی بات ان تک نہ پہنچ سکے۔ عبد الرحمن کیلانی رازداری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”رازداری کی اہمیت یہ ہے کہ بعض دفعہ محض ایک راز لیک آؤٹ ہو جانے سے جنگ کا نقشہ ہی بدل سکتا ہے۔ اور لینے کے دینے پر جاتے ہیں“(۲)

اس لئے جنگی کاروائی میں رازداری کا خاص انتظام کرنا چاہیے۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے رازداری کا خاص اہتمام کیا۔ آپ ﷺ نے قریش کی وعدہ خلافی کی وجہ سے مکہ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس چیز کا خاص خیال رکھا کہ کسی کو آپ ﷺ کے ارادے کا علم نہ ہو سکے اور آپ ﷺ نے مدینہ منورہ سے کوئی اطلاع باہر نہیں جانے دی۔ ابوسفیان جب قریش کی طرف سے معاہدہ امن تازہ کرنے کے لئے مدینہ آئے تو ان کو نہ آپ ﷺ نے اور نہ آپ ﷺ کے کسی صحابیؓ نے کوئی صاف بات بتائی۔ یہاں تک کہ انہیں اپنی بیٹی ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ سے بھی کوئی بات معلوم نہ ہو سکی۔ آپ ﷺ نے غزوے کے لئے سامان حرب کو تیار کرنے کا حکم دیا لیکن آپ ﷺ کے اکابر صحابہ کرامؓ اور

---

(۱) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۲۸۶

(۲) نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، ص: ۵۲

ازواج مطہراتؓ کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ کس طرف آپ ﷺ کا کوچ کرنے کی تیاری ہے۔[1] آپ ﷺ نے مدینہ سے مکہ کی طرف نکلتے وقت اپنے ارادے کا اظہار فرمایا۔

آپ ﷺ کی رازداری کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ نے اپنے حلیف قبائل تک کو نہیں بتایا کہ کن کے ساتھ جنگ کرنے کا ارادہ ہے۔ آپ ﷺ نے چاروں طرف جاسوس پھیلا دیئے۔ آپ ﷺ نے راستے میں جو بھی مشکوک آدمی نظر آئے اسے روکنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے وہ خط جس میں مکہ والوں کو آپ ﷺ کا مکہ پر حملہ کرنے کی خبر دی گئی وہ بھی خط پکڑوا دیا۔ آپ ﷺ نہایت رازداری سے سمت بدلتے بدلتے اور غیر معروف اور نامعلوم راستوں سے ہوتے ہوئے مکہ کے قریب پہنچ گئے۔ آپ ﷺ دس ہزار کا لشکر لے کر نہایت رازداری سے مکہ کی سرحد تک پہنچ گئے اور قریش مکہ کو اس کی بھنک تک نہ پڑ سکی۔

۱۱۔ دشمن سے باخبر رہنا چاہیے

موجودہ دور میں ہمارے دشمن ہم سے زیادہ مستعد، زیرک اور باخبر ہیں اور ہم اپنے دشمن سے باخبر ہوتے ہوئے بھی بے خبر ہیں۔ ہمیں دشمن کی ہر طرح کی چالوں کو سمجھنا چاہئے اور تنظیمی نظم وضبط کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنا چاہیے ۔ عصر حاضر میں سپہ سالار کو اپنے دشمن سے باخبر رہنا چاہیے اور دشمن کی ہر معلومات اپنے پاس رکھنی چاہیے۔ ایک سپہ سالار اپنا جنگی نقشہ اس وقت باریک بینی سے تیار کر سکتا ہے جب اسے دشمن کی فوجوں کی تعداد کے بارے میں، ان کے ارادوں کے بارے میں، ان کے ہتھیاروں کے بارے میں اور ان کے اسلوب جنگ کے بارے میں پتا ہو۔ ان تمام معلومات کی وجہ سے اس کی کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ عبدالرحمن کیلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”جس طرح دشمن کی نقل وحرکت اور اور اس کے حالات سے آگاہ رہنا ضروری ہے۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ اپنے حالات اور نقل وحرکت سے دشمن کو حتی الوسع بے خبر رکھا جائے۔ لہذا ایسے ”فوجی راز“ سوائے گنتی کے چند مشیروں اور معتمد خاص کے کسی کو معلوم نہ ہونے چاہیے۔“[2]

فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ اپنے دشمن سے باخبر تھے۔ آپ ﷺ قریش کی عہد شکنی کی تمام معلومات بنو خزاعہ کے وفد سے سن چکے تھے اور آپ ﷺ کو اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ قریش اس حملے کے بارے میں متردد تھے۔ آپ ﷺ نے معلومات کے حصول کے لئے اپنے جاسوس مقرر کیے ہوئے تھے۔ اس طرح ہر کام کی اطلاع آپ ﷺ کو بالکل صحیح وقت پہ مل جاتی تھی اور کون مدینہ آیا ہے اور کون یہاں سے باہر گیا ہے اس کے بارے میں بھی آپ ﷺ کو معلوم ہو جاتا تھا۔

---

(۱) معجم الصغیر للطبرانی، حدیث نمبر ۲،۹۶۸ / ۱۶۸

(۲) نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، ص:۵۲

قریش مکہ کو مسلمانوں کے بارے میں کوئی اطلاع مہیا نہ ہو سکی۔ ابو سفیان نے بہت کوشش کی کہ آپ ﷺ کے ارادوں کے بارے میں اپنی بیٹی حضرت حبیبہؓ سے معلومات حاصل کر سکیں لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکے۔ پھر انہوں نے مدینہ کے مسلمانوں سے معلومات حاصل کرنی چاہی لیکن انہیں کچھ معلومات حاصل نہ ہو سکی۔ مدینہ سے مکہ کے راستے میں ان کی ملاقات بنو خزاعہ کے وفد سے ہوئی اور ابو سفیان نے ان سے معلومات حاصل کرنی چاہی لیکن انہوں نے آپ ﷺ سے ملاقات سے ہی انکار کر دیا۔(۱) اس طرح قریش مکمل طور پر اندھیرے میں رہے اور انہیں مدینے والوں کی کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کا لشکر ان کے قریب پہنچ گیا۔

۱۲۔ دفاعی حکمت عملی

عصر حاضر میں کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق میں مسلمان کمزور دفاع کی وجہ سے دشمن سے مار کھا رہے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان سپہ سالاروں کو اپنے دفاع کے لئے ایسی حکمت عملیاں اختیار کرنی چاہیے کہ انہیں دشمن زیادہ نقصان نہ پہنچا سکے۔ دفاعی حکمت عملیوں ہی کی وجہ سے دشمن کو شکست دی جا سکتی ہے۔ محمد طاہر القادری اس کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

> ”وہ قومیں جو محض اپنے دفاع پر انحصار کرتی ہیں اور آگے بڑھ کر فتنہ وفساد، جبر وتشدد، ناانصافی، شر انگیزیوں اور سازشوں کا سر کچلنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں وہ قوموں کی برادری میں کبھی برابری کا درجہ حاصل نہیں کر سکتیں اور نہ وقار وتمکنت کی وہ منزل کر سکتی ہیں جو ہر آزاد قوم کا حق ہے۔“(۲)

گویا کہ ہر ملک کو صرف دفاع پر ہی انحصار نہیں کرنی چاہیے بلکہ ایسی حکمت عملیاں اختیار کرنی چاہیے کہ دشمن کو شکست دی جا سکے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ میں بہترین دفاعی حکمت عملیاں اختیار کیں اور مکہ میں داخلہ کے وقت آپ ﷺ نے اعلان فرمایا:

> ((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ ، وَمَنْ أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَهُوَ آمِنٌ)) (۳)
>
> ترجمہ: جو شخص ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان حاصل ہو گی، جو اپنا دروازہ بند کر کے گھر بیٹھ جائے، اسے بھی امان حاصل ہو گی اور جو بیت اللہ میں چلا جائے اسے بھی امان حاصل ہو گی۔

آپ ﷺ کے مقرر کردہ امن کے مخصوص کیے گئے مقامات کی وجہ سے دو فائدے ہوئے:

---

(۱) تاریخ الامم والرسل والملوک، ۲/ ۱۵۴

(۲) سیرۃ الرسول ﷺ، ۷/ ۵۵۸

(۳) المعجم الکبیر، حدیث نمبر: ۷۲۶۴، ۸/ ۹

۱۔ ہتھیار رکھنے والے اور مزاحمت کرنے والوں میں فرق ہو گیا۔

۲۔ دشمن کے لوگوں کو آپ ﷺ نے تین مقامات پر تقسیم کر دیا۔اس طرح دشمن منتشر ہو گئے اور وہ مدافعت کے قابل نہیں رہے۔

آپ ﷺ کی اختیار کردہ ان حکمت عملیوں کی وجہ سے دشمن کو شکست ہوئی۔

۱۳۔ حواس پر قابو

عصر حاضر میں مسلمان سپہ سالار کو کمزور اور بزدل نہیں بلکہ قوی اور بہادر ہونا چاہیے۔فتح ہو یا شکست دونوں حالتوں میں اس کا رویہ ہمیشہ اعتدال پسند ہونا چاہیے۔غلام غوث اس کے بارے بیان کرتے ہیں:

"فوجی کمانڈر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بڑے دل گردے کا مالک ہو وہ ایسا نہ ہو کہ فتحیابی کی شکل میں آپے سے باہر ہو جائے۔راہ اعتدال کو چھوڑ کر ظلم وستم یا غیر شریفانہ اعمال پر اتر کر قتل کرنے لگ جائے اور ایسا بھی نہ ہو کہ سخت اور خطرناک حالات میں حوصلہ ہار جائے۔"(۱)

آپ ﷺ کو اپنے نفس پر ایسا کنٹرول اور اپنے حواس پر اتنا قابو ہوتا تھا کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی تھی۔جب مکہ فتح ہوا تو اکیس سال کے آپ ﷺ کے اور اسلام کے دشمن، بدترین اور ذلیل حرکات کے مرتکب اور مجرم قوم کس طرح آپ ﷺ کی رحمت وشفقت کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ انتقامی موت سے نجات پا جاتی ہے بلکہ دنیوی اور دینی منافع سے مالا مال ہو کر شرف انسانیت کی مبلغ بن جاتی ہے۔آپ ﷺ جب مکہ معظمہ میں فتح کے ساتھ داخل ہوئے اگر کوئی ہوتا تو غصے سے سرخ آنکھیں لے کر اور ننگی تلوار لہراتے ہوئے اکڑ کر قتل عام کا حکم دیتا اور تمام فوجی عمر بھر کے دشمنوں پر پل پڑتے اور دیکھتے دیکھتے سرزمین مکہ خون سے لالہ زار بن جاتی۔لیکن اس وقت آپ ﷺ کا سر مبارک اللہ تعالی کی شکر گزاری سے سواری پہ جھکا ہوا تھا۔اپنی عظیم فتح وکامرانی کے وقت آپ ﷺ نے حوصلے اور بلند ہمتی سے کام لیا اور مکمل اپنے حواس کو قابو میں رکھا۔

۱۴۔ سالار کی اپنی شخصیت وکردار اور بہادری

عصر حاضر میں مسلمان اقوام نے اپنی بہت سے فوجی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا۔جیسے عرب اقوام شہسواری میں مشہور تھے لیکن اب انہوں نے اپنی زندگی سے شہسواری کو بالکل ختم کر دیا ہے۔یہ عرب اقوام کی کمزوری کا ایک اہم سبب ہے۔ ابوالحسن ندوی عرب کے مسلم فوجیوں کی زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان قوموں کی فوجی سپرٹ جو ان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہو گئی، جسم کمزور ہو گئے، لوگ نازونعم میں زندگی گزارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب

---

(۱) جنگ سیرۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص:۴۶

ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرہ عرب سے نیست ونابود ہو جائیں لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے تعلیم و تربیت کے رہنماؤں کے لئے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال عزیمت اور مصائب پر صبر و استقامت کی اہلیت پیدا کریں۔"(۱)

عصر حاضر میں میدان جنگ میں قیادت کا حق وہی ادا کر سکتا ہے جو شجاعت، دلیری، بہادری اور بے خوفی کا پیکر ہو۔ ایک دلیر اور بہادر سالار ہی جنگ میں نامساعد حالات کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ایک عسکری سالار کا سب سے موثر ہتھیار اس کی فوج کی تعداد یا اس کے ہاتھ میں جدید اسلحہ نہیں بلکہ سالار کی اپنی شخصیت اور کردار ہیں۔ غلام غوث ہزاروی سپہ سالار کی شخصیت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"فوجی جرنیل قوی اور بہادر ہو اور دوسری اعلی صفات سے مزین ہو لیکن اگر اس کی شخصیت فوجیوں اور عوام کی نظر میں کمزور ہو تو اس کا حکم ماننے یا اس کو ڈسپلن قائم رکھنے کی راہ میں مشکلات ہوتی ہیں۔"(۲)

آپ ﷺ چونکہ ایک بلند پائے کے اعلیٰ ترین انسان تھے اسی طرح آپ ﷺ چوٹی کے سالار بھی تھے۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور آپ ﷺ کے کردار، اخلاق اور شخصیت ہی کی وجہ سے مکہ کے رہنے والوں کے دل جیت لیے اور بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ کو جن حربی مشکلات اور مسائل کا سامنا ہے ان سے نجات آپ ﷺ کی سیرت پر عمل کر کے حاصل کی جا سکتی ہے۔ غزوہ فتح مکہ سے ملنے والے یہ چند رہنما اصول ہیں جن کی روشنی میں موجودہ عالمی حالات کے حربی مسائل و مشکلات حل کیے جاسکتے ہیں۔

---

(۱) انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال، ص:۳۵۹

(۲) جنگ سیرۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں، ص:۴۶

نتائج

اسلام ابدی اور عالمگیر مذہب ہے اور اس میں قیامت تک پیش آنے والے تمام مسائل کا صحیح حل پیش کیا گیا ہے۔ اسلام کے ضابطہ حیات اور اسوہ رسول ﷺ میں انسانوں کے لیے مکمل رہنمائی موجود ہے۔ ہر انسان کو رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں وہ نقوش ملیں گے جن کو اختیار کر کے ایک انسان کامیاب اور اطمینان بخش زندگی گزار سکتا ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کریم نے تمام مسائل ومشکلات میں رسول اکرم ﷺ کی مبارک اور بافیض زندگی کو ہی تمام مسلمانوں کے لیے بہتر اسوہ اور نمونہ قرار دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (۱)

ترجمہ: در حقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسول میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

عصر حاضر میں امت مسلمہ کو بہت سے دعوتی، سیاسی اور حربی مسائل کا سامنا ہے۔ آج عالم اسلام یہودی اور عیسائی طاقتوں کے نرغے میں ہے۔ اسلام کی خلاف ایک طوفان برپا کیا ہوا ہے۔ آج مسلمانوں کے دشمن مسلمانوں کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں یا ختم کرنا چاہتے ہیں۔ آج مغرب کو سیاسی، دعوتی، فوجی، علمی اور ابلاغی برتری اور تسلط حاصل ہے۔ دشمن کی سیاسی، دعوتی، فوجی اور ابلاغی قوت اور بالادستی دیکھ کر مسلمانوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ ہر طرف ظلم وستم کا بازار گرم ہے، عدل وانصاف نہیں ہے، امن وآشتی اور سکون وعافیت مفقود ہوتی چلی جارہی ہے۔ موجودہ حالات مسلمانوں کے اندر مایوسی اور ناکامی پیدا کر رہے ہیں۔ موجودہ حالات میں ہماری کامیابی کا ایک ہی راستہ ہے کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ پر عمل کرنا چاہیے اور ہمیں اپنے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے غزوہ فتح مکہ کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہیے۔ ان تمام حالات میں مسلمانوں کو مایوس نہیں بلکہ فتح مکہ میں نبی اکرم ﷺ کے کردار کو مشعل راہ بنا کر جدوجہد کرنی ہے۔ کیونکہ فتح مکہ سے سبق حاصل کر کے امت مسلمہ کی عزت وسربلندی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ موجودہ دور کے داعی، لیڈر اور سپہ سالار کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی جدوجہد کے ہر مرحلے میں آپ ﷺ کا فتح مکہ میں دعوتی، سیاسی اور حربی کردار سے رہنمائی حاصل کریں۔

---

(۱) سورۃ الاحزاب: ۲۱/۳۳

نتائج

سفارشات و تجاویز

فہرست آیات قرآنی

فہرست احادیث مبارکہ

فہرست اعلام

فہرست اماکن

فہرست مصادر و مراجع

نتائج

اس بحث اور تحقیقی مطالعہ سے درجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:

1. آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر کے اس کو اسلامی حکومت میں شامل کر لیا۔ اس عظیم الشان فتح کے نتیجے میں مکہ پر مسلمانوں نے غلبہ حاصل کر لیا اور مشرکین ہمیشہ کے لئے شکست خوردہ ہو گئے۔
2. فتح مکہ سے آپ ﷺ کی دعوت کو غلبہ حاصل ہوا۔ جب قریش مسلمان ہو گئے تو ہر طرف سے تمام قبائل یکے بعد دیگرے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس عظیم فتح کے ایک سال کے اندر ہی تمام جزیرہ پر اسلام چھا گیا۔
3. آپ ﷺ نے مکہ فتح کر کے اسلام کے دشمن قریش کا خطرہ اور دعوت الی اللہ کے کام میں رکاوٹ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے اس فتح کے بعد نہ صرف مکہ بلکہ اس کے ارد گرد کے علاقوں سے شرک اور بت پرستی کا خاتمہ کر دیا گیا۔
4. آپ ﷺ نے مکہ فتح کر کے مسلمان اور قریش مکہ کے درمیان ہونی والی جنگ کو ختم کر دیا۔ آپ ﷺ نے قریش کی سیادت کے مرکز کو ختم کر دیا تو انہوں نے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈال دیے۔
5. آپ ﷺ نے بغیر جنگ اور بغیر خون بہائے صرف مکہ کو فتح نہیں کیا بلکہ پورے ملک پر اسلام کا پرچم لگا دیا۔
6. اس عظیم فتح کے دن آپ ﷺ نے شفقت و رحمت، عفو و درگزر اور رواداری کا مظاہرہ کر کے ثابت کیا کہ اسلام امن و استحکام کا ضامن ہے۔
7. فتح مکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دین حق دوسرے تمام ادیان پر غالب آکر رہے گا کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کو اس لئے بھیجا گیا تھا۔
8. اس عظیم فتح کے ذریعہ آپ ﷺ نے مکہ میں توحید کا پرچم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بلند کیا۔
9. فتح مکہ میں آپ ﷺ کی فتح انسانیت کی فتح تھی۔ آپ ﷺ نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا کر ظالمانہ نظام سلطنت کو بالکل باطل کر دیا۔
10. فتح مکہ میں آپ ﷺ کا اپنے دشمنوں کو معاف کرنا آپ ﷺ کا وہ عملی نمونہ اور عملی تعلیم تھی۔ جس نے انہیں سچے دل سے اسلام قبول کرنے کی ترغیب دی۔ مسلمانوں کا مکہ کو فتح کرنا بہت سے قبائل کے لئے صداقت کی علامت بن گیا۔ فتح مکہ سے قبائل عرب کا زور ٹوٹ گیا۔
11. آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ دعوت و تبلیغ ایک مقدس فریضہ اور کسی قوم کی زندگی کی علامت ہے اور دعوت کے عمل سے ہی کامیابیاں حاصل ہوتی ہیں۔

۱۲. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ قتل وغارت کے بجائے امن و صلح کے زیر سایہ اسلام کی اشاعت کا کام لیا جائے۔

۱۳. سیاست ایسی حکمت عملی ہے جو معاشرے میں لوگوں کے درمیان اخوت و محبت اور اتحاد و اتفاق پیدا کرتی ہے۔ یہ انسان کی ہر پہلو میں اصلاح ورہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتی ہے۔ اسلامی ریاست میں اسلام کے بنیادی سیاسی اصولوں کے مطابق حکومت چلانی چاہیے۔ اس سے معاشرے میں امن و سکون پیدا ہوگا اور ظلم و ناانصافی کا خاتمہ ہوگا۔

۱۴. فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کی ایک بڑی تعداد نے اسلام اور آپ ﷺ کے سیاسی اقتدار کو قبول کر لیا۔

۱۵. آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر کے دین اسلام کو عالمگیر بنایا۔ تحریک اسلام عرب سے نکل کر بیرونی دنیا میں پھیل گئی۔

۱۶. آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کر کے قریش کے سیاسی اور عسکری وجود کا خاتمہ کر دیا۔

۱۷. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے اپنی سیاسی بصیرت، حکمت عملی اور تدبر سے قریش مکہ پر ثابت کر دیا کہ اسلام ایک ناقابل تسخیر قوت ہے۔

۱۸. آپ ﷺ نے عرب جیسے علاقے میں امن وعدل کی حکومت قائم کر دی۔

۱۹. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ جنگ دشمنی، لوٹ مار اور انتقام کے لئے نہیں بلکہ اپنے دفاع، دعوت اسلامی کی آزادی اور امن وامان کو برقرار رکھنے کے لئے لڑی جانی چاہیے۔

۲۰. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے شدید رازداری کا انتظام کیا۔

۲۱. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے ثابت کیا کہ نرمی اور عفو و درگزر سے جو کام سرانجام دیے جاسکتے ہیں وہ سختی، جبر اور تلوار سے نہیں کئے جاسکتے ہیں۔

۲۲. آپ ﷺ نے دشمن کو کمزور کرنے کی نفسیاتی تدابیر اختیار فرمائیں۔ جن کی وجہ سے اس جنگ میں مشرکین مکہ جنگ کے بغیر ہتھیار ڈال کر مطیع ہو گئے۔

۲۳. فتح مکہ کی مہم میں آپ ﷺ کی اتنی زبردست تیاری مکہ میں خون ریزی کے لئے نہیں تھی بلکہ اہل مکہ کو مرعوب کرنے کے لئے تھی۔ تاکہ خون بہائے بغیر مسلمانوں کا مکہ پر قبضہ ہو جائے۔ اس لئے اس حربی تدبیر کی وجہ سے آپ ﷺ نے بغیر کسی قابل ذکر نقصان کے مکہ کو فتح کر لیا۔

۲۴. فتح مکہ میں آپ ﷺ نے دوسرے فاتحین کے مقابلے میں اپنے دشمن کے ساتھ انتہائی درجہ کی شرافت اور وسعت ظرفی کا ثبوت دیا۔

۲۵. فتح مکہ آپ ﷺ کی دعوتی، سیاسی اور حربی زندگی کی بہترین فتوحات میں سے ایک فیصلہ کن فتح ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے ان تین پہلوؤں کو فتح مکہ میں بے تحاشا کامیابی حاصل ہوئی اور اس فتح میں حاکم ہو یا محکوم،

سپہ سالار ہو یا سپاہی اور داعی ہو یا مدعو سب کے لئے بہترین سبق ہیں۔ موجودہ دور میں یہی درس محمدی ان کی کامیابی کا ضامن ہے۔

۲۶. فتح مکہ کے واقعہ میں آپ ﷺ کے دعوتی، سیاسی اور حربی کردار میں موجودہ دور کے داعی، سیاست دان اور سپہ سالار کے لئے بہترین رہنما اصول ہیں۔ جن کی مدد سے وہ اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں اور کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

سفارشات وتجاویز

ذیل میں چند سفارشات وتجاویز پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے مذہبی کردار کو اجاگر کرنا

عصر حاضر میں مسلمان جن مذہبی مصائب اور آفات کا شکار ہیں ان کا سب سے بڑا سبب آپس کا مذہبی تفرقہ ہے۔ پہلے دور میں لوگوں کے درمیان سیاسی، نسبی، نسلی، لسانی، وطنی اور طبقاتی تفرقہ ہوتا تھا۔ لیکن آج اس امت میں جو تفرقہ سب سے زیادہ اور سب سے خطرناک ہے وہ دین اسلام کے نام پر ہے۔ جس میں ایک فرقہ اپنے مخالف فرقے پر سب وشتم، دشمنی، یہاں تک کہ قتل وغارت گری سے بھی گریز نہیں کرتا۔ عصر حاضر میں بہت سے علماء بغیر اہلیت اور علم کے دوسروں پر کفر کے فتوی جاری کرتے ہیں۔ ہر دوسری قوم ہم مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کر کے ہمارے وجود کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ عصر حاضر میں ملحدانہ اقدامات کے ذریعے عقائد کو متزلزل کیا جارہا ہے۔ عصر حاضر میں عیسائی، قادیانی اور ہندو مشنریز کے ذریعے سینکڑوں افراد مرتد ہورہے ہیں۔ دور جدید کے فتنہ پرور لبرل اور سیکولر ذہن کے حامل افراد عوام میں بڑے پیمانے پر دین کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کر رہے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں انہیں مذہبی تعصب کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور انہیں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے۔ عصر حاضر میں بہت سے لوگوں کو مذہب اور عقیدے کے بنیاد پر جبر، ایذارسانی اور تشدد کا سامنا ہے۔

آنحضرت ﷺ کی مذہبی زندگی میں فتح مکہ کا ایک خاص کردار تھا۔ اگر فتح مکہ کو ہم دیکھیں تو اس وقت مذہبی طور پر آپ ﷺ نے کسی انسان کو مجبور نہیں کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ کے سامنے حق اور باطل کو واضح کر دیا اور کسی انسان پر زبردستی نہیں کی کہ وہ اسلام قبول کریں۔ کیونکہ اگر ان پر زبردستی کی جاتی تو وہ کبھی بھی اسلام قبول نہیں کرتے۔ آپ ﷺ نے قریش مکہ کے سامنے ایسا کردار اور عمل پیش کیا کہ وہ اس سے متاثر ہو کر مسلمان ہوگئے۔ آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے بعد تمام انسانوں چاہے وہ مسلمان تھے یا غیر مسلم ان سب کو مذہبی آزادی فراہم کی۔ اس وقت کوئی مذہبی تفرقہ نہیں تھا اور تمام مسلمان مل کر امن وسکون سے زندگی بسر کرتے تھے۔

مکہ مذہبی لحاظ سے عرب کا مرکز تھا۔ خانہ کعبہ کے وجہ سے مکہ کا ایک خاص مقام تھا۔ مکہ میں لوگ اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے آتے تھے۔ اس پر قبضہ عرب والوں کے دل ودماغ پر کنٹرول کے مترادف تھا۔ خانہ کعبہ جو اللہ تعالی کا گھر تھا مگر کفار نے اسے بتوں کا گھر بنایا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد اسے اصلی رنگ کی طرف لائے۔ آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کے اندر رکھے ہوئے بتوں اور تصاویر کو ختم کر کے اللہ کے گھر کو پاک وصاف کر دیا۔ اس طرح اللہ کا گھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے مکہ کو بتوں سے پاک کرنے کے بعد اس کے ارد گرد کے

علاقوں سے بت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد ہر طرف توحید کا دور دورہ ہو گیا۔ اس سے انسانیت گمراہی سے بچ گئی۔ عصر حاضر میں آنحضرت ﷺ کے اس کردار کو اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ عصر حاضر میں فتح مکہ کا دعوتی کردار

عصر حاضر میں مسلمانوں کو بہت سے دعوتی مسائل کا سامنا ہے۔ داعیان اسلام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے اہم فریضہ سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان دعوت و تبلیغ کے کام کو صحیح طریقہ سے انجام نہیں دے رہے ہیں۔ آج کل کے داعی غیر تربیت یافتہ ہیں اور ان کے دلائل بہت سے کمزور ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمانوں نے تبلیغ اسلام کو انسانوں کی خیر خواہی اورانسانی زندگی کے دیگرمادی پہلوؤں سے علیحدہ کیا ہوا ہے۔ ان کے تعلق کو جوڑ کر ہی دعوت و تبلیغ کو موثر بنایاجا سکتاہے۔ عصر حاضر میں عیسائیت کی تبلیغ سب سے زیادہ ہو رہی ہے کیونکہ وہ انسانوں کی خیر خواہی کے ذریعے ان کے جذبات جیتتے ہیں اور وہ اپنے فلاحی کاموں کی وجہ سے اپنی تبلیغ کو پھیلارہے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان ریاستیں دعوت و تبلیغ کے کام میں معاونت نہیں کر تیں۔ اس لئے صحیح دعوتی نتائج بر آمد نہیں ہوتے۔ کیونکہ کسی بھی دین کی تبلیغ واشاعت منظم طریقے سے ریاست کی مدد سے ہو سکتی ہے۔ آج عیسائیت کی تبلیغ کے پیچھے عیسائی ریاستوں کی قوت کام کر رہی ہے۔ عصر حاضر میں مخالفین کی جانب سے داعی کے لئے دعوت کے کام میں رکاوٹیں کھڑی کی جاتیں ہیں۔ آج کے دور میں مسلمان داعی کے لئے دعوت دینا جرم بن گیا ہے اور داعی کو تبلیغ سے روکنے کے لئے مختلف سازشیں کی جاتی ہے۔ کبھی انہیں ملازمت سے نکال دیا جاتا ہے، کبھی انہیں ملک سے نکال دیا جاتاہے اور کبھی ان کے بچے ان سے چھین لئے جاتے ہیں۔ عصر حاضر میں مسلمان داعی کو صرف اپنے ملک میں دعوت کا فریضہ سرانجام نہیں دیناچاہیے بلکہ غیر مسلم ممالک میں جاناچاہیے۔ عصر حاضر میں تبلیغ کرنے والے افراد کی تربیت کی جائے تاکہ وہ دیگر اقوام اور غیر مذہب کے افراد کے لئے کشش کا باعث بنیں۔ مسلمان داعی کو چاہیے کہ غیر مسلم کو اچھے اخلاق، بہترین طریقے اور دلائل کے ساتھ دعوت دینی چاہیے۔ آج کے معاشرے میں داعی کو اسلام کی ترویج واشاعت اور دعوت و تبلیغ کو پرچار کرنے کی بے حد ضرورت ہے۔

عصر حاضر میں فتح مکہ کے دعوتی کردار اور اہمیت کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس عظیم الشان فتح نے عرب کے مشرکین پر قبول اسلام کا دروازہ کھول دیا۔ اس واقعہ نے اسلام کے پھیلاؤ کی راہیں کھول دیں۔ مکہ کو فتح کرنے سے اسلام کو فروغ حاصل ہوا اور اسلام پورے جزیرہ عرب میں چھا گیا۔ اس فتح کے بعد لوگوں کی بڑی تعداد مسلمان ہو گئی۔ فتح مکہ میں اسلام کو زیادہ فروغ آپ ﷺ کا اپنے دشمن کے ساتھ اچھے اخلاق اور ان کی خیر خواہی کی وجہ سے حاصل ہوا۔ اس فتح کے بعد کوئی قوت اس قابل نہیں رہی کہ وہ تبلیغ اور اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ بن سکے۔ اس فتح کے بعد آپ ﷺ نے دین حق کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں کی طرف داعی اور مبلغین بھیجے۔ ان کی تبلیغ سے بہت سے عرب قبائل نے اسلام قبول کر لیا۔ موجودہ دور میں فتح مکہ کی دعوتی اہمیت کو اجاگر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

۳۔ فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے معاشرتی پہلو کو اجاگر کرنا

عصر حاضر میں مسلمانوں کو بہت سے معاشرتی مسائل کا سامنا ہے۔ معاشرے میں دہشت گردی عام ہے۔ آپس میں اخوت و مساوات کی کمی ہے۔ لوگوں کے درمیان حرص و طمع عام ہے۔ معاشرے میں عدل و انصاف ناپید ہے اور ظلم و زیادتی عام ہے۔ معاشرے کے افراد تعصب، بغض و عناد اور بے راہ روی کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہیں۔ معاشرے میں امن و سکون کے بجائے بدامنی اور بدحالی ہے۔ عصر حاضر میں انسان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ معاشرے میں فحاشی روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ عصر حاضر میں مال و دولت کی حرص و ہوس نے انسان کو اندھا کر دیا ہے۔ معاشرے میں لوگوں کو جان و مال کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کے درمیان بہت سی معاشرتی برائیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ معاشرے میں انسانیت کا قتل عام ہے۔ معاشرے میں انتہا پسندی رائج ہے۔ موجودہ معاشرہ طبقاتی تفریق میں مبتلا ہے۔

مسلمان ان معاشرتی مسائل کو فتح مکہ میں آپ ﷺ کے معاشرتی کردار سے حل کر سکتے ہیں۔ مکہ کو فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے مکہ کے معاشرے کی اصلاح اور لوگوں کی بھلائی کے لئے بہت سے اقدامات کئے۔ آپ ﷺ نے بلا رنگ، نسل اور مذہب کے لوگوں کو معاشرتی حقوق کی فراہمی کو یقینی بنایا۔ آپ ﷺ نے مکہ کے لوگوں کو عدل و انصاف فراہم کیا اور ظلم کا خاتمہ کیا۔ آپ ﷺ نے صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ غیر مسلم کو بھی جان و مال کا تحفظ فراہم کیا۔ آپ ﷺ نے معاشرے میں رواداری کو رائج کیا۔ آپ ﷺ نے معاشرے میں طبقاتی تفریق کو ختم کر دیا اور مساوات انسانی کا اعلان فرمایا۔ آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو آزادی فراہم کی۔ مکہ فتح کرنے کے بعد آپ ﷺ نے اپنے دشمن کے ساتھ بہت نرمی کا سلوک کیا تھا۔ عصر حاضر میں فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کے معاشرتی پہلو کو اجاگر کرنے کی اہم ضرورت ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فتح مکہ میں معاشرتی کردار مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے اور اس پر عمل کر کے وہ کامیابیاں حاصل کر سکتے ہیں۔

۴۔ فتح مکہ کے حربی کردار کا عصر حاضر کے تناظر میں مطالعہ

عصر حاضر میں کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق میں مسلمان کمزور دفاع کی وجہ سے دشمن سے مار کھا رہے ہیں۔ دور حاضر میں مسلمان حربی میدان میں بے حسی اور بے بسی کا شکار ہیں۔ مسلمان جن کو ان کے رب نے اسلحہ بنانے اور ہر وقت تیار رکھنے کا حکم دیا ہے وہ آلات حرب سے غافل ہیں اور اسے فضول کام سمجھتے ہیں۔ کفار کو کسی بھی شریعت اور آسمانی مذہب نے اسلحہ تیار کرنے کا حکم نہیں دیا لیکن اس کے باوجود وہ اسلحہ سازی میں سب سے آگے ہیں۔ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے دفاع کے لئے جنگی ساز و سامان بنانے اور تیار رکھنے میں غفلت کا مظاہرہ نہ کریں اور اس بے بسی اور بے کسی کی حالت سے باہر نکلیں۔ دشمن پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے بھرپور تیاری اور طاقت کے اسباب و وسائل کو جمع کرنا ہمیشہ بیدار قوموں کا شیوہ ہے۔ موجودہ دور میں ہر مسلم ملک کو کوشش کرنی چاہیے کہ اس کے پاس ایٹم بم،

ہائیڈروجن بم، نیپام بم، اسلحہ، بحری جہاز، آبدوزیں اور ہوائی جہاز وغیرہ جیسا سامان موجود ہونا چاہیے۔ آج کل امت سخت حالات سے گذر رہی ہے اس میں انہیں اپنی بقا کے لئے تیاری رکھنی چاہیے۔ مسلمان فوج کے درمیان نظم وضبط ہونا چاہیے۔ عصر حاضر کی ایٹمی جنگوں میں غیر اہل قتال کو بے دردی سے مار دیا جاتا ہے۔ ان کو قتل کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ رازداری کا خاص انتظام نہیں کیا جاتا۔ حرمت کا پاس نہیں رکھا جاتا۔ مسلمان فوج کو چاہیے کہ وہ نفسیاتی محاذ پر اپنے دشمن کو کمزور کر دے۔ مسلمانوں کو اپنے دشمن کی حربی چالوں سے مکمل طور پر باخبر ہونا چاہیے۔

تاریخ میں کوئی بھی فتح بغیر جنگ اور بغیر شدید خون ریزی کے حاصل نہیں ہوئی لیکن فتح مکہ ایسی فتح تھی جو بغیر کسی شدید خون ریزی کے حاصل ہوئی۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے بہترین حربی تدابیر اختیار فرمائیں جن کی وجہ سے کفار کو ہمت ہی نہیں ہوئی کہ وہ مسلمانوں سے مقابلہ کر سکیں۔ اس فتح میں آپ ﷺ نے رازداری کا خاص انتظام فرمایا۔ آپ ﷺ اپنے دشمن سے مکمل طور پر باخبر تھے۔ اس فتح میں آپ ﷺ نے اپنے دشمن کو نفسیاتی دباؤ سے کمزور کر دیا۔ آپ ﷺ نے دشمن پر غیر متوقع حملہ کیا اور پورے مکہ کا محاصرہ کر کے دشمن کے بھاگنے کے تمام راستے بند کر دیئے۔ آپ ﷺ نے اتنی عظیم الشان فتح حاصل کر لی لیکن جانی نقصان بہت ہی کم ہوا۔

فتح مکہ میں آپ ﷺ نے بہترین حربی حکمت عملی سے مکہ کو پر امن طور پر فتح کر لیا۔ آپ ﷺ نے قریش سے جنگ کے منصوبے کو مکمل طور پر مخفی رکھا۔ آپ ﷺ نے مکہ اچانک پہنچ کر انہیں گھیرے میں لے لیا۔ اس طرح قریش مکہ اپنے حلیف قبائل کو اکٹھا ہی نہیں کر سکے۔ آپ ﷺ نے اپنے دفاع کے لئے قریش مکہ کے لئے جو تین پناہ گاہیں مقرر کیں وہ مکہ کے مختلف کونوں پر تھیں۔ اس طرح دشمن منتشر ہو گیا اور ایک جگہ پر اکٹھا ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ نہ کر سکا۔

عصر حاضر میں مسلمانوں کا بنیادی فرض یہ ہے کہ فتح مکہ سے سبق حاصل کرتے ہوئے وہ اپنے دفاع کو مضبوط کریں۔ اپنی افواج کو بہترین جدید عصری اسلحہ سے لیس کریں تاکہ وہ اندرونی اور بیرونی طور پر جارحیت سے بچ سکیں۔ اگر مسلمانوں کا دفاع مضبوط ہو گا تو مسلمان مضبوط ہوں گے۔ اس طرح مسلمانوں کو عالمی سطح پر ہونے والے مظالم سے نجات ملے گی۔ عصر حاضر میں فتح مکہ کی حربی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔

۵۔ فتح مکہ میں مقتولین قریش کے اسباب قتل کا تجزیاتی مطالعہ

آپ ﷺ نے بیس رمضان المبارک آٹھ ہجری کو مکہ فتح کر لیا۔ فتح مکہ میں آپ ﷺ نے قریش مکہ کو عام معافی کا حکم دیا سوائے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے۔ آپ ﷺ نے گیارہ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کا حکم فرمایا۔ وہ لوگ جن کے قتل کا حکم دیا گیا ان میں مردوں میں سے عکرمہ بن ابی جہل ؓ، ہبار بن اسود ؓ، عبد اللہ بن سعد بن سرح ؓ، مقیس بن صبابہ اللیثی، حویرث بن نقید، عبد اللہ بن ہلال بن خطل ادرمی، وحشی بن حرب ؓ، کعب بن زہیر ؓ، حارث بن طلاطل، عبد اللہ بن زبعری ؓ، ہبیرہ بن ابی وہب مخزومی شامل تھے۔ عورتوں میں سے ہند بنت عتبہ بن ربیعہ ؓ، سارہ، فرتنا اور قریبہ شامل تھیں۔ اس دن قریش کے چند لوگ قتل ہوئے مثلاً ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور حویرث بن نقید

وغیرہ۔اس چیز کی اشد ضرورت ہے کہ جائزہ لیا جائے کہ کیا وجوہات تھیں کہ جن کی وجہ سے وہ لوگ قتل ہوئے کیونکہ تمام لوگوں کے لئے عام معافی کا اعلان تھا اور ان لوگوں کو معافی نہیں ملی۔

٦۔فتح مکہ کا عصر حاضر کے تناظر میں امن اور رواداری کے پہلو سے مطالعہ

عصر حاضر میں معاشرے میں امن اور رواداری ناپید ہے۔انسان امن وسلامتی کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔عصر حاضر میں معاشرے میں باہمی احترام،برداشت اور رواداری نہیں ہے۔معاشرے میں ناانصافی اور بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔معاشرے میں جرائم اور فسادات عام ہیں جس کی وجہ سے کمزوروں کی زندگی تنگ ہو چکی ہے۔عصر حاضر میں بھائی چارگی کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے۔عصر حاضر میں مسلمانوں امن وسکون سے زندگی نہیں گزار سکتے ہیں۔کشمیر،برما،شام اور فلسطین میں مسلمانوں پر ظلم وستم کیا جا رہا ہے۔عصر حاضر میں معاشرے میں رواداری نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔آج انتہا پسندی عروج پر ہے۔عصر حاضر میں مغرب نے اسلام کی بہت ہی بری تصویر پیش کی ہے اور ساری دنیا کو یہ باور کرایا ہے کہ اسلام اک دہشت گرد مذہب ہے اور اسلام ساری دنیا کے امن وسکون کو تباہ کر رہا ہے۔عصر حاضر میں یہ ثابت کیا جائے کہ اسلام ایک پر امن اور رواداری والا مذہب ہے اور اسلام دہشت گردی کو ختم کرتا ہے۔اسلام کا اولین مقصد انسانیت کی خدمت ہے۔دہشت گردی اور انسان کو حقیر سمجھنا انسانی تعلیمات کے منافی سر گرمیاں ہیں۔موجودہ دور میں کافروں کی ان سازشوں کو بے نقاب کرنے کی اور اسلام کے پیغام امن کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

اسلام امن اور رواداری کا مذہب ہے۔فتح مکہ امن اور رواداری کی بے نظیر مثال ہے اور فتح مکہ میں آپ ﷺ نے امن اور رواداری کا خاص خیال رکھا۔آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے بعد امن کے قیام اور نفاذ کا اعلان فرمایا۔فتح مکہ آج بھی انسان کو حقیقی امن کی ضمانت دیتی ہے۔اس لئے ضرورت ہے کہ عصر حاضر میں فتح مکہ کا امن اور رواداری کے پہلو سے مطالعہ کیا جائے۔آپ ﷺ نے مکہ کو فتح کرنے کے اپنے دشمنوں کو قتل نہیں کیا بلکہ سب لوگوں کو معاف کر دیا اور انہیں امن وسکون کی ضمانت دی۔یہ چیز مانی ہوئی ہے کہ دوسروں کو امن وسکون کی ضمانت وہی فراہم کر سکتے ہیں جن کے اندر دوسروں کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہو۔آپ ﷺ نے فتح مکہ میں انسانی رواداری کی بہترین مثال قائم فرمائی۔آپ ﷺ نے اپنے لشکر کو جو احکامات دیئے اور اپنے دشمنوں کو جس طرح معاف کیا وہ انسانی رواداری کی بہترین مثال ہے۔عصر حاضر میں فتح مکہ کا امن اور رواداری کے پہلو سے مطالعہ کیا جائے کیونکہ عصر حاضر میں معاشرے میں امن وسکون اور رواداری ہو گی تو تب ہی لوگوں کے لئے ممکن ہو گا کہ وہ اسلامی تشخص و امتیاز کو محفوظ رکھ سکیں۔عصر حاضر میں اسلام کے پیغام امن اور رواداری کو عام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

فہرست آیات قرآنی

آیات	سورۃ	آیت	صفحہ
﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ﴾	الفاتحہ	۳	۱۷۳
﴿وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ --﴾	البقرہ	۲۳	۶۴
﴿اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي --﴾	البقرہ	۳۰	۱۷۹
﴿ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾	البقرہ	۶۶	۹۰
﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ ---﴾	البقرہ	۱۲۵	۵۹
﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ ---﴾	البقرہ	۱۲۷	۳
﴿وَمَثَلُ الَّذِيْنَ ---﴾	البقرہ	۱۷۱	۶۳
﴿ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ --﴾	البقرہ	۱۹۰	۲۴۱
﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى ---﴾	البقرہ	۲۰۵	۲۶۱
﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾	البقرہ	۲۵۶	۱۰۰
﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ --﴾	آل عمران	۱۰۴	۷۰
﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ ---﴾	آل عمران	۱۱۰	۶۹
﴿وَشَاوِرْهم فِي ---﴾	آل عمران	۱۵۹	۱۸۱
﴿يٰاَيُّهاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا---- ﴾	آل عمران	۲۰۰	۳۲۶
﴿ وَاِذَا حَكَمْتُمْ ----﴾	النساء	۵۸	۱۷۶
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا --﴾	النساء	۵۹	۱۷۷
﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ ----﴾	النساء	۶۴	۱۷۶
﴿وَمَا لَكُمْ لَا --﴾	النساء	۷۵	۲۱۹
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا --﴾	النساء	۹۴	۲۷۴
﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ----﴾	المائدہ	۳۳	۲۵۰
﴿وَاِنْ حَكَمْتَ --﴾	المائدہ	۴۲	۳۵۲
﴿اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ----﴾	المائدہ	۵۰	۱۷۲
﴿يٰاَيُّهَاالرَّسُوْلُ بَلِّغْ --﴾	المائدہ	۶۷	۱۲۷

﴿ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ---﴾	الانعام	۶۲	۱۷۱
﴿وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ ---﴾	ا لانعام	۶۸	۸۲
﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ ---﴾	الانعام	۱۰۸	۸۷
﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ ---﴾	الانعام	۱۶۲	۱۰۹
﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَ--﴾	الاعراف	۱۵۷	۹۶
﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا----﴾	الانفال	۳۶	۲۴۴
﴿اِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ ---- ﴾	الانفال	۵۵_۵۶	۲۴۷
﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا-----﴾	الانفال	۶۰	۲۹۷
﴿اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ---﴾	التوبہ	۹	۲۴۵
﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا ---﴾	التوبہ	۱۲	۲۴۶
﴿اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ﴾	التوبہ	۵۹	۶۴
﴿يٰاَيُّهَاالنَّبِيُّ جَاهِدِ ---﴾	التوبہ	۷۳	۲۴۹
﴿كُوْنُوْا مَعَ ---﴾	التوبہ	۱۱۹	۱۱۲
﴿لَقَدْ جَاۗءَكُمْ ---﴾	التوبہ	۱۲۸	۲۸۹
﴿وَاٰخِرُ دَعْوٰهم اَنِ ---﴾	یونس	۱۰	۶۴
﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى ---﴾	یونس	۲۵	۶۴
﴿يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ--﴾	یوسف	۳۹	۸۳
﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾	یوسف	۶۷	۱۷۰
﴿ قَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ -- ﴾	یوسف	۹۱	۲۷
﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ -- ﴾	یوسف	۹۲	۲۷
﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ -- ﴾	یوسف	۱۰۸	۱۰۹
﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ﴾	الحجر	۹۴	۱۲۶
﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ --﴾	النحل	۹۰	۱۸۳
﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ ر---﴾	النحل	۱۲۵	۷۱
﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي ---﴾	الاسراء	۷۰	۱۸۵
﴿جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ----﴾	الاسراء	۸۱	۴۰

﴿قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ --﴾	الاسراء	۱۰۶	۸۸
﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّه شَرِيْكٌ --﴾	الاسراء	۱۱۱	۱۷۲
﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ --﴾	الکهف	۲۹	۱۰۰
﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ --﴾	طٰہ	۴۳_۴۴	۹۳
﴿اُذِنَ لِلَّذِيْنَ ---﴾	الحج	۳۹_۴۰	۲۴۰
﴿اَلَّذِينَ إِنْ ---﴾	الحج	۴۱	۱۶۶
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ ---﴾	النور	۲۷	۱۹۰
﴿وَعَدَ اللّٰهُ --﴾	النور	۵۵	۱۶۶
﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ --- ﴾	الشعراء	۱۴۵	۳۳۷
﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ--- ﴾	الشعراء	۲۱۴	۱۲۵
﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ ---- ﴾	الاحزاب	۲۱	۳۸۰
﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ --﴾	الاحزاب	۴۰	۱۷۴
﴿وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِه﴾	الاحزاب	۴۶	۷۱
﴿فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ ---﴾	یٰس	۸۳	۱۷۳
﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا----﴾	الزمر	۹	۹۱
﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا --﴾	فصلت	۳۳	۷۳
﴿وَلَا تَسْتَوِيْ ---﴾	فصلت	۳۴	۹۲
﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ --﴾	شوریٰ	۱۵	۱۸۳
﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى --﴾	شوریٰ	۳۸	۱۸۱
﴿اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا --﴾	محمد	۱	۲۴۵
﴿ وَّلَا تَجَسَّسُوْا ﴾	الحجرات	۱۲	۱۹۰
﴿يَا أَيّهَا النّاسُ إنّا---﴾	الحجرات	۱۳	۴۲
﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ---- ﴾	الحدید	۲۵	۲۹۷
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ --﴾	الممتحنہ	۱	۲۳
﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ --﴾	الصف	۲	۹۸
﴿اِذَا جَآءَكَ --﴾	المنافقون	۱_۲	۲۵۰

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ---﴾	نوح	۵	۷۲
﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ---﴾	الدہر	۸۔۹	۲۷۰

فہرست احادیث مبارکہ

نمبر شمار	متن	مصدر	صفحہ نمبر
۱	((آمَنْتُ بِاللَّهِ فَاسْتَقِمْ))	مسلم	۳۳۵
۲	((أَتَرَوْنَ هَذِهِ هَانَتْ عَلَى أَهْلِهَا ---))	ترمذی	۸۶
۳	((اتَّقِ اللهِ حَيْثُمَا كُنْتَ---))	ترمذی	۳۲۴
۴	((اذْهَبْ بِهِ إِلَى رَحْلِك ---))	احمد بن محمد بن سلامہ	۳۰
۵	((أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا ---))	مسلم	۲۶۶
۶	((أَعَفُّ النَّاسِ قِتْلَةً أَهْلُ الْإِيمَانِ))	ابوداؤد	۲۶۵
۷	((أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ))	بخاری	۹۹
۸	((أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ أَلَا ---))	مسلم	۳۶۷
۹	((أَلَا إِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ دِمَاءَكُمْ---))	بخاری	۱۸۷
۱۰	((أَلَا لِيُبَلِّغْ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ))	بخاری	۷۷
۱۱	((الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ--))	ترمذی	۸۱
۱۲	((اللَّهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ --))	مسلم	۱۱۱
۱۳	((اليَوْمَ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ --))	بخاری	۳۴
۱۴	((أُمِرْنا أن نُكلِّمَ الناسَ--))	شیرویہ	۸۶
۱۵	((أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِقْصَارِ--))	ابوداؤد	۹۸
۱۶	((أَمَرَنِي رَسُولُ اللهِ ﷺ فَتَعَلَّمْتُ--))	ابوداؤد	۱۰۳
۱۷	((أَنْتَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى ---))	مسلم	۱۷۵
۱۸	((إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ ---))	مسلم	۱۱۲
۱۹	((إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ---))	ابوداؤد	۹۴
۲۰	((إِنَّ الْمُقْسِطِينَ عِنْدَ اللهِ عَلَى مَنَابِرَ ---))	مسلم	۱۸۴
۲۱	((إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَغَارَ ---))	بخاری	۲۵۵
۲۲	((إِنَّ تَفَرُّقَكُمْ فِي الشِّعَابِ وَالأَوْدِيَةِ ---))	احمد بن حنبل	۲۶۹
۲۳	((أَنَّ غُلَامًا لِيَهُودَ كَانَ يَخْدُمُ النَّبِيَّ -----))	بخاری	۱۰۵

۲۴	((إِنْ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللَّهُ، وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ-----))	بخاری	۴۷
۲۵	((إنّ هَذِهِ السّحَابَةَ لَتَسْتَهِلّ -----))	بیہقی	۱۰
۲۶	((إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ -----))	بخاری	۹۰
۲۷	((إِنَّمَا نَزَلَ أَوَّلَ مَا نَزَلَ مِنْهُ سُورَةٌ -----))	بخاری	۲۳۳
۲۸	((إِنِّي أَمَرْتُكُمْ أَنْ تُحْرِقُوا فُلاَنًا وَفُلاَنًا----))	بخاری	۲۵۶
۲۹	((اؤمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ، وَانْهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ----))	ابن ماجہ	۷۶
۳۰	((أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلَى أَرِيكَتِهِ ----))	ابوداؤد	۲۶۰
۳۱	((بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي فَمَا أَحْلَمَكَ ----))	احمد بن محمد بن سلامہ	۳۱
۳۲	((بَعَثَ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَلَى الْيَمَنِ ----))	بخاری	۸۹
۳۳	((بل أرجو أن يخرج الله ----))	بخاری	۱۱۷
۳۴	((بن أخ وابن عم رحيم كريم))	نسائی	۴۳
۳۵	((حَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ ---))	بخاری	۲۶۱
۳۶	((خياركم في الجاهلية خياركم---))	علاؤالدین فوری	۲۰۲
۳۷	((دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ --))	بخاری	۲۲۸
۳۸	((رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ --))	بخاری	۲۸۸
۳۹	((صَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى --))	بخاری	۲۵
۴۰	((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى --))	ابن ماجہ	۱۱۰
۴۲	((قَالَ حَدِّثْ النَّاسَ كُلَّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ أَبَيْتَ---))	بخاری	۸۴
۴۳	((قَامَ أَعْرَابِيٌّ فَبَالَ فِي الْمَسْجِدِ فَتَنَاوَلَهُ ---))	بخاری	۹۷
۴۴	((قَاتَلَهُمُ اللَّهُ، لَقَدْ عَلِمُوا---))	بخاری	۴۱
۴۵	((قَدْ أَجَرْنَا مَنْ أَجَرْتِ---))	مسلم	۴۶
۴۶	((قُلْتُمْ أَمَّا الرَّجُلُ ---))	مسلم	۲۳۲
۴۷	((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحْسَنَ --))	بخاری	۲۸۱
۴۸	((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا غَزَا قَوْمًا--))	بخاری	۲۵۴
۴۹	((كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ))	نسائی	۳۵۸
۵۰	((كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكُنَّا--))	بخاری	۲۶۱

۵۱	((لَا إِلَهَ لَهُ الْيَوْمَ ----))	احمد بن محمد بن سلامہ	۷
۵۲	((لَا تَتَمَنَّوْا لِقَاءَ الْعَدُوِّ وَسَلُوا اللَّهَ الْعَافِيَةَ ----))	بخاری	۲۷۳
۵۳	((لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ))	نسائی	۴۳
۵۴	((لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا ----))	ابوداؤد	۲۵۶
۵۵	((لَا نَصَرَنِيَ اللَّهُ إِنْ لَمْ أَنْصُرْ ----))	احمد بن علی المثنی	۹
۵۶	((لَا وَاللَّهِ مَا وَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ----))	بخاری	۲۸۰
۵۷	((لَقَدْ أَصْبَحَ مُلْكُ ابْنِ أَخِيكَ----))	طبرانی	۳۳
۵۸	((لَقَدْ كَانَ مَنْ قَبْلَكُمْ لَيُمْشَطُ ----))	بخاری	۲۷۸
۵۹	((لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ ----))	ابوداؤد	۲۵۲
۶۰	((مَا أَنْتُمَا بِأَقْوَى عَلَى الْمَشْيِ مِنِّي ----))	احمد بن حنبل	۲۸۸
۶۱	((مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ مَشُورَةً----))	ترمذی	۱۸۲
۶۲	((مَا كَانَتْ هَذِهِ تُقَاتِلُ فِيمَنْ يُقَاتِلُ ----))	ابوداؤد	۲۷۲
۶۳	((مَا لِأَحَدٍ بِهَؤُلَاءِ قِبَلٌ ----))	طبرانی	۳۳
۶۴	((مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُونُ فِي قَوْمٍ يُعْمَلُ ----))	ابوداؤد	۷۴
۶۵	((مَا هَذَا وَقَدْ نَهَيْتُ عَنِ الْقِتَالِ))	بیہقی	۳۹
۶۶	((مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ----))	مسلم	۳۲
۶۷	((مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ ----))	مسلم	۷۵
۶۸	((مَنْ ضَيَّقَ مَنْزِلًا أَوْ قَطَعَ طَرِيقًا فَلَا ----))	ابوداؤد	۲۶۸
۶۹	((مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ كُنْهِهِ حَرَّمَ ----))	ابوداؤد	۲۶۶
۷۰	((مَنْ يَأْخُذُ هَذَا السَّيْفَ بِحَقِّهِ؟))	نیسابوری	۲۸۵
۷۱	((مَنْ يُحْرَمْ الرِّفْقَ يُحْرَمْ الْخَيْرَ كُلَّهُ))	ابوداؤد	۹۴
۷۲	((نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ النُّهْبَى وَالْمُثْلَةِ))	بخاری	۲۶۴
۷۳	((وَأَنَّ عِيسَى عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ ---))	بخاری	۲۰۷
۷۴	((وَكَانَتْ الْعَرَبُ تَلَوَّمُ بِإِسْلَامِهِمْ))	بخاری	۵۲
۷۵	((وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تُمَثِّلُوا))	ترمذی	۲۶۵
۷۶	((وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا ----))	ابوداؤد	۲۷۲

۷۶	((وَلَكِنَّهَا النُّبُوَّةُ))	طبرانی	۳۳
۷۷	((وَاللَّهِ إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللَّهِ ----))	ترمذی	۴۹
۷۸	((وَاللهِ لَئِنْ ظَفِرَ بِك لَيَضْرِبَنّ ----))	احمد بن محمد بن سلامہ	۲۹
۷۹	((وَاللهِ مَا أَدْرِي))	طبرانی	۱۷
۸۰	((وَاللَّهِ مَا يُخْزِيكَ اللَّهُ أَبَدًا ----))	بخاری	۲۸۷
۸۱	((وَلَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُرِيدُ ----))	بخاری	۲۹۳
۸۲	((وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللَّهَ اطَّلَعَ ----))	بخاری	۲۳
۸۳	((وَيْحَك أَسْلِمْ وَاشْهَدْ أَنْ لَا إِلَهَ----))	طبرانی	۳۱
۸۴	((وَيْلَكُمْ لَا تَغُرَّنَّكُمْ هَذِهِ مِنْ أَنْفُسِكُمْ----))	احمد بن محمد بن سلامہ	۳۶
۸۵	((هَذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللَّهُ فِيهِ الكَعْبَةَ----))	بخاری	۳۵
۸۶	((هُمْ عَلَى طَمَعٍ أَنْ ----))	بخاری	۵
۸۷	((يَا أَبَا سُفْيَانَ أَلَمْ يَأْنِ لَك ----))	طبرانی	۳۰
۸۸	((يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ----))	ترمذی	۵۶
۸۹	((يَا رَسُولَ اللهِ، لاَ تَعْجَلْ عَلَيَّ ----))	بخاری	۲۲
۹۰	((يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا كَانَ عَلَى ظَهْرِ ----))	بخاری	۳۳۴
۹۱	((يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ ما تقولون))	نسائی	۴۳
۹۲	((يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا))	مسلم	۹۶
۹۳	((يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))	مسلم	۱۱۱
۹۴	((يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَكَ ----))	بخاری	۷۶

فہرست اعلام

نمبر شمار	اعلام	صفحہ نمبر
۱.	آمدی	۱۷۱
۲.	ابرہہ	۵۱
۳.	ابن ابی حاتم	۷۰
۴.	ابن ابی شیبہ	۱۴۶
۵.	ابن بطال	۲۷۴
۶.	ابن تیمیہ	۱۸۹
۷.	ابن جوزی	۱۲۶
۸.	ابن حجر عسقلانی	۹
۹.	ابن سعد	۸
۱۰.	ابن سیدہ	۶۴
۱۱.	ابن شریح	۳۱۱
۱۲.	ابن عطیہ	۱۸۲
۱۳.	ابن قدامہ	۲۵۷
۱۴.	ابن قتیبہ	۲۰۴
۱۵.	ابن قیم	۲۴
۱۶.	ابن کثیر	۲۸
۱۷.	ابن کلبی	۳۲۸
۱۸.	ابن مسعودؓ	۲۴۹
۱۹.	ابن منذر	۹۲
۲۰.	ابن منظور	۱۶۲
۲۱.	ابن منیر	۲۵۷
۲۲.	ابن ہشام	۲۵
۲۳.	ابو اسیدؓ	۳۰۷

۲۴.	ابوالبقاء	۱۶۷
۲۵.	ابوامامہ اسعد بن زرارہ ؓ	۲۰۷
۲۶.	ابوامیہ بن المغیرہ	۲۰۵
۲۷.	ابوایوب ؓ	۲۵۸
۲۸.	ابوبردہ ؓ	۳۰۹
۲۹.	ابوبرزہ اسلمی ؓ	۴۴
۳۰.	ابوبرکات النسفی	۲۳
۳۱.	ابوبصیر ؓ	۲۱۸
۳۲.	ابوثعلبہ خشنی ؓ	۲۶۹
۳۳.	ابوجندل ؓ	۲۱۸
۳۴.	ابوحسن علی ندوی	۳۴۵
۳۵.	ابوحیان الاندلسی	۸۰
۳۶.	ابودجانہ ؓ	۲۸۵
۳۷.	ابوذر غفاری ؓ	۱۲۴
۳۸.	ابورہم کلثوم حصین بن عتبہ ؓ	۱۹
۳۹.	ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد ؓ	۱۲۴
۴۰.	ابوعبید	۱۳
۴۱.	ابوعبیدہ ؓ	۳۷
۴۲.	ابوعمار عمر فاروق	۱۰۳
۴۳.	ابوقتادہ ربعی ؓ	۲۰
۴۴.	ابونائلہ ؓ	۳۰۹
۴۵.	ابووفا ابن عقیل بغدادی	۱۶۷
۴۶.	ابویعلی	۲۶۵
۴۷.	احمد بن حنبل	۲۶۳
۴۸.	اخفش	۱۹۰
۴۹.	ارقم ؓ	۱۲۱

۵۰.	اسماء بن حارثہؓ	۱۸
۵۱.	ام ہانیؓ	۴۵
۵۲.	امین احسن اصلاحی	۸۲
۵۳.	ایماء بن رخصہؓ	۱۹
۵۴.	بجیرمی	۱۶۴
۵۵.	بدیل بن ورقاءؓ	۸
۵۶.	براء بن عازبؓ	۲۷۹
۵۷.	بریدہ بن حصیبؓ	۳۰۸
۵۸.	بغوی	۲۴۰
۵۹.	بلال بن حارثؓ	۱۹
۶۰.	بیہقی	۹۲
۶۱.	تقی عثمانی	۱۷۱
۶۲.	ثمامہ بن اثال	۱۹۸
۶۳.	جابرؓ	۲۱۳
۶۴.	جابر بن عبداللہؓ	۲۰۶
۶۵.	جندب بن مکیث الجہینیؓ	۱۹
۶۶.	جنید بغدادی	۳۲۶
۶۷.	جوہری	۲۳۸
۶۸.	حاطب بن ابی بلتعہؓ	۲۰
۶۹.	حارث بن عمروؓ	۲۵۲
۷۰.	حجاج بن علاطؓ	۱۹
۷۱.	حسان بن ثابتؓ	۱۹۹
۷۲.	حسنؓ	۱۸۲
۷۳.	حکیم بن حزامؓ	۲۹
۷۴.	حمید اللہ	۱۱۹
۷۵.	خالد بن سعیدؓ	۱۵۶

۷۶.	خباب بن ارتؓ	۱۲۴
۷۷.	خطابی	۲۶۷
۷۸.	خفاف بن ندبہ	۳۱۰
۷۹.	دحیہ کلبیؓ	۱۳۷
۸۰.	راغب اصفہانی	۶۳
۸۱.	رافع بن مالکؓ	۲۰۸
۸۲.	رافع بن مکیثؓ	۱۹
۸۳.	رملہ بنت حارثؓ	۱۵۶
۸۴.	زبیرؓ	۲۱
۸۵.	زجاج	۹۱
۸۶.	زمخشری	۶۵
۸۷.	سارہ	۲۰
۸۸.	سعد بن زیدؓ	۵۴
۸۹.	سعد بن معاذؓ	۱۳۴
۹۰.	سعد بن ناصر	۳۲۷
۹۱.	سعید احمد	۲۶۵
۹۲.	سعید بن حریث مخزومیؓ	۴۴
۹۳.	سعید بن زید بن عمرو بن نفیلؓ	۱۲۴
۹۴.	سکندر اعظم	۲۶۳
۹۵.	سلمان فارسیؓ	۱۹۶
۹۶.	سلیط بن عمروؓ	۱۳۸
۹۷.	سلیمان ندوی	۷۹
۹۸.	سوید بن صامتؓ	۱۳۳
۹۹.	سوید بن صخرؓ	۳۱۰
۱۰۰.	سہیلیؒ	۱۴
۱۰۱.	سید قطب شہید	۱۱۴

۱۰۲.	شاہ ولی اللہ	۱۶۸
۱۰۳.	شبلی نعمانی	۴
۱۰۴.	شبیر احمد عثمانی	۳۲۳
۱۰۵.	شجاع بن وہبؓ	۱۳۸
۱۰۶.	شرحبیل بن عمرو	۲۵۲
۱۰۷.	شعبی	۲۱۴
۱۰۸.	شوقی ابو خلیل	۲۲۲
۱۰۹.	صہیب رومی	۱۲۴
۱۱۰.	طبری	۲۵
۱۱۱.	طفیل بن عمروؓ	۹۵
۱۱۲.	ضحاک	۱۸۵
۱۱۳.	ظفر احمد عثمانی	۳۶۷
۱۱۴.	عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز	۱۲۲
۱۱۵.	عبد الرحمن الرحمانی	۲۵۴
۱۱۶.	عبد الرحمن بن خالدؓ	۲۵۸
۱۱۷.	عبد الرحمن بن عوفؓ	۳۴
۱۱۸.	عبد الرحمن کیلانی	۹۸
۱۱۹.	عبد الکریم زیدان	۱۱۶
۱۲۰.	عبد اللہ بن بدر	۳۱۰
۱۲۱.	عبد اللہ بن جدعان	۲۰۱
۱۲۲.	عبد اللہ بن حذافہؓ	۱۳۷
۱۲۳.	عبد اللہ بن زبعریؓ	۴۴
۱۲۴.	عبد اللہ بن سعد بن ابی سرحؓ	۴۴
۱۲۵.	عبد اللہ بن یزید انصاریؓ	۲۶۴
۱۲۶.	عبید اللہ بن الحارثؓ	۱۲۴
۱۲۷.	عتاب بن اسیدؓ	۴۷

۱۲۸۔	عثمان بن طلحہؓ	۴۱
۱۲۹۔	عثمان بن مظعونؓ	۱۲۴
۱۳۰۔	عطا	۱۸۵
۱۳۱۔	عکرمہ بن ابی جہلؓ	۴۴
۱۳۲۔	عقبہ بن عامر بن نابیؓ	۲۰۷
۱۳۳۔	علاؤ بن الحضرمی	۱۳۸
۱۳۴۔	علی مقریزی	۱۳۰
۱۳۵۔	عمار بن یاسرؓ	۹۲
۱۳۶۔	عمرو بن امیہ	۱۳۷
۱۳۷۔	عمرو بن حزم	۱۰۱
۱۳۸۔	عمرو بن سالم خزاعی	۸
۱۳۹۔	عمرو بن سلمہؓ	۵۱
۱۴۰۔	عمرو بن العاصؓ	۵۰
۱۴۱۔	عمرو بن لحی	۵۲
۱۴۲۔	عمرو بن مرہ جہنیؓ	۹۵
۱۴۳۔	عوف بن حارثؓ	۲۰۷
۱۴۴۔	عیاض	۱۸۴
۱۴۵۔	غزالی	۱۸
۱۴۶۔	غلام جیلانی برق	۳۲۹
۱۴۷۔	غلام غوث	۳۷۰
۱۴۸۔	فراء	۲۱۴
۱۴۹۔	فرتنا	۴۴
۱۵۰۔	قاسمی	۱۷۵
۱۵۱۔	قتادہ	۲۴۹
۱۵۲۔	قدامہؓ	۱۲۴
۱۵۳۔	قرظہ بن عبد	۱۱

۱۵۴.	قریبہ	۴۴
۱۵۵.	قطبہ بن عامر بن حدیدہؓ	۲۰۸
۱۵۶.	قیس بن سعدؓ	۳۵
۱۵۷.	کرز بن جابرؓ	۳۹
۱۵۸.	کرم شاہ	۷۱
۱۵۹.	کعب بن زہیرؓ	۴۴
۱۶۰.	کعب بن مالکؓ	۲۹۳
۱۶۱.	مالک بن عبادؓ	۶
۱۶۲.	ماوردی	۹۰
۱۶۳.	مجاہد	۲۶۱
۱۶۴.	محمد بن کعب	۱۸۵
۱۶۵.	محمد ثناء اللہ	۲۷
۱۶۶.	محمد زاہد اقبال	۵۱
۱۶۷.	محمد سرور	۹۴
۱۶۸.	محمد سلیمان منصور پوری	۵۰
۱۶۹.	محمد شفیع	۷۲
۱۷۰.	محمد شمس الحق	۲۵۸
۱۷۱.	محمد عاقل	۷۴
۱۷۲.	محمد عبداللہ	۳۴۷
۱۷۳.	محمد علاء الدین	۲۶۵
۱۷۴.	محمد طاہر القادری	۲۴۳
۱۷۵.	محمد متولی الشعراوی	۴
۱۷۶.	محمود خطاب شیت	۲۳۹
۱۷۷.	مرثد بن ابی مرثد غنویؓ	۲۸۸
۱۷۸.	مخرمہ بن نوفلؓ	۱۲۱
۱۷۹.	مسعودی	۱۴۵

۱۸۰.	معقل بن سنانؓ	۱۹
۱۸۱.	مغیرہ بن شعبہ	۱۵۶
۱۸۲.	مقدادؓ	۲۱
۱۸۳.	منذر بن امراؤالقیس	۲۶۹
۱۸۴.	مہلب	۲۵۶
۱۸۵.	ناجیہ بن اعجم	۳۱۰
۱۸۶.	نپولین بوناپارٹ	۲۶۳
۱۸۷.	نعیم بن مسعودؓ	۱۹
۱۸۸.	نعیم صدیقی	۱۴۳
۱۸۹.	نمیلہ بن عبداللہ	۴۵
۱۹۰.	نوفل بن معاویہ	۶
۱۹۱.	نووی	۷۵
۱۹۲.	ہبار بن اسود	۴۴
۱۹۳.	ہند بن حارثہ ؓ	۱۸
۱۹۴.	ہند بنت عتبہؓ	۳۶
۱۹۵.	واقدی	۸
۱۹۶.	وحشی بن حربؓ	۴۴
۱۹۷.	یوسف بنوری	۳۶۸

فہرست اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
۱.	ابواء	۱۱
۲.	ابو قبیس	۲۰۰
۳.	اذاخر	۳۷
۴.	بطن اضم	۲۰
۵.	بویرہ	۲۶۲
۶.	جحفہ	۲۶
۷.	حجون	۳۷
۸.	حدیبیہ	۵
۹.	خندمہ	۳۸
۱۰.	ذی طوی	۳۶
۱۱.	ذی مجاز	۱۲۸
۱۲.	رجیع	۲۹۳
۱۳.	روضہ خاخ	۲۱
۱۴.	عقبہ	۱۳۳
۱۵.	قدید	۲۸
۱۶.	کدا	۳۷
۱۷.	کدی	۳۶
۱۸.	کدید	۲۵
۱۹.	مرالظہران	۲۸
۲۰.	مشلل	۵۳
۲۱.	منی	۱۳۳
۲۲.	نخلہ	۵۳
۲۳.	وتیر	۷
۲۴.	یثرب	۱۱۸

فہرست مصادر و مراجع

القرآن الکریم

آبادی، محمد شمس الحق العظیم، عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۸۸ھ

آمدی، ابو الحسن علی بن محمد الآمدی، الاحکام فی اصول الاحکام، (محقق: سید الجمیلی)، دار الکتاب العربی، بیروت ۔ لبنان ، ۱۴۰۴ھ

ابراہیم، المعجم الوسیط، المکتبۃ العلمیہ، تہران ۔ سن طباعت (ندارد)

ابن ابی شیبہ، ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابراہیم العبسی، المصنف لابن ابی شیبہ، (محقق: اسامہ بن ابراہیم بن محمد)، قاہرہ ، طبع اول، قاہرہ، ۱۴۲۹ھ / ۲۰۰۸ء

ابن ابی یعلی، ابو الحسین محمد بن محمد، الاحکام السلطانیۃ للفراء، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰ء

ابن اسحاق، محمد بن یسار، سیرۃ ابن اسحاق (المبتدا والمبعث والمغازی)، (محقق: محمد حمید اللہ) معہد الدراسات والابحاث للتعریف، فاس (مغرب) ۱۹۷۶ء

ابن الاثیر، عزالدین، اسد الغابۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۵ھ

ابن الاثیر، مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد، النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، دار الکتب العلمیہ بیروت ۔ لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۸ھ - ۱۹۹۷ء

ابن جوزی، عبد الرحمن، الوفا باحوال المصطفی، دار الکتب الحدیثۃ، مصر، ۱۴۰۲ھ

ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، (محقق: علی محمد البجاوی)، دار الجیل، بیروت، لبنان، ۱۴۱۲ھ - ۱۹۹۲ء

ابن حجر عسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی، تہذیب التہذیب، دار الفکر، بیروت، طبع اول، ۱۹۸۴ء

ابن حجر العسقلانی، ابو الفضل احمد بن علی، فتح الباری، (محقق: عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز)، دار الفکر ۔ سن طباعت (ندارد)

ابن حنبل، ابو عبد اللہ احمد بن محمد، مسند احمد بن حنبل، (محقق: سید ابو المعاطی النوری)، عالم الکتب، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۹ھ - ۱۹۹۸ء

ابن خلدون، ابو زید عبد الرحمن بن محمد، مقدمہ ابن خلدون، منشورات، بیروت، ۱۸۳۰ء

ابن خلکان، ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان، (محقق: احسان عباس)، دار صادر، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۹۰۰ء

ابن سعد، محمد، الطبقات الکبری، دار صادر، بیروت، ۱۹۶۸ء

ابن سلامہ، ابو جعفر احمد بن محمد، شرح معانی الآثار، عالم الکتب، مصر، طبع اول، ۱۹۹۴ء
ابن سید الناس، محمد بن عبد اللہ بن یحیٰ (۶۷۱ھ۔۷۳۴ء)، عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، مؤسسۃ عز الدین للطباعۃ والنشر، بیروت ۱۴۰۶ء۔ ۱۹۸۶ء
ابن سیدہ، علی بن اسماعیل، المحکم والمحیط الآعظم فی اللغۃ، مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۸ء
ابن فارس، ابوالحسین احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، (محقق: عبد السلام محمد ہارون) دار الفکر، ۱۹۷۹ء
ابن قیم، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر، الطرق الحکمیہ فی السیاستہ الشریعہ، مصر، ۱۹۶۱ء
ابن قیم، شمس الدین محمد بن ابی بکر، زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء
ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، البدایۃ والنہایۃ، (محقق: علی شیری) داراحیاء التراث العربی، طبع اول، ۱۴۰۸ھ۔ ۱۹۸۸ء
ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر (۷۰۱ھ۔۷۷۴ھ)، السیرۃ النبویہ، (محقق: مصطفی عبد الواحد) دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت، ۱۹۷۱ء
ابن کثیر، ابو الفداء اسماعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، (محقق: سامی بن محمد سلامہ) دار طیبہ للنشر والتوزیع، الطبعہ الثانیہ، ۱۹۹۹ء
ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی، سنن ابن ماجہ، (محقق: شعیب الارنووط، عادل مرشد، محمد کامل قرہ بللی، عبد اللطیف حرز اللہ) دار الرسالہ العلمیہ، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)
ابن مثنی، احمد بن علی، مسند ابی یعلی، (محقق: حسین سلیم اسد)، دار المامون للتراث، دمشق، طبع اول، ۱۴۰۴ھ۔ ۱۹۸۴ء
ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، دار صادر، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۶ء
ابن ہشام، ابی محمد عبد الملک، سیرۃ النبی ﷺ، دار الصحابہ للتراث طنطا، مصر، طبع اول، ۱۴۱۶ھ۔ ۱۹۹۵ء
ابو البرکات النسفی، عبد اللہ بن احمد بن محمود، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، (محقق: مروان محمد الشعار) دار النفائس، بیروت، ۲۰۰۵ء
ابو البقاء، ایوب بن موسی الحسینی الکفوی، کلیات ابو البقاء، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت، لبنان، الطبعہ الثانیہ، ۱۹۹۸ء
ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد، (مترجم: ابو عمار عمر فاروق سعیدی)، (محقق: ابو طاہر زبیر علی زئی)، دار السلام، لاہور، ۱۴۲۷ھ
ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابو داؤد، (محقق: شعیب الارنووط ومحمد کامل قرہ بللی)، دار الرسالۃ العالمیۃ، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)

ابی حیان، محمد بن یوسف، تفسیر البحر المحیط، (محقق: شیخ عادل احمد عبد الموجود، شیخ علی محمد معوض)، دار الکتب العلمیہ، لبنان / بیروت، ۲۰۰۱ء

احمد، ڈاکٹر نثار، دعوت نبوی اور مخالفت قریش، (ترتیب و تدوین: سید عزیز الرحمن)، ادارہ نقش تحریر، کراچی، مئی ۲۰۱۳ء

احمد، رشید، مسلمانوں کے سیاسی افکار، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۰ء

احمد، سعید، تحفۃ القاری شرح صحیح بخاری، زمزم پبلشرز، کراچی، اگست ۲۰۱۱ء

احمد، محبوب، انعام المعبود لطالبات سنن ابی داؤد، مکتبہ العلم، لاہور، ۱۴۲۷ھ

احمد، نثار، عہد نبوی میں ریاست کا نشوو ارتقاء، اُردو بازار، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)

ارسلان، علامہ شکیب، اسباب زوال امت، (مترجم: ڈاکٹر احسان بک سامی)، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

ارشد، اختر علی، امت مسلمہ کے فکری مسائل اور ان کا حل، جامعہ تعلیمات اسلامیہ، فیصل آباد۔ سن طباعت (ندارد)

ازرقی، محمد بن عبد اللہ بن احمد، اخبار مکہ وما جاء فیہا من الآثار، (محقق: علی عمر) مکتبۃ الثقافۃ الدینیۃ، طبعہ الاولی۔ سن طباعت (ندارد)

ازہری، ابو منصور محمد بن احمد، تہذیب اللغۃ، الدار المصریۃ للتالیف وترجمۃ، مصر، ۱۹۶۴ء

اصلاحی، امین احسن، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، نومبر ۲۰۰۹ء

اصلاحی، امین احسن، دعوت دین اور اس کا طریقہ کار، فاران پبلیکیشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء

اقبال، محمد زاہد، عصر حاضر میں غلبہ دین کا نبوی طریقہ کار، ادارہ نشریات محمود حسن، لاہور، مئی ۲۰۰۸ء

الاتاشی، ڈاکٹر جمال، مدخل الی علم السیاسۃ، طبع دمشق۔ سن طباعت (ندارد)

الالوری، آدم عبد اللہ، تاریخ الدعوۃ الاسلامیۃ، قاہرہ۔ سن طباعت (ندارد)

البیانونی، محمد ابو الفتح، المدخل الی علم الدعوۃ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۱ء

الرحمانی، مفتی عبد الرحمن، الجہاد الاسلامی، دار الاندلس۔ سن طباعت (ندارد)

الزماں، وحید، صحیح مسلم مع مختصر شرح نووی، (تخریج: شیخ احمد زہوۃ۔ شیخ احمد عنایۃ)، الکتاب انٹرنیشنل، دہلی، اکتوبر ۲۰۱۰ء

القادری، محمد طاہر، اسلام میں محبت اور عدم تشدد، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، جون ۲۰۱۵ء

المظہری، محمد ثناء اللہ العثمانی المظہری، التفسیر المظہری، (محقق: غلام نبی تونسی) مکتبہ رشدیہ، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۲۰۰۴ء

الوسی، محمود ابو الفضل، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)

انصاری، خواجہ محمد لطیف، اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ، اسلام پورا، لاہور، ۱۹۶۰ء

باشمیل، محمد احمد، اسلام کے فیصلہ کن معرکے فتح مکہ، (مترجم: اختر پوری) نفیس اکیڈمی، کراچی، دسمبر ۱۹۸۴ء

بجیرمی، سلیمان بن محمد بن عمر، التجرید لنفع العبید حاشیہ البجیرمی، المکتبۃ الاسلامیہ، ترکی۔ سن طباعت (ندارد)

بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، (محقق: محمد زہیر بن ناصر الناصر)، دار طوق النجاۃ، طبع اول، ۱۴۲۲ھ

برق، غلام جیلانی، یورپ پر اسلام کے احسان، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)

برہان فوری، علاء الدین علی بن حسام الدین المتقی الہندی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، (محقق: بکری حیانی، صفوۃ السقا) موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۸۱ء

بغدادی، محمد بن حبیب، المحبر، دار الاوقاف، بیروت، ۲۰۱۰ء

بکری، ابو عبید، معجم ما استعجم، ادارۃ الثقفۃ من جامعۃ الدول العربیۃ، قسطنطینیہ، ۱۹۴۹ء

بلاذری، احمد بن یحییٰ بن جابر، فتوح البلدان، لجنۃ بیان العربی، قاہرہ، ۱۹۰۱ء

بوطی، محمد سعید رمضان، فقہ السیرۃ النبویۃ مع موجز لتاریخ الخلافۃ الراشدۃ، دار الفکر، دمشق، طبعہ الخامسۃ والعشرون، ۱۴۲۶ء

بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، السنن الکبری وفی ذیلہ الجوہر النقی، (محقق: علاء الدین علی بن عثمان الماردینی)، مجلس دائرۃ المعارف النظامیۃ الکائنۃ فی الہند، حیدر آباد، طبع اول، ۱۳۴۴ء

بیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین بن علی، دلائل النبوۃ، (محقق: الدکتور عبد المعطی قلعجی) دار الکتب العلمیۃ و دار الریان للتراث، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۸ھ / ۱۹۸۸ء

تبریزی، محمد بن عبد اللہ الخطیب، مشکوۃ المصابیح، (محقق: محمد ناصر الدین الالبانی)، المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۸۵ء

ترمذی، ابو عیسی محمد بن عیسی، الجامع الکبیر، (محقق: بشار عواد معروف) دار الغرب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸ء

ترمذی، ابو عیسی محمد عیسی، الشمائل المحمدیہ والخصائص المصطفویہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۷ھ

ترمذی، محمد عبد الشکور، تذکرۃ الظفر، مطبوعات علمی کمالیہ، فیصل آباد، ۱۹۷۷ء

تھانوی، محمد اشرف علی، تفسیر بیان القرآن، مکتبہ رحمانیہ اردو بازار، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)

شیت، محمود خطاب، آنحضرت ﷺ بحیثیت سپہ سالار، (مترجم: سید رئیس احمد جعفری)، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز، لاہور، ۱۹۶۹ء

جوزی، عبد الرحمن بن علی بن محمد، زاد المسیر فی علم التفسیر، المکتب الاسلامی، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۴ھ

جوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، (محقق: احمد عبد الغفور عطار)، دار العلم للملایین، بیروت، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۹۸۷ء

حامدی، خلیل احمد، جہاد اسلامی قرآن وحدیث کی روشنی میں، اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، اگست ۱۹۶۶ء

حسین، محمد خضر، الدعوۃ الی الاصلاح، (محقق: علی بن حسن الحلبی)، دار الرایہ، سعودیہ، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۷ھ
حلبی، برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ، مطبوعہ مصر، ۱۹۸۳ء
حلبی، علی بن برہان الدین، غزوات النبی ﷺ مع جہاد، (ترجمہ: مولانا محمد اسلم قاسمی)، دارالاشاعت، کراچی، اپریل ۲۰۰۱ء
حمید اللہ، محمد، رسول اللہ ﷺ کی حکمرانی و جانشینی، (مترجم: پروفیسر خالد پرویز)، بیکن بکس اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۶ء
حمید اللہ، محمد، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، نگارشات پبلشرز، لاہور، ۲۰۱۳ء
حمید اللہ، محمد، سیرت النبی ﷺ چند پہلوؤں پر روشنی، ادارہ و کتب خانہ حضرت قاضی محمد، ہالا قدیم ضلع مٹیاری، ۲۰۱۱ء
حمید اللہ، محمد، عہد نبوی ﷺ کے اصول سیاست، الخلیل پبلشنگ ہاؤس، راولپنڈی۔ سن طباعت (ندارد)
حمید اللہ، محمد، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۱ء
حمیری، جمال الدین عبداللہ الطیب، النسبۃ الی المواضع والبلد، مرکز وثائق والبحوث، ابوظہبی، ۲۰۰۴ء
حموی، یاقوت، معجم البلدان، موقع الوراق، المانیا، ۱۸۶۶ء
حنفی، محمد علاء الدین الحصکفی، الدر المختار، دار الفکر، بیروت۔ لبنان، ۱۳۸۶ء
خان، غلام اللہ، تفسیر جواہر القرآن، کتب خانہ رشیدیہ، راولپنڈی۔ سن طباعت (ندارد)
خان، محمد اکبر، حدیث دفاع، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۴ء
خان، محمد اکبر، ہمارا دفاع، فیروز سنز، لاہور، ۱۹۶۷ء
خان، وحید الدین، دعوت اسلام، دار التذکیر، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۶ء
خضری، محمد بن عفیفی، نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین، (محقق: ہیثم ہلال) دار المعرفہ، بیروت۔ لبنان، طبعۃ الاولی، ۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء
دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، ازالۃ الخفاء عن الخلافۃ الخلفاء، دار القلم للطباعہ والنشر والتوزیع۔ سن طباعت (ندارد)
دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث، حجۃ اللہ البالغہ، (مترجم: مولانا خلیل احمد) کتب خانہ شان اسلام، اردو بازار، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
دیلمی، شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ، مسند فردوس، دار الکتاب العربی، بیروت، ۱۴۰۷ھ
دینوری، ابن قتیبہ، المعارف، دار الکتب، قاہرہ، ۱۹۳۴ء
ذہبی، شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء، (محقق: شعیب الارناؤوط) موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۳۲ھ
راٹھور، مجتبی محمد، جہاد، جنگ اور دہشت گردی، زاویہ فاؤنڈیشن، لاہور، ستمبر ۲۰۰۹ء
رازی، فخر الدین محمد بن عمر، مفاتیح الغیب للفخر الرازی، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء
راغب الاصفہانی، ابی القاسم الحسین بن محمد بن المفضل، مفردات الفاظ القرآن، دار القلم، دمشق۔ سن طباعت (ندارد)

رحمان، گوہر، اسلامی سیاست، المنار بک سنٹر، لاہور، ۱۹۸۱ء
رفعت اعجاز، مفہوم القرآن، بیت القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۱۱ء
زبیدی، محمد بن محمد بن عبد الرزاق الحسینی، تاج العروس من جواہر القاموس، دار الھدایۃ۔ سن طباعت (ندارد)
زرقانی، محمد بن عبد الباقی، علی المواہب اللدنیہ، مصر، ۱۳۲۵ھ
زرکلی، خیر الدین بن محمود بن محمد بن علی بن فارس، الاعلام، دار العلم للملایین، ۲۰۰۲ء
زمخشری، ابو القاسم محمود بن عمرو بن احمد زمخشری، اساس البلاغہ، (محقق: عبد الرحیم محمود)، دار المعرفہ، بیروت، ۱۹۷۹ء
زیدان، عبد الکریم، اصول دعوت، (مترجم: گل زادہ شیر پاؤ) البدر پبلی کیشنز، اردو بازار، لاہور، جنوری ۲۰۱۰ء
سرور، صوفی محمد، خیر المعبود شرح سنن ابی داؤد، ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان، ۱۴۲۸ھ
سروہی، محمد یسین، نبی کریم ﷺ کی فوجی حکمت عملی، مشتاق بک کارنر اردو بازاد، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
سعدی، عبد الرحمن بن ناصر، تیسیر الکریم الرحمن، (محقق: عبد الرحمان بن معلا)، مکتبہ دارالسلام، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۰ء
سعیدی، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، اردو بازار، لاہور، فروری ۲۰۰۰ء
سمیع الحق، اسلام اور عصر حاضر، دار العلوم حقانیہ، پاکستان۔ سن طباعت (ندارد)
سوہدروی، عبد المجید، رہبر کامل ﷺ، مسلم پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور، جنوری ۲۰۱۵ء
سہیلی، عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد، الروض الانف، (محقق: عمر عبد السلام السلامی)، داراحیاء التراث العربی، بیروت، طبع اول، ۲۰۰۰ء
سیالکوٹی، محمد ابو الحسن، فیض الباری ترجمہ فتح الباری، (تصدیر: حافظ محمد اسماعیل الخطیب)، مکتبہ اصحاب الحدیث، اردو بازار، لاہور، اگست ۲۰۰۹ء
سید الاہل، عبد العزیز، قاموس القران، ادارہ العلم للملایین، بیروت، ۱۹۸۳ء
سید قطب، امن عالم اور اسلام، گلستان پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۴ء
سیوطی، عبد الرحمن بن الکمال جلال الدین، الدر المنثور فی التفسیر بالماثور، عبد الرحمن بن الکمال جلال الدین السیوطی، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳ء
شامی، محمد بن یوسف الصالحی، سبل الہدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد، (محقق: شیخ عادل احمد عبد الموجود، شیخ علی محمد معوض)، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ لبنان، طبع اول، ۱۹۹۳ء
شاہ، پیر کرم، ضیاء القرآن، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء
شبلی نعمانی، سیرت النبی ﷺ، ادارہ اسلامیات پبلشرز، انار کلی لاہور، ستمبر ۲۰۰۲ء

شعراوی، محمد متولی، تفسیر الشعراوی، اخبار الیوم، ۱۹۹۱ء
شعیب، راشدہ، اسلامی نظام حکومت نظریہ اور عمل، بک پروموٹرز، اسلام آباد، اگست ۱۹۹۵ء
شفیع، مفتی محمد، معارف القرآن، ادارۃ المعارف، کراچی، ۱۹۹۳ء
شوقی، ابو الخلیل، اطلس القرآن، دار الفکر، دمشق۔ سن طباعت (ندارد)
شوقی، ابو خلیل، بحوث و مقالات مهداۃ الیہ، علماء مکرمون، دار الفکر، دمشق، ۲۰۰۴ء
شوقی، ابو خلیل، فتح مکہ، دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۳ء
صدیقی، محمد یسین مظہر، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ شخصیت و حکمت کا تعارف، ادارہ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، ۲۰۰۱ء
صدیقی، نعیم، محسن انسانیت ﷺ، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۱۹۶۰ء
صعب، حسن، علم السیاسۃ، طبع بیروت، ۱۹۷۰ء
صقر، عبد البدیع، ہم دعوت کا کام کیسے کریں؟، دار الاندلس، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الصغیر للطبرانی، (محقق: محمد شکور محمود الحاج)، المکتب الإسلامی، دار عمار، بیروت، طبع اول، ۱۴۰۵ھ۔ ۱۹۸۵ء
طبرانی، سلیمان بن احمد بن ایوب، المعجم الکبیر، مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل، طبع دوم، ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۳ء
طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والرسل والملوک، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول، ۱۴۰۷ھ
عاقل، محمد، الدر المنضود علی سنن ابی داؤد، مکتبہ الشیخ، کراچی، ۲۰۰۸ء
عائشہ، نگہت، نو مسلم خواتین کی ایمان افروز آپ بیتیاں، ندوۃ المعارف، لاہور، ۱۹۹۹ء
عبد الباقی، محمد فواد، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، انتشارات اسلامی، تہران۔ سن طباعت (ندارد)
عبد الخالق، عبد الہادی، اصول دعوت، داعی احساء اسلامک سنٹر، سعودی عرب۔ سن طباعت (ندارد)
عبد الرزاق، شیخ، گلوبلائزیشن اور اسلام، مکتبہ الفہم، یوپی، نومبر ۲۰۱۴ء
عثمانی، شبیر احمد، تفسیر عثمانی، (مترجم: محمود الحسن)، دار الاشاعت، کراچی۔ سن طباعت (ندارد)
عثمانی، محمد تقی، اخلاقی خطبات، میمن اسلامک پبلشر، کراچی، ۱۹۹۸ء
عثمانی، محمد تقی، اسلام اور سیاسی نظریات، مکتبہ معارف القرآن، کراچی، نومبر ۲۰۱۰ء
عثمانی، محمد تقی، عصر حاضر میں اسلام کیسے نافذ ہوا؟، مکتبہ دار العلوم، کراچی، ۱۳۹۷ھ
عسکری، حسن بن عبد اللہ بن سہل، الفروق اللغویۃ الباب الثانی، مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، ۲۰۰۰ء
عقیل عبد اللہ، من أعلام الدعوۃ والحرکۃ الاسلامیہ، دار البشیر، ۲۰۰۸ء
علوی، خالد، اسلام اور دہشت گردی، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۱ء

علوی، خالد، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
علوی، خالد، انسان کامل، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۱۹۷۴ء
علوی، خالد، خلق عظیم، دعوۃ اکیڈمی، اسلام آباد، ۲۰۰۲ء
علوی، مستفیض احمد، جدید سیاسی افکار کا تجزیہ قرآن حکیم کی روشنی میں، پورب اکادمی، اسلام آباد، مئی ۲۰۱۰ء
علی، اکرام، نفع المسلم شرح صحیح مسلم، (مرتب: مولانا محمد انعام الحق قاسمی)، زمزم پبلشرز، کراچی، مئی ۲۰۱۲ء
غزالی، محمد بن محمد، احیاء علوم الدین، مصطفی البابی، مصر، ۱۹۳۹ء
غزالی، محمد بن محمد، فقہ السیرۃ، دار القلم، دمشق، طبع اول، ۱۴۲۸ھ
غلوش، احمد، الدعوۃ الاسلامیۃ اصولہا ووسائلہا، دار الفکر، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)
فاروقی، ضیاء الرحمن، جاسوسی نظام کا ایک جائزہ اور اس کا شرعی حکم، مکتبہ عمر فاروق، کراچی، جون ۲۰۱۱ء
فرخی، اسلم، شبلی نعمانی، مکتبہ پیام تعلیم جامعہ نگر، نئی دہلی، فروری ۲۰۱۱ء
فیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، مؤسستہ الرسالہ، بیروت، ۱۴۰۶ھ
قادری، محمد طاہر، سیرۃ الرسول ﷺ، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور، فروری ۱۹۹۷ء
قاسمی، محمد جلال الدین، محاسن التاویل، (محقق: محمد فواد الباقی)، دار الفکر، بیروت، الطبعۃ الثالثہ، ۱۳۹۸ھ
قاسمی، محمد سراج الدین، اسلام کا سیاسی نظام، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی، فروری ۲۰۱۴ء،
قاسمی، وحید الزماں، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات پبلشرز، لاہور، جون ۱۹۹۰ء
قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، (محقق: ہشام سمیر)، دار عالم الکتب، ریاض، ۱۴۲۳ھ / ۲۰۰۳ء
قریشی، محمد صدیق، رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، قنطارا پبلی کیشنز، جہلم، ۱۹۷۸ء
قلقشندی، نہایۃ الارب فی معرفۃ الانساب العرب، نشرۃ الابیاری، قاہرۃ، ۱۹۶۳ء
قمر، ابو احمد نوید، دعوت دین اور اس کے تقاضے، طلباء مرکز الدعوۃ و الارشاد، لاہور
کاندہلوی، مولانا ادریس، معارف القرآن، مکتبہ المعارف، شہداد پور، سندھ، ۱۴۱۹ھ
کیلانی، عبد الرحمن، تیسیر القرآن، مکتبہ السلام، لاہور، محرم ۱۴۳۲ھ
گیلانی، سید اسعد، رسول اکرم ﷺ کی حکمت انقلاب، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اکتوبر ۱۹۸۱ء
گیلانی، عبد الرحمن، نبی اکرم ﷺ بحیثیت سپہ سالار، مکتبہ السلام، لاہور، جون ۲۰۱۰ء
ماوردی، ابو الحسن، احکام السلطانیہ، مکتبہ دار ابن قتیبہ، کویت۔ سن طباعت (ندارد)
مبارکفوری، صفی الرحمن، الرحیق المختوم، ادارہ الشوون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۸ھ - ۲۰۰۷ء
محمد، فضل، دعوت جہاد، بیت الجہاد، کراچی، ۱۹۹۸ء
محمود، سید قاسم، ڈاکٹر حمید اللہ کی بہترین تحریریں، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۳ء

محمود، سید قاسم، مسلم دنیا ایک تعارف، الفیصل ناشران و تاجران، لاہور، ۲۰۰۵ء
محفوظ، شیخ علی ، ہدایۃ المرشدین، دار الاعتصام، مصر۔ سن طباعت (ندارد)
مدنی، عبد الہادی عبد الخالد، اصول دعوت، داعی احساء اسلامک سنٹر، سعودی عرب۔ سن طباعت (ندارد)
مدنی، محمد زکریا المہاجر، تاریخ مشائخ چشت، مکتبہ الشیخ، کراچی۔ سن طباعت (ندارد)
مسعودی، علی بن حسین بن علی مسعودی، التنبیہ والاشراف، افیست دار صادر بیروت۔ لبنان، ۱۸۹۴ء
مسلم بن الحجاج، ابو الحسن القشیری النیسابوری، صحیح مسلم، (المتوفی: ۲۶۱ھ)، (محقق: محمد فواد عبد الباقی) دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۲۸۳ھ
مصری، سید محمد قطب، کیف ندعوالناس، دار الشروق، قاہرۃ ، مصر ،طبعہ الثالثہ، ۱۴۲۴ھ -۲۰۰۳ء
معلوف، لوئیس، المنجد، دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۹۴ء
مقریزی، تقی الدین احمد بن علی، امتاع الاسماع بما للنبی من الاحوال والاموال والحفدۃ والمتاع، (محقق: محمد عبد الحمید النمیسی)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولی، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء
منصور پوری، محمد سلیمان، رحمتہ للعالمین، الفیصل ناشران و تاجران کتب، اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۷ء
مودودی، ابو الاعلی ، اسلامی ریاست فلسفہ ، نظام کار اور اصول حکمرانی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، لاہور، ۲۲ جنوری ۱۹۶۷ء
مودودی، ابو الاعلی، اسلوب دعوت، منشورت، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
مودودی، ابو الاعلی، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، جون ۱۹۸۸ء
مودودی، ابو الاعلی، تفہیم القران، ادارہ ترجمان القران، لاہور، ۱۹۸۲ء
مودودی، ابو الاعلی، دعوت دین کی ذمہ داری، منشورات، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)
میاں، سید محمد، دور حاضر کے سیاسی و اقتصادی مسائل، جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور، مئی ۱۹۹۹ء
ندوی، ابو الحسن علی، احادیث صریحہ مع اخواننا العرب والمسلمین، ابو الحسن علی ندوی، دار الصحوۃ، ۱۹۹۵ء
ندوی، ابو الحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۲۰۰۹ء
ندوی، ابو الحسن علی، عالم عربی کا المیہ: قرآن حکیم کے مطالعہ اور قانون فطرت کی روشنی میں، مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ، ۱۹۸۰ء
ندوی، سراج الدین، رسول خدا کا طریق تربیت، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور، مئی ۲۰۰۵ء
ندوی، سعید الرحمان اعظمی، اسلام اور مغرب، انسٹی ٹیوٹ آف ابجیکٹو اسٹڈیز، نئی دہلی، ۲۰۱۲ء
ندوی، سید سلیمان، خطبات مدراس، ادارہ مطبوعات طلبہ، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)

نسائی، ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب ، السنن الکبری، (محقق: دکتور عبد الغفار سلیمان البنداری اور سید کسروی حسن)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۴۱۱ھ - ۱۹۹۱ء

نسائی، ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب ، سنن النسائی، لبنان، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۱ھ

نعمانی، الغیبہ، نشر صدوق، تہران، ۱۳۹۷ھ

نووی، ابو زکریا یحیی بن شرف بن مری، المنہاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۳۹۲ء

نیسابوری، محمد بن عبد اللہ ابو عبد اللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، (محقق: مصطفی عبد القادر عطا)، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۰ء

واقدی، ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن واقد، المغازی، (محقق : مارسدن جونس)، عالم الکتب، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)

ہاشمی، علامہ طالب، وفود عرب بارگاہ نبوی میں، حرا پبلی کیشنز، لاہور۔ سن طباعت (ندارد)

ہروی، القاسم بن سلام، الاموال للقاسم بن سلام، (محقق: خلیل محمد ہراس) دار الفکر، بیروت، ۱۹۸۶ء

ہزاروی، غلام غوث، جنگ سیرۃ نبوی ﷺ کی روشنی میں، مکی دار الکتب، اردو بازار لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء

ہیثمی، نور الدین علی بن ابی بکر، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، دار الکتب العلمیہ بیروت-لبنان، ۱۴۰۸ھ - ۱۹۸۸ء

یوسف، محمد خیر رمضان، المستدرک علی تتمۃ الاعلام، دار ابن حزم، بیروت۔ سن طباعت (ندارد)

رسائل وجرائد، اخبار اور انسائیکلوپیڈیا

آزاد دائرۃ المعارف، ویکیپیڈیا

اردو پوائنٹ، لاہور

اردو چوپال فورم، ۳ ستمبر ۲۰۱۰ء

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانشگاہ پنجاب، لاہور، طبع اول، ۱۹۷۴ء

اردو نامہ فورم، ۲ فروری ۲۰۱۱ء

اسلام ٹائمز، ۱۵ مئی ۲۰۱۲ء

الغزالی فورم، ۱۴ جون ۲۰۱۱ء

الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، وزارۃ الاوقاف والشون الاسلامیہ، الکویت، طبع ذات السلاسل، الکویت، ۱۴۱۰ھ - ۱۹۹۰ء

بزم اردو لائبری

النسابون العرب، ۱۵ اگست ۲۰۱۱ء

ایکسپریس نیوز، ۱۶ اکتوبر ۲۰۱۵ء

جریدہ الواقعۃ، کراچی، شمارہ ۵/۶، اگست ستمبر ۲۰۱۲ء

جمعیت علمائے پاکستان فورم

روزنامہ پاکستان، ۲۰ اکتوبر ۲۰۱۴ء

روزنامہ پاکستان، ۱۳ دسمبر ۲۰۱۵ء

روزنامہ نوائے وقت، لاہور، ۲۰ دسمبر ۲۰۱۳ء

ماہنامہ الاخوۃ، ۵۰ لوئر مال لاہور، دسمبر، ۲۰۰۰ء

ماہنامہ الحق، ۱۲: ۴۱ ستمبر ۲۰۰۶ء

ماہنامہ دارالعلوم، دسمبر ۲۰۰۷ء، شمارہ ۱۲، ج: ۹۱

ماہنامہ رفیق منزل، ۹ نومبر ۲۰۱۴ء

ماہنامہ منہاج القرآن، لاہور، اپریل ۲۰۱۵ء

محدث فورم، لاہور، اگست ۲۰۱۱ء

محدث فورم، مجلس التحقیق الاسلامی، لاہور، ۳ فروری ۲۰۱۴ء

مطبوعہ ماہنامہ ’فکر و نظر‘، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، اگست ۱۹۸۱ء

مکالمہ، ۱۳ جنوری ۲۰۱۷ء